تاریخ مغربی یورپ

جلد اول

مترجمہ

مولوی محمد یحیی صاحب تنہا

بی۔اے، ایل ایل۔بی، وکیل

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

یا فتاحُ

دیباچہ

از

مترجم

سنہ ۱۹۱۰ء میں جب کہ راقم بی - اے کلاس میں تعلیم پاتا تھا اور ڈاکٹر رابن سن کی تاریخ مغربی یورپ ایک درسی کتاب کے طور پر پڑھتا تھا، کتاب مذکور کے مطالعہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُس کا ترجمہ اردو میں شائع کرنے کا متمنی ہو گیا۔ لیکن تعلیمی مشاغل سے ترجمہ کے لئے وقت نکالنا مشکل اور سخت مشکل تھا۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں تاریخ مذکور کے ترجمہ کا خیال پھر دل میں موجزن ہوا اور ارادہ کیا کہ اپنے اوقاتِ فرصت کو اس اہم کام کے انجام دینے میں صرف کروں۔

کتاب مکمل ہونے پر اِس کی طباعت و اشاعت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اِدھر مسودہ صاف کرنا شروع کیا اُدھر ترجمہ کو چھپوانے کی کوشش کی بنا ڈالی لیکن جس طرف نظر دوڑائی کامیابی کی شکل نہ دکھائی دی۔ آخر جامعہ علیہ علی گڑھ سے کتاب ہذا کی اشاعت کے لئے خط و

کتابت کیگئی - جامعہ نے اس کا طبع کرانا منظور کرلیا اور ڈاکٹر ابن سن کو حصول اجازت اشاعت کیلئے امریکہ خط لکھا - مصنف نے دو شرطوں پر ترجمہ کی اشاعت کی اجازت بلا معاوضہ دیدی - ایک یہ کہ ایک نسخہ مطبوعہ کتاب کا اُن کے پاس بھیجدیا جائے - دوسری شرط الانتظار اشد من الموت تھی - یعنی صاحب موصوف نے لکھا کہ وہ کتاب مذکور کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے والے ہیں اور چونکہ جنگ یورپ کی وجہ سے حالات میں بجید تبدیلی ہوگئی ہے اس لئے نئے ایڈیشن کا ترجمہ شائع ہونا چاہیئے لہذا جامعہ کے پروفیسر صاحب نے جن سے مراسلت ہو رہی تھی طباعت ترجمہ سے مجبوری ظاہر کی - کچھ دنوں کے بعد یہ پروفیسر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ میں شامل ہوگئے اور ع .

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

جامعہ کی طرف سے کتاب چھپنے کی امید منقطع ہوگئی - آخر ایک سال انتظار کرنے کے بعد خاکسار نے خود ڈاکٹر ابن سن کو لکھا کہ وہ نئے اڈیشن کا ایک نسخہ (اگر شائع ہوگیا ہو) روانہ فرما کر ممنون کریں - جو جواب ڈاکٹر صاحب موصوف نے مجھے لکھا اُس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

" نیویارک

۹ نومبر ۱۹۲۳ء

ڈیر سر!

یہ بات میرے لئے بجید باعث افتخار ہے کہ آپ میری کتاب تاریخ یورپ کو اپنی زبان میں ترجمہ کے قابل خیال کریں .... بدقسمتی سے مجھے اپنی کتاب مغربی یورپ پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا جو بیس برس سے زائد ہوئے شائع کیگئی تھی - میرا خیال ہے کہ آپ کو نئے ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا چاہیئے - بہترین طریقہ یہ خیال میں آتا ہے کہ آپ پرانے ایڈیشن سے کام لیں اور جہاں جہاں ضرورت ہو اُسکی ترمیم کرتے جائیں - اس بارہ میں آپ مجھ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے ملک کے طالب علموں کے لئے کیا کیا امور مفید اور مناسب حال ثابت ہوں گے - آپ اپنی

کتاب اس بیان سے شائع فرمائیں کہ یہ آزاد ترجمہ ہے اور اپنی ضروریات کے لحاظ سے اس کو مناسب حال بنایا گیا ہے۔ میں آپ کو اس بارہ میں قطعی آزادی دیتا ہوں۔

تاریخ مغربی یورپ میں خاص کمی یہ ہے کہ اس میں انیسویں صدی کا حال مختصر طور پر درج ہے۔ چونکہ یہ کتاب ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی اس لئے اس میں بیسویں صدی کے خوفناک ابتدائی سنین کا حال درج نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ کو اٹھارویں صدی کے بعض ابواب کو بآسانی وسعت دینے اور انیسویں صدی اور ابتدائی بیسویں صدی کی تاریخ کو کتاب مغربی یورپ کے طرز پر صاف اور واضح بیان کرنے کیلئے، اگر آپ ایسا کرنا پسند کریں، میں ناشرین کو لکھ رہا ہوں کہ وہ آپ کو کتاب موسوم بہ "ہمارا اپنا زمانہ" بھیجدیں جس کی تیاری میں مجھے میرے دوست پروفیسر بیرڈ نے امداد دی تھی۔ اس کے علاوہ میں ایک اور مختصر کتاب بھیج رہا ہوں۔ آپ ان دونوں کتابوں سے اپنی اصلی کتاب کے لئے جس قدر مناسب سمجھیں حالات اخذ کرلیں۔ اس خیال سے کہ آپ کی کتاب ضرورت سے زیادہ ضخیم نہ ہوجائے آپ ازمنۂ مظلمہ کے حصہ کی تفصیل کو مختصر کردیں جو مغربی ناظرین کے لئے بھی کم دلچسپ ہے تاکہ حال کے دلکش مواد کے لئے بھی کافی جگہ نکل آئے۔

جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں جس طرح آپ کی مرضی ہو اس مواد سے کام لیجئے۔ میں آپ کو کسی طرح بھی پابند کرنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ کی رائے اس بارہ میں میری رائے سے مرجح اور فائق ہے۔

میں اپنے حالات زندگی کا مختصر خاکہ آپ کو لکھکر بھیجتا ہوں .... میرے نزدیک ضروری اور اہم امر یہ ہے کہ زمانۂ ماضی کے ایسے واقعات انتخاب کرکے ہدیۂ ناظرین کئے جائیں جن سے ہم موجودہ زمانہ کو بخوبی سمجھ سکیں۔ میری رائے میں تاریخ، آجکل کی حالتوں اور موجودہ زمانہ کے مسائل کو بامعان نظر مطالعہ کرنے کے قریب پہنچا دینے کا نام ہے۔

آپ کی دلچسپی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اور اقوام عالم میں دوستی اور اتحاد کے

اضافہ کی دعا کرتے ہوئے

میں ہوں آپ کا نہایت وفادار

جیمس۔ ایچ۔ رابن سن "

ہم نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس نصیحت پر کہ "ازمنۂ مظلمہ کے حصہ کی تفصیل کو مختصر کر دیں" عمل نہیں کیا۔ اوّل تو ہم اس نصیحت سے پیشتر لفظی ترجمہ کر چکے تھے دوسرے ہمارے ہموطن تاریخ یورپ سے قریب قریب نابلد ہیں۔ جب تک ابتدا سے یورپ کی تدریج ترقی کا خاکہ کھینچکر نہ دکھلایا جائے اُن کے نزدیک یہ گتھی کبھی نہ سلجھیگی کہ یورپ کس طرح عہد تاریک سے نکلکر زمانۂ موجودہ کی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوا۔ یورپ کی موجودہ حالت کو کم وبیش ہمارے اُردو خواں یہاں تک کہ جاہل بھائی بھی جانتے ہیں لیں ڈاکٹر موصوف کے نزدیک جو کچھ تاریخ سے مراد ہے ہمیں اُسی نقش قدم پر چلنا چاہیئے تاکہ ازمنۂ مظلمہ کی تفصیل کو پڑھکر خود بخود احیائے علوم قدیمہ کی ضرورت اور اس کے بعد ترقی تمدن وتہذیب کا حال بخوبی سمجھ میں آسکے۔

ہم نے اٹھارویں صدی کے ایک دو باب کو اور انیسویں صدی کے کل ابواب کو حسب ضرورت ڈاکٹر موصوف کی مرسلہ کتابوں کی روشنی میں ترمیم کر دیا تھا اور بیسویں صدی کے کل ابواب اضافہ کر دئے تھے کیونکہ اصل کتاب میں بیسویں صدی کا ذکر ہی نہ تھا اور اگر تھا تو نہ ہونے کی برابر تھا اور اس طرح کتاب کو دور حاضر تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن جب سال گزشتہ یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رابن سن کا موعودہ ایڈیشن شائع ہو گیا ہے تو مکرمی ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی رائے کے مطابق یہ مناسب خیال کیا گیا کہ تاریخ مغربی یورپ کے اُن تین ابواب کا بھی بجنسہ ترجمہ کیا جائے جو اوّل الذکر نے حال میں اضافہ فرمائے ہیں اور بیسویں صدی کے خود اخذ کردہ حالات کو کتاب سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چونکہ کتاب بہ نظر حالات موجودہ ایک جلد کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ناظرین کرام دوسری جلد میں انشاء اللہ العزیز تاریخ مغربی یورپ کے ان اضافہ شدہ ابواب کا ترجمہ بھی مطالعہ فرما سکینگے۔

جنگ یورپ سے ہمیں ایک بہت بڑا فائدہ ہوا وہ یہ کہ یورپ کے اکثر مقامات کے نام اردو
داں اصحاب کے لئے معمہ نہ رہے بلکہ یورپی ممالک کے اکثر حالات معلوم ہو گئے اور وہاں کی طرز
حکومت سے واقفیت ہو گئی۔ لہذا اُن ممالک کے گزشتہ حالات ضرور دلچسپی سے پڑھے جائینگے۔

اگرچہ اس کتاب کا نام تاریخ مغربی یورپ ہے لیکن فی الحقیقت یہ کتاب تاریخ یورپ ہے
اس میں روما کے زوال کے بعد موجودہ زمانہ تک جو کچھ تمام یورپ میں اہم اور ضروری واقعات
ہو گزرے ہیں اُن سب کو بیان کیا گیا ہے۔ بے شک بلقان، آسٹریا، روس اور ٹرکی کا حال
مختصر طور پر تحریر ہے لیکن پھر بھی بقیہ یورپ کی تاریخ سمجھنے کیلئے بہت کافی ہے۔ آجکل جو سلطنتیں
مشہور و معروف ہیں اور جنکی وجہ سے یورپ آجکل کا یورپ بنا ہوا ہے اُن کا حال بالتفصیل درج
ہے اور چونکہ وہ یورپ کے مغرب میں واقع ہیں اس لئے کتاب کا نام تاریخ مغربی یورپ
رکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں ایک خصوصیت ہے جسکی وجہ سے راقم نے اس کو ترجمہ کے لئے پسند کیا۔
یونیورسٹی کورس میں تھیچر اینڈ شوئیلز کی تاریخ یورپ بھی داخل تھی اور وہ کتاب بھی اچھی ہے لیکن
اس میں بلحاظ سنین صرف واقعات بیان کر دئے گئے ہیں اور لوگوں کی عام طرز معاشرت، طرز
ماند و بود، علم کی ترقی، مختلف انجمنوں، مختلف خیالات اور کسی واقعہ کے اسباب و علل سے بحث
نہیں کی اور واقعات کو بھی زیادہ تر شاہان سلف اور اُن کے ہمنوا اُمرا اور وزرا تک محدود
رکھا ہے۔ برعکس اس کے تاریخ مغربی یورپ کے ابواب پر سرسری نظر ڈالنے سے ناظرین کو
معلوم ہو جائے گا کہ مصنف کا منشا کتاب ہذا لکھنے سے تاریخ یورپ کے واقعات کو اس طرح
بیان کرنا ہے کہ موجودہ یورپ کے تمدن کے ہر شعبہ کو بآسانی اور بخوبی سمجھ لیا جائے اور ہم کو
بھی یہی مد نظر ہوا کہ اپنے اہل ملک کی ضیافت طبع کے لئے سنین کا نا ختم ہی سلسلہ اور مشاہیر
یورپ کے معرکوں کی خونریزی کا مفصل حال بالاجمال بیان کریں لیکن واقعات اور اُن کے
اسباب و علل کی دلچسپ داستان بالتفصیل پیش کریں۔

یہ کتاب اسی غرض سے ترجمہ کی گئی ہے کہ میرے عزیز ہموطن اس کو پڑھکر اہل یورپ کی حکمت عملیوں سے واقف ہو جائیں۔ اُن کی ضرورتوں، اُن کے خیالات، اُن کے رسم و رواج اور اُن کے عادات و خصائل معلوم کرنے کے بعد موجودہ کشمکش کو سمجھ جائیں۔ اگرچہ ہمارے ملک کی سیاسی حالت روز بروز بدلتی جاتی ہے لیکن بے سمجھے بوجھے رہناؤں کی تقلید سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ عوام کو سیاسیات کی تعلیم دینا ضروری ہے قبل اس کے کہ ہمارا ملک سوراج حاصل کرے اور یہ تعلیم یورپ کی تاریخ کے ہر صفحہ پر نمایاں اور درخشاں ہے۔ پس اس بارہ میں ہم کو یورپ کی شاگردی کی ضرورت ہے۔

ہم کو یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے برادران اسلام اکثر اُن حالات کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں جن میں اُن کے اسلاف صالحین کا تذکرہ ہوتا ہے اور غیر اقوام کے مشاہیر کی داستان ان کو بامزہ نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کبھی آنکھ کھول کر نہیں دیکھتے کہ اور قوموں کے کیا کیا کارنامے ہیں اور دنیا میں کیا کیا ہو رہا ہے؟ میں نہایت ادب کے ساتھ ملتجی ہوں کہ وہ اس نقص کو جو اُن کی ترقی میں ہمیشہ حائل رہے گا جسقدر جلد ہو سکے رفع ہو سکے اور اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کریں ورنہ اُنکی نسبت یہی کہا جائے گا ؎

ان افتخرت بآبا ء مضوا سلفاً ٭ قلنا صدقت ولکن بئس ما ولدوا

(اگر تم کو اپنے بڑوں پر فخر ہے تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایسے ہی تھے مگر اولاد بُری چھوڑ گئے)

ہمارے نزدیک اردو خواں اصحاب کے لئے اجنبی اور غیر مانوس مقامات اور بادشاہوں اور سپہ سالاروں کے نام کا زبان پر چڑھنا اور اُن کو بآسانی ادا کرنا مشکل ہے۔ اگر ہم انگریزی میں بھی ان ناموں کو لکھتے تو بوجہ کثرت، کاتب کے لئے ایک زحمت اور اردو خواں اصحاب کے لئے بیکار ثابت ہوتے۔ اس لئے ہم نے انگریزی حروف میں ناموں کا لکھنا فضول سمجھا بُرا بھلا اُن کا تلفظ ہمارے ناظرین اپنی زبان میں خود کرلیں گے اور آئندہ وہی رواج پاجائیگا۔ تاریخ سمجھنے کے لئے نقشہ نہایت ضروری چیز ہے۔ اس لئے مختلف مقامات پر حسب

ضرورت نقشے دیدیئے گئے ہیں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ نقشوں کی امداد سے کتاب ہذا پڑھیں۔

اس میں شک نہیں کہ انگریزی داں اصحاب تاریخ یورپ کو انگریزی میں پڑھ سکتے ہیں لیکن بہت کم ایسے اشخاص ہیں جو یہ تکلیف گوارا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں خود اپنی زبان میں جب کتاب موجود ہو تو انگریزی کے باریک حروف سے کیوں اپنی بینائی کو نقصان پہنچائیں اور مطالب و معانی کے سمجھنے میں کیوں اپنے دماغ کو زحمت دیں۔

فی الحقیقت ترجمہ کرنا بعض اوقات تصنیف سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ ہماری زبان اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے۔ تاہم یہ کوشش کیگئی ہے کہ لمبے لمبے جملوں کا مطلب بھی بآسانی سمجھ میں آجائے۔ اگر ہم اُس دُھن میں جس میں مترجم ایک طرف ترجمہ پر نظر ڈال کر اور دوسری طرف اصل عبارت کو پڑھکر خیال کرتا ہے کہ میرے الفاظ سے میرے ناظرین بھی یہی مطلب سمجھیں گے جو میں بزعم خود سمجھ رہا ہوں کہیں کہیں غلطی کر گئے ہوں تو ہم کو متنبہ کیا جائے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں یہ خامیاں رفع کر دی جائیں۔

آخر میں ہم جامعہ ملیہ دہلی کی اردو اکادمی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس کی کوشش سے آخرکار یہ کتاب گوشۂ خمول سے باہر آئی اور اب پبلک کے ہاتھوں میں ہے۔

موتی ہزار قعر سمندر میں ہوں نہاں — پر یہ بتاؤ اُن کا خریدار ہے کہاں؟

کھلتے ہیں پھول سیکڑوں ویران دشت میں — ہے کون رنگ و بو کا وہاں انکے قدرداں؟

غازی آباد
۳ ستمبر ۱۹۲۸ء

محمد یحییٰ تنہا

مُصنّف کا مختصر حال

ڈاکٹر جیمس ہاروی رابن سن ممالک متحدہ امریکہ میں بمقام بلومنگٹن ال سنہ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے
تھے۔ مقامی مدرسوں اور قرب وجوار کے نارمل اسکول میں تعلیم پانے کے بعد آپ نے ایک سال
یورپ میں بسر کیا اور بعد ازاں ایک سال تجارت کرتے رہے۔ اپنے زمانہ تعلیم میں آپ نے اپنا
بہت سا وقت علم الحیوانات اور خواص الاشیاء کے عجائب خانہ میں صرف کیا جس سے آپ نے
علمی تحقیقات کے عام خیالات حاصل کئے جو آپ کی مابعد زندگی میں بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ اپنے
مختصر زمانہ تجارت میں آپ کو سوداگر اور بینکر کے عام رجحانات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ آپ
اُس وقت یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے کافی تیار نہ تھے تاہم آپ نے ہارورڈ کالج میں داخل ہونے کا
مصمم ارادہ کر لیا اور آپ سنہ ۱۸۸۴ء میں داخل ہو گئے جہاں سے آپ نے سنہ ۱۸۸۸ء میں بی۔اے پاس
کیا اور ایک سال اور آپ صرف تاریخ مشروطہ پڑھتے رہے۔ ہارورڈ میں آپ کو ولیم جیمس ایک
ماہر نفسیات سے سابقہ پڑا جس کی صحبت نے آپ پر گہرا اثر ڈالا اور آپ کو مطالعہ کتب اور تحریر کا
شوق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے تقریباً تین سال یورپ میں بسر کئے اور جرمنی میں بمقام
فرے برگ ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں آپ پنسلوانیا یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے
اور وہاں سے سنہ ۱۸۹۵ء میں آپ کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں چلے آئے جہاں آپ سنہ ۱۹۱۸ء تک
رہے جبکہ آپ نے پروفیسری سے استعفا دیدیا۔ اس کے بعد نیویارک میں آپ ایک نئے
مدرسہ کے اجراء میں شریک ہو گئے جہاں آپ نئے طریقہ پر بالغوں کو تعلیم دینے کا خیال رکھتے
تھے۔ لیکن تاریخی درسی کتابیں لکھنے میں جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی اور نیز اس شوق نے کہ
سمجھدار لوگوں کو بعض اہم تاریخی امور اور فلسفیانہ خیالات واضح طور پر بتلائے جائیں درس و تدریس
کا مشغلہ آپ سے چھڑا دیا اور آپ یکسو ہو کر اپنا تمام وقت کتاب نویسی میں صرف کرنے لگے۔

آپ کی کتاب موسوم بہ "دماغ کی تیاری" جو ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی ایک ہر دلعزیز ناول کی طرح کثیر تعداد میں فروخت ہوئی۔ بعدازاں ۱۹۲۳ء میں آپ نے دوسری کتاب "علم کو عام کرنا" شائع کی۔

ڈاکٹر رابن سن کا مقصد حیات اپنی تاریخی معلومات کو ذہنی قویٰ کی ترقی میں صرف کرنا ہے۔ بنی نوعِ انسان کے گزشتہ واقعات میں آپ کو صرف اس وجہ سے دلچسپی ہے کہ وہ زمانۂ حال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ ایچ۔ جی۔ ویلیس کے اس بارہ میں ہم خیال ہیں کہ بنی نوع انسان کی عظیم مشترکہ جدوجہد کی عام واقفیت اور متحد النسل ہونے کا علم ہماری تمام تعلیم میں جاری وساری ہونا چاہیئے تاکہ قدیم عداوتیں اور افسوسناک مظالم جنکے نتیجتاً پیدا ہونی پھیلتی ہے صفحۂ دنیا سے معدوم ہو جائیں۔ ڈاکٹر رابن سن کا خیال ہے کہ گزشتہ زمانہ کے مورخین نے بہت سے معمولی واقعات کو انتخاب کیا اور انسانی خیالات کی ترقی میں جو ضروری عناصر تھے اُن کو چھوڑ دیا۔ پس آپ کے نزدیک موجودہ زمانہ کے مورخ کا خاص کام یہ ہے کہ وہ اپنی تاریخ میں بہت سے بیجا مواد کو قلم انداز کر دے اور اُس کی جگہ نوعِ بشر کی رفتار زندگی کے دیگر عناصر کو تحریر کرے جو اس امر کے اظہار میں مدد دیں کہ کس طرح ہم ان پریشانیوں تک پہنچے جنہیں ہم آجکل مبتلا ہیں۔

ڈاکٹر موصوف کا انداز بیان بہت صاف اور واضح ہے اور آپ امریکہ کے مشہور مورخ ہیں۔ آپ کی تصنیفات نصف درجن سے زائد ہیں جن سے آپ کی وسیع معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے خیالات نہایت عمدہ اور قابل قدر ہیں۔ خدا کرے ہماری زبان میں بھی ایسے ہی لائق مصنف اور مؤلف پیدا ہوں جو اپنی واقفیت عامہ کو بنی نوع کی ترقی و بہبودی میں صرف کریں۔

وسعتِ تاریخ | تاریخ اپنے وسیع معنی میں تمام اُن کاموں کی واقفیت کا نام ہے جو انسان نے انجام دیے ہیں یا جن پر غور کیا ہے یا جن کی آرزو کی ہے یا جن کا احساس کیا ہے۔ یہ گزشتہ انسانی کاروبار کا لامتناہی علم ہے۔ یہ ایسا مضمون ہے جس کی کوئی حد نہیں اور جس کی اہمیت بے پایاں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ نہایت دھندلی شکل میں ہے۔ مورخ مصری جو گوشہ مینار کے حروف پڑھنے میں مشغول ہو سکتا ہے، قرونِ وسطیٰ کی خانقاہ کا ذکر کر سکتا ہے، مغل شاہانِ ہندوستان کے حالات بیان کر سکتا ہے یا نپولین کی لڑائیوں کا حال لکھ سکتا ہے۔ وہ بتلا سکتا ہے کہ سلطنتِ روما کیونکر اور کس طرح جرمن وحشیوں کے حملوں سے مغلوب ہوئی یا وہ ممالکِ متحدہ امریکہ اور اسپین کی جنگ ۱۸۹۸ء کے اسباب بیان کر سکتا ہے یا وہ کہہ سکتا ہے کہ کیلون کا لوتھر کی نسبت

کیا خیال تھا یا یہ کہ فرانسیسی کاشتکار کی اٹھارہویں صدی میں کیا کیا چیزیں خوراک تھیں۔ ہم اِن معاملات میں سے ہر ایک کے بارہ میں بشرطیکہ ہم اُس ثبوت کو جو اب تک موجود ہے غور سے جانچنے کی تکلیف گوارا کریں کچھ نہ کچھ واقفیت بہم پہنچا سکتے ہیں اور انہی تمام باتوں کا نام تاریخ ہے۔

مقصد کتاب ہذا | اس کتاب میں مختصر مگر نہایت اہم جزو تاریخ عالم کا ذکر ہے۔ اس کتاب کا مقصد کامل طور پر جیسا کہ ایک جلد میں ممکن ہے اُن خاص تبدیلیوں کا بیان کرنا ہے جو مغربی یورپ میں سلطنت روما کی افواج پر جرمن وحشیوں کے غالب آنے اور اپنی اپنی سلطنتیں قائم کرنے کے بعد سے واقع ہوئیں چنانچہ موجودہ ممالک فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریا، اسپین، ہالینڈ، بلجیم اور انگلستان رفتہ رفتہ انہیں سلطنتوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اِن ممالک میں سے ہر ایک کی گزشتہ پندرہ صدی کی تاریخ پر پورے پورے کتب خانے موجود ہیں اور کسی ایک اہم شخص مثلاً سینٹ فرانسس، کرامویل، فریڈرک اعظم یا نپولین کے مناسب مکمل حالات کے لئے ایک یا دو جلدوں کی ضرورت ہے۔ کتب سیر اور عام تواریخ کے علاوہ بکثرت علیحدہ علیحدہ کتابیں کلیسا اور دیگر بڑی بڑی انجمنوں اور نیز مختلف ممالک کے قوانین، فلسفہ، فنون و ادب پر موجود ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی مختصر جلدیں جیسی کہ یہ ہے صرف بہت ہی کم تاریخی واقعات جن سے مورخ واقف ہیں ممکن طور پر سما سکتے ہیں۔ جو شخص تھیوڈوسیس اور الیرک کے زمانہ سے یورپ کی گزشتہ تاریخ کو چھ سو صفحات میں قلمبند کرنا چاہتا ہے وہ اپنے سر پر بڑی ذمہ داری کا بار اٹھاتا ہے۔ ناظرین کو اس سے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ جو کچھ وہ کتاب میں پڑھینگے نہ صرف صحیح اور واضح طور پر بیان کیا جائے گا بلکہ اُس میں وہ تمام اہم اور مفید باتیں بھی موجود ہونگی جو بے انتہا تاریخی باتوں سے جن کا انسان کو علم ہے منتخب کی جائیں گی۔

ہم عملی طور پر محض تاریخوں اور واقعات کے لکھ دینے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ تاریخ کے طالب علم کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگ کیسے زندگی بسر کرتے تھے، اُن کی کیا کیا سوسائیٹیاں تھیں، (درحقیقت صرف خاص خاص اقوام ہی ہیں) اُن کے کیا کیا پیشے، کیا کیا دلچسپیاں اور کیا کیا کارگزاریاں تھیں، تہذیب و شائستگی نے تقریباً دس صدی کی مدت کے بعد کس طرح کار دبار چلایا تھا، بعد ازاں کس طرح

تجارت نے ترقی کی اور صنعت و حرفت نے رواج پایا، طرز معاشرت میں کلیسا کو کیا دخل رہا، راہب کس طرح رہتے تھے اور انہوں نے بنی نوع انسان کی کیا کیا خدمات انجام دیں۔ المختصر موجودہ اور وسطی تاریخ یورپ کا مقصد گزشتہ پندرہ سو برس کی مغربی تہذیب کی نہایت اہم تبدیلیات کا ذکر کرنا ہے یعنی کس طرح مغربی سلطنت روما اور صحرائی اور نامعلوم اضلاع جن میں جرمن اقوام آباد تھیں گلیڈسٹون اور بسمارک، ڈاروِن اور پاسٹیور کا یورپ بن گئے۔

اس عرصۂ دراز کی بڑی بڑی تبدیلیوں کا صرف خاکہ کھینچنے کے لیے بھی جو کچھ مستثنیات اور غیر معمولی امور ہوں اُن کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔ ہم کو انسان کی قدیم عادات کے طرز عمل پر اور اُن باتوں پر جن کو وہ کم و بیش ایک صدی تک تقریباً اُسی طریقہ سے کرتا رہا اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ خاص خاص واقعات اُسی حد تک اہم ہیں جہاں تک کہ وہ اِن مستقل حالتوں کے اظہار میں مدد دے سکیں اور اس امر کی توضیح کر سکیں کہ کس طرح مغربی دنیا ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتی رہی۔

زمانۂ ماضی کا حال ہم کو ہمدردی کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔

سب سے پہلے ہم کو وہ عادات اور رسومات جن کو ہم شروع ہی سے لغو اور بیہودہ کہنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ہمدردی کے ساتھ مطالعہ کرنی چاہئیں۔ مورخ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی خاص طریقے سے کسی چیز کے کرنے کو صحیح یا غلط ثابت کرے مثلاً بادشاہ کو تمام حکومت سپرد کر دینا یا پادریوں کو شادی کی ممانعت کر دینا۔ اُس کا فرض ہے کہ اُس سے جہاں تک ہو سکے وہ عمدگی کے ساتھ بیان کرے کہ فلاں طریقہ کا رواج کیونکر ہوا، اُس کی نسبت کیا کیا خیالات تھے، اُس نے کیا کام دیا اور کس طرح دوسری تجویز اُس کی قائم مقام ہوئی۔ یہ ہمیں ضرور وحشیانہ پن معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو صرف اس بنا پر کہ وہ اپنے ہمسایوں کے برعکس، عیسائیت کے متعلق مختلف خیالات رکھتا ہے زندہ جلا دیا جائے۔ لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ بجائے اس کے کہ ہم اس رواج کو صرف بُرا کہنے پر اکتفا کریں ہم تاریخی طالب علم کی حیثیت سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کریں کہ کیوں تقریباً تیرہویں صدی میں ہر شخص یہاں تک کہ دانا سے دانا اور رحم دل سے رحم دل آدمی اس بات پر متفق ہو گیا کہ بدعتیوں کے لئے ایسی خوفناک سزا ہی مناسب ہے لیکن اس کتاب میں بلا تو

اور قوموں کے گزشتہ عقائد و خصائل پر ہمدردی کے ساتھ غور کرنے کی ہر جگہ کوشش کی گئی ہے یعنی اُنکو طبعی ظاہر کیا گیا ہے اور اُن کے بُرے نتائج دکھانے کے بجائے، اُن کے مفید اثرات ظاہر کئے گئے ہیں کیونکہ کسی طریقہ کی کمزوری نہیں بلکہ اُس کی عمدگی انسان کو اُس کے اختیار و قیام کی رغبت دلاتی ہے۔

زمانۂ ماضی کو خاص خاص محدود زمانوں میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے

زمانۂ ماضی کو خاص خاص محدود زمانوں میں تقسیم کرنا اور یہ ثابت کرنا کہ جب ایک عہد ختم ہو گیا تو دوسرا عہد کسی خاص سنہ مثلاً ۴۷۶ء یا ۱۴۵۳ء یا ۱۷۸۹ء میں شروع ہوا ناممکن ہے۔ لوگ اپنی عادات اور کاروبار کے طریقہ کو خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو فوراً نہیں بدلتے اور نہ بدل سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ایک واقعہ مثلاً کوئی خاص اہم لڑائی جس سے کسی قوم کی آزادی مفقود ہو جائے، طرز حکومت میں فوری تبدیلی پیدا کر دے اور نتیجتاً تجارت و صنعت و حرفت کے لئے حوصلہ افزا یا دل شکن ثابت ہو یا لوگوں کی زبان یا جرأت پر اس کا اثر پڑے، تاہم یہ بڑی تبدیلیاں آہستہ آہستہ واقع ہوا کرتی ہیں۔ کسی لڑائی یا انقلاب کے بعد کاشتکار اُسی پُرانے طریقہ پر جوتتا اور بوتا رہے گا، پیشہ ور اُسی معلوم طریقہ پر اپنا کام کرتا رہے گا اور سوداگر وہی اپنی خرید و فروخت جاری رکھے گا۔ عالم اپنا لکھنا پڑھنا بدستور کرتا رہے گا اور گھر کے کام کاج نئی حکومت کے زمانہ میں بھی اُسی طریقہ سے انجام پذیر ہوتے رہیں گے جس طرح کہ پُرانی حکومت کے وقت میں ہوتے تھے۔ پس حکومت کی تبدیلی اگر لوگوں کی عادات پر اثر ڈالتی ہے تو ہر حالت میں بہت ہی آہستہ آہستہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض بعض صورتوں میں قطعی کوئی اثر نہ پڑے۔

اٹھارھویں صدی کے اختتام پر انقلاب فرانس سے جس کے ضمن میں حالات ہم تک پہنچے ہیں، غالباً نہایت فوری اور مکمل تبدیلی ایک قوم کی عادات و اطوار میں ہوئی لیکن جب ہم اُس کا ذکر کرینگے تو ہم بتائیں گے کہ یہ تبدیلی کسی طرح سے اس قدر دفعتاً فی الحقیقت نہیں ہوئی جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بانیوں کو مستقل طور پر طرز حکومت بدلنے میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ جب اہل فرانس سینکڑوں برس سے شخصی سلطنت کے محکوم چلے آتے تھے ۱۷۸۹ء میں جمہوری

سلطنت قائم کی تو نئی حکومت صرف چند برس تک چل سکی۔ قوم طبعاً شخصی سلطنت کی دلدادہ تھی، پس اُس نے خوشی سے نپولین کی حکومت کو قبول کر لیا، جو شاہانِ سلف کی حکومت سے بھی زیادہ جابر تھی۔ اُس نے سلطنت کی از سرِ نو درستی میں بہت کچھ مستردِ شخصی سلطنت سے مستعار لیا اور موجودہ فرانسیسی جمہوری سلطنت نے اب تک بہت سے اُن انتظامات کو برقرار رکھا۔

تاریخ کی یکسانی یا تسلسل

بنی نوع انسان کی یہ رغبت کہ اس سال بھی عموماً وہی کریں جو پچھلے سال کیا تھا، خواہ زندگی کے کسی شعبہ میں تبدیلیاں واقع ہو گئی ہوں مثلاً بادشاہ کے بجائے پریسیڈنٹ کا ہونا، گھوڑے پر سفر کرنے کے بجائے ریل میں سفر کرنا یا کسی ہمسایے سے خبریں حاصل کرنے کے بجائے اخبارات سے خبریں بہم پہنچانا تاریخ کی یکسانی یا تسلسل پر دال ہے۔ یہ امر واقعہ کہ لوگوں کے رسوم و رواج میں دفعتاً کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ اشیاء کے خواص میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے غالباً سب سے زیادہ ضروری اور بنیادی سبق ہے جو تاریخ ہمیں سکھاتی ہے۔

مورخ بعض اوقات اس اصول کو فراموش کر دیتے ہیں جب وہ اپنی کتابوں کو خاص خاص تاریخوں پر شروع کرنے اور ختم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر تواریخ یورپ ۱۲۷۰ء سے ۱۹۱۸ء تک یا ۱۲۷۰ء سے ۱۴۹۲ء تک کے حالات پر مشتمل ہیں۔ گو یا کسی قابل جرمن بادشاہ کی تخت نشینی نے ۱۹۱۸ء میں یا کسی نامور فرانسیسی بادشاہ کے انتقال نے ۱۲۷۰ء میں یا امریکہ کے دریافت ہونے نے یورپ کے معاملات میں عام تبدیلی پیدا کر دی لیکن فی الحقیقت کوئی عام تبدیلی ان تاریخوں میں یا کسی ایک سال میں نہیں ہوئی۔ بلا شبہ یہ امر ناظرین اور مورخین کے لئے نہایت ہی آرام دہ ثابت ہوتا اگر دنیا کسی خاص پروگرام (دستور العمل) پر متفق ہو کر کاربند ہو جاتی اور اپنی عادات کو خاص خاص تاریخوں پر بدل لیا کرتی بلکہ زیادہ مناسب ہوتا اگر ہر صدی کے شروع میں ایسا کیا کرتی۔ لیکن ایسا کوئی معاہدہ کبھی نہیں ہوا اور تاریخ کے طالب علم کو جس طرح چیزیں اُسے ملیں اُسی طرح اُن کو سمجھنا چاہئے۔ اس کو یہ بات معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ اقوام اپنے قدیم رواج کو بھی قائم رکھتی ہیں جبکہ وہ نئی رسوم اختیار کرتی ہیں اور نیز یہ کہ کسی قوم کا ایک حصہ ترقی کرتا ہے

اور دوسرا بڑا حصہ پھسڈی رہ جاتا ہے۔

لفظ "قرون وسطیٰ" کے معنی

لہٰذا ہم کسی ایسے حال یا کسی ایسے واقعہ کو نہیں بتا سکتے جو مناسب طور پر اُس عہد طویل کی ابتدا کہا جاسکے جو مغربی یورپ میں سلطنت روما کے زوال کے بعد ظہور پذیر ہوا اور جس کو ہم قرون وسطیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شمالی اور مغربی حدود سلطنت روما کے باہر جس میں تمام مہذب دنیا دریائے فرات سے لیکر برطانیہ تک شامل تھی عجیب وغریب اقوام ادھر اودھر رہتی تھیں جنکی تاریخ اہل روما سے کبھی کبھی مٹھ بھیڑ ہونے سے بیشتر کلی طور پر گوشۂ گمنامی میں پڑی ہے۔ یہ جرمن یا وحشی لوگ جیسا کہ اہل روما اُن کو کہتے تھے مغربی سلطنت روما کا خاتمہ کرنے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً سو سال پہلے ان لوگوں نے اہل روما کو پریشان کرنا شروع کیا جبکہ رومیوں کے جنرل میری اُس نے اُن کی ایک بڑی فوج کو شکست دی تھی۔ جولیس سیزر نہایت عمدہ لاطینی زبان میں جس کا حال اُن سب لوگوں کو معلوم ہے جنھوں نے لاطینی پڑھی ہے، بیان کرتا ہے کہ کس طرح اس واقعہ کے پچاس سال بعد اس نے اُن کے دوسرے دستۂ افواج کو حدود سلطنت سے باہر نکال دیا تھا۔ بہرحال ان ابتدائی مقابلوں میں اور جرمن سلطنتوں کے قیام میں جو سلطنت روما کی حدود کے اندر قائم ہوئیں پانسو برس گذر گئے۔ اُن کے قیام سے مغربی یورپ میں سلطنت روما کا خاتمہ ہوگیا اور قرون وسطیٰ کی ابتدا ہوئی۔

تاہم یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ رومیوں کی تہذیب دفعتاً اس زمانہ میں غائب ہوگئی۔ جیسا کہ ہم دکھلائیں گے آگسٹس (جو ۱۴ء میں مرا) کے طلائی عہد کے بعد کی صدیوں میں یہ تہذیب رفتہ رفتہ بدلتی رہی۔ جرمن فتح سے بہت قبل فنون و ادب کا تنزل قرون وسطیٰ کی سطح تک پہنچ گیا تھا۔ اکثر خیالات اور حالات جو وحشیوں کی آمد کے بعد غالب آئے بیشتر کافی طور پر عام ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ جہالت اور علمی مذاق کی کمی بھی جس کو ہم خصوصاً قرون وسطیٰ سے منسوب کیا کرتے ہیں اُس وقت موجود تھی۔

پس لفظ قرون وسطیٰ ایک ادھورا لفظ ہے۔ اس کتاب میں یہ لفظ تقریباً ایک ہزار برس کے اُس زمانہ کے لیئے استعمال کیا جائے گا جو اندازاً پانچویں صدی کے شروع سے، جبکہ وحشیوں کے حملوں سے عام طور پر بدامنی پھیلی ہوئی تھی، چودھویں صدی تک گزرا، جبکہ یورپ سلطنت روما کی زوال کے بعد سے جو کچھ اُس نے کھو دیا تھا، اُس کے حصول کی شاہراہ پر چل رہا تھا۔

ازمنہ مظلمہ | جب لوگوں کو اس عہد سے موجودہ زمانہ کی نسبت بہت کم دلچسپی تھی تو یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سلطنت روما کے منتشر ہو جانے کے بعد جو بدامنی پھیلی اُس نے عملی طور پر صدیوں کے لئے تمام شائستگی کو خاک میں ملا دیا اور یورپ میں عہد تاریک کی ابتدا ہوئی۔ جب وہ ایک طرف اہل روما اور اہل یونان کی تہذیب سے اور دوسری طرف موجودہ زمانہ کی روشنی سے مقابلہ کرتے تھے تو اس زمانہ کو جہالت اور ظلم و تعدی کی خوفناک صدیوں سے تعبیر کرتے تھے۔ پچھلی نصف صدی کے زیادہ متجسس اور پر غور مطالعوں نے اس بات کو صاف کر دیا ہے کہ قرون وسطیٰ ایک ہی حالت پر قائم رہنے اور زمین شور کے معنی میں تاریک نہیں ہے۔ برعکس اس کے یہ زمانہ جد و جہد سے پُر ہے اور نتیجہ خیز ہے ہم نے بہت سی چیزیں اپنی تہذیب میں اُسی سے حاصل کی ہیں جو ہم کو رومیوں یا یونانیوں کی تہذیب سے کبھی نہ حاصل ہوتیں۔ اس کتاب کے پہلے انیس ابواب کا یہ مقصد ہے کہ وحشیوں کے حملوں کے اثرات دکھائے جائیں اور متواتر حملوں کی بدامنی سے یورپ کا رفتہ رفتہ اصلی حالت پر عود کرنا اور اُن خاص خاص سوسائٹیوں کا معرض وجود میں آنا جو وقتی ضروریات کے رفع کرنے کے لئے تھیں بیان کیا جائے۔ باقی ابواب میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیجائے گی کہ کس طرح ازمنہ مظلمہ کی سوسائیٹیوں، عادات اور خیالات کی جگہ قدم بقدم موجودہ یورپ کی سوسائیٹیاں، عادات اور خیالات لیتے رہے۔

———— ————

باب دوم

وحشیوں کے حملوں سے قبل مغربی یورپ

سلطنتِ روما کی وسعت

کوئی شخص قرونِ وسطیٰ کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تا وقتیکہ اُس کو سلطنتِ روما کا کچھ حال نہ معلوم ہو جس کی حدود کے اندر جرمنوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور موجودہ یورپ کے پیدا کرنے کا طویل کام انجام دیا۔

پانچویں صدی کے شروع میں، مغربی یورپ میں جداگانہ اور خودمختار سلطنتیں نہیں تھیں جیسا کہ آج ہم کو نقشہ میں نظر آتی ہیں۔ تمام زمین جس پر اب انگلستان، فرانس، اسپین اور اٹلی آباد ہیں اُس وسیع سلطنت کا صرف ایک جزو تھی جو رومیوں کے شہنشاہ اور اُس کے کثیر التعداد افسروں کے زیر نگیں تھی۔ جرمنی اُس وقت تک جنگلات کا ملک تھا جس کو صرف وحشی اور نیم وحشی فرقے جو اُس میں آباد تھے جانتے تھے۔ رومیوں نے بیکار اس حصۂ یورپ کو فتح کرنے کی کوشش کی اور آخرکار اُن کو اس پر قانع ہونا پڑا کہ جرمن لوگوں کو قلعوں اور حفاظتی چوکیوں سے جو دریائے رہائن اور ڈینیوب کے برابر برابر تھیں حدودِ سلطنت سے باہر رکھا جائے۔

مختلف اقوام جو سلطنت میں آباد تھیں

سلطنتِ روما میں جو جنوبی اور مغربی یورپ، مغربی ایشیا اور نیز شمالی حصّہ افریقہ پر مشتمل تھی بے حد مختلف قومیں اور نسلیں آباد تھیں۔ مصری، عرب، یہودی، یونانی، جرمن، گال، اہل برطانیہ اور اہل اسپین و اہل پرتگال۔ یہ سب کے سب روما کی زیرِ فرمان تھے۔ یہ سلطنت عظیم الشان تھی جس میں خانہ بدوش چرواہے جو اپنی سرکیاں حدودِ صحرائے اعظم تک پھیلائے ہوئے تھے، پہاڑی قومیں جو ویلز کی گڑھیوں میں رہتی تھیں اور اتھینس، اسکندریہ اور روما کے شہری جن کے ورثہ میں جملہ سامان عیش و عشرت اور قرنہا قرن کا علم آیا تھا آباد تھے

خواہ کوئی یارک میں رہتا ہو یا یروشلم میں یا میمفس اور وائنا میں، سب کے سب اپنا ٹیکس اُسی ایک خزانہ میں ادا کرتے تھے، اُسی ایک قانون کے تابع تھے اور اپنی حفاظت کے لئے اُنہی افواج پر بھروسہ رکھتے تھے۔

وہ تعلقات جن سے سلطنت وابستہ تھی

اول اول یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے کہ اس قدر وسیع سلطنت جس میں افریقی اور ایشیائی قومیں اور نیز نہایت مختلف اقوام یورپ آباد تھیں جو تہذیب کے ہر درجہ میں تھیں پانچ صدی تک منتشر ہونے کی بجائے جیسی کہ توقع کی جا سکتی تھی کیوں کر وابستہ رہی اور اُس زمانہ سے بہت پہلے جب وحشی کافی تعداد اور قوت کے ساتھ اپنی اپنی سلطنتیں اُس کے درمیان قائم کرنے کے لئے آئے کیوں نہ تتر بتر ہو گئی لیکن جب ہم اُن تعلقات کو بامعان نظر دیکھتے ہیں جن سے سلطنت وابستہ تھی تو سلطنت کے قیام اور دوام کی وجہ بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ تعلقات حسب ذیل تھے:-

(۱) تعجب انگیز اصول حکومت جو ہر حصہ سلطنت میں موجود تھی اور ہر بات پر اسکی نظر تھی۔

(۲) حکومت کے اوتار کے طور پر شہنشاہ کی پرستش۔

(۳) رومیوں کے قانون کا ہر جگہ رواج۔

(۴) قابل تعریف سڑکیں اور ٹکسال کا یکساں طریقہ جن سے باہمی رسل و رسائل میں ترقی ہوئی اور سب سے آخر یہ کہ

(۵) رومیوں کی نوآبادیاں اور اُستاد جن کو گورنمنٹ نے ملازم رکھا کیونکہ ان کے ذریعہ سے وہی خیالات اور شائستگی دور دراز سلطنت کے حصوں میں بھی رواج پا گئی۔

سلطنت روما نے ہر چیز کو باقاعدہ بنانے کی کوشش کی

اب ہم کو سب سے پہلے شہنشاہ اور اُس کی حکومت پر نظر ڈالنی چاہئے اسکے فرامین تمام سلطنت روما کے طول و عرض میں بھیجے جاتے تھے جو کچھ اُس کی مرضی ہوتی تھی وہی قانون بن جاتا تھا کیونکہ سلطنت روما کی ساخت کا یہی مشہور اصل اصول تھا۔ اگرچہ صرف شہروں کو اپنے مقامی معاملات کے لئے

قانون بنانے کی تھوڑی سی آزادی دی گئی تھی۔ تاہم شہنشاہ اور اُس کے کثیر التعداد و تعجب انگیز باقاعدہ افسران، ادنیٰ سے ادنیٰ شہری پر نظر رکھتے تھے۔ حکومت روما نے امن و امان قائم کیا، عدالتوں کی بنیاد ڈالی اور سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ دیگر ذمہ داریاں اپنے سر لیں غلہ فروشوں قصابوں اور بھٹیاروں کی بھی یہی دیکھ بھال کرتی تھی۔ یہ اس بات کی جانچ پڑتال کرتی تھی کہ وہ ٹھیک طور سے پبلک کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں یا نہیں اور اپنے پیشوں کو یہ لوگ کبھی ترک نہیں کرسکتے تھے۔ بعض حالتوں میں حکومت بیٹے کو مجبور کرتی تھی کہ وہ اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرے۔ اگر حکومت کے بس میں ہوتا تو یہ ہر شخص کو کسی خاص طبقۂ سوسائٹی سے منسوب کردیتی اور اُس کی اولاد کو اُس کی پیروی کراتی۔ یہ زیادہ غریب اور سرکش لوگوں کو شہروں میں روٹی دیکر خاموش رکھتی تھی اور بعض اوقات شراب، گوشت اور کپڑے بھی دیتی تھی۔ یہ اُن کے لئے تفریح کا سامان بہم پہنچاتی تھی اور صرف کثیر کرتی تھی مثلاً گھوڑ دوڑ اور آدمی کی جنگلی اور خونخوار جانوروں سے کشتی۔ مختصراً یہ کہ حکومت روما نہ صرف تعجب انگیز طور پر باقاعدہ تھی حتیٰ کہ اس کی حدود کے دور ترین مقامات بھی اس کی زد سے باہر نہ تھے بلکہ اس نے زندگی کے تقریباً ہر شعبہ کو باقاعدہ بنانے اور اُس کے تحفظ کی کوشش کی۔

شہنشاہ کی پرستش | ہر شخص کو شہنشاہ کی پوجا میں شامل ہونا پڑتا تھا کیونکہ اُس سے سلطنت روما کی شان و عظمت قائم تھی۔ ہر صوبہ کے باشندے اپنے اپنے دیوتاؤں کی پرستش کے لئے آزاد تھے جس میں سلطنت دخل اندازی نہیں کرتی تھی لیکن تمام آدمیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ عمدہ شہریوں کی حیثیت سے سرکاری قربانیوں میں شریک ہوں جو سلطنت کے دیوتا (شہنشاہ) کی نذر کی جاتی تھیں۔ شروع شروع میں عیسائیوں پر بہت ظلم و جبر روا رکھا گیا نہ صرف اس وجہ سے کہ اُن کا مذہب برادران نوع کے مذہب سے جداگانہ تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ انھوں نے شہنشاہ کی مورتی کے آگے سر جھکانے سے انکار کیا اور علانیہ سلطنت روما کے زوال کی پیشینگوئی کی، اُن کا مذہب اگرچہ اُس وقت عمدہ شہریت سے مراد لی جاتی تھی، اُس کے منافی تھا کیونکہ یہ

حکومت کی واجبی تعظیم و تکریم کے اظہار کے مانع تھا۔

رومیوں کا قانون | چونکہ حکومت ایک تھی لہذا تمام مہذب دنیا کے لیے قانون بھی ایک ہی تھا۔ مقامی اختلافات قابل غور نہ تھے۔ عقل و انصاف اور انسانیت کے اصول ہر جگہ یکساں تھے خواہ رومی شہری دریائے فرات پر رہتا تھا یا دریائے ٹیمس پر۔ آیندہ نسلوں کے لیے سلطنت روما کا قانون ایک خاص ترکہ ہے۔ موجودہ یورپ کی اکثر سلطنتوں میں اُس کے قاعدے اب تک جاری ہیں اور ہماری امریکہ کی یونیورسٹیوں میں یہ بھی ایک مضمون ہے جس میں طلباء پاس کرتے ہیں۔ اِس سے پیشتر جو قانونی ضابطے تھے اُن میں وہ انسانیت کا اصول نہ تھا جو اِس نے ظاہر کیا۔ سردار خاندان کے ظلم و جبر سے بیوی اور ماں اور بچے محفوظ رکھے گئے حالانکہ اِس سے پہلی صدیوں میں وہ اپنے افراد خاندان کے ساتھ غلاموں کی طرح برتاؤ کرنے کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں کے قانون نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی بے گناہ کو سزا دینے سے یہ بہتر ہے کہ کوئی مجرم سزا سے بچ جائے۔ اِس قانون نے جماعت انسان کو قوموں اور فرقوں کا مجمع نہیں خیال کیا جو اپنے اپنے خاص رواج اور قانونی رسوم رکھتے ہوں بلکہ سب کو ایک قوم سمجھا جو ایک عظیم الشان سلطنت میں آباد تھی اور ایک ہی قانون کے تابع تھی جو عقل و مساوات پر مبنی تھا۔

سڑکیں اور رفاہ عام کے کام | سڑکیں شاندار بنائی گئی تھیں جن کے ذریعہ سے گورنمنٹ کی افواج اور پیغام رساں ہر حصہ سلطنت میں ناقابل یقین سرعت کے ساتھ پہنچ جاتے تھے۔ اِن شاہراہوں کی بدولت تجارت کرنا آسان ہو گیا اور سیاحوں اور تجار کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ وہ سلطنت کے دور دراز حصوں میں جانے لگے۔ انہوں نے ہر مقام پر وہی سکے دیکھے اور وہی ناپنے اور تولنے کے طریقے پائے۔ نو آبادیاں سلطنتوں کی سرحدوں تک قائم ہو گئی تھیں اور عظیم الشان سرکاری عمارتوں، تھیٹروں، پلوں، شاندار دیہاتی مکانوں اور حماموں کے کھنڈروں سے جو ایسے مقامات مثلاً ٹریویس، کالون، باتھ اور سالزبرگ میں پائے جاتے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ روما کی تہذیب اور اقتدار سلطنت کے تمام دور دراز حصوں میں کس قدر اپنا اثر کیے ہوئے تھے۔

تمام سلطنت روما میں ایک قسم کی شائستگی

ہر قصبہ میں جسکی کچھ بھی اہمیت ہوتی تھی کم از کم تین استاد بغرض اشاعت تعلیم مقرر کئے جاتے تھے۔ وہ فصاحت اور تقریر کا فن سکھاتے تھے اور بڑے بڑے مصنفین کی کتابوں کو پڑھاتے تھے۔ رومیوں نے جن میں کوئی خاص علمی یا فنی قابلیت نہیں تھی، یونان کی تہذیب اختیار کرلی تھی۔ سرکاری استادوں کے ذریعہ سے اسی تہذیب کی اشاعت کیگئی۔ چنانچہ ہر تعلیم یافتہ شخص یقین رکھتا تھا کہ وہ اس عظیم الشان سلطنت کے سرحدی اضلاع میں بھی دیگر تعلیم یافتہ اشخاص جو اسی جیسی دلچسپیاں اور خیالات رکھتے ہیں ضرور پائے گا۔ ہر جگہ کے آدمی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ نہ صرف اس مقام یا دوسرے مقام کے باشندے ہیں بلکہ یہ کہ وہ تمام دنیا کے شہری ہیں۔

سلطنت کی وفاداری اور اسکے قیام و دوام پر کامل یقین

شہنشاہ اول آگسٹس کے زمانہ سے وحشیوں کے حملوں تک چار صدیوں کے دوران میں رعایا کی اس کوشش کا کہ سلطنت کو تہ و بالا کردیں یا اُس سے علیحدگی اختیار کریں کہیں پتہ نہیں ملتا۔ یہ عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ رومیوں کی سلطنت تا ابد قائم رہے گی۔ برخلاف اس کے اگر کوئی بغاوت پسند قوم شہنشاہ کی حکومت کو زیر و زبر کرنے اور خود مختار ہونے میں کامیاب بھی ہو جاتی تو وہ صرف اپنے آپ کو مہذب دنیا سے خارج پاتی۔

وہ وجوہات جن کی بنا پر سلطنت کی طاقت جرمنوں کے خلاف اپنی حفاظت میں زائل ہو گئی

اس نہایت مشکل سوال کا قابل اطمینان جواب دینا آسان نہیں ہے کہ سلطنت روما جو کبھی نہایت طاقتور اور باعظمت تھی آخرکار اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے میں کیوں ناقابل ثابت ہوئی اور جرمنوں کے منتشر حملوں کی تاب نہ لاسکی جو سب کے سب کبھی اس کے خلاف متحد نہیں ہوئے تھے۔ سلطنت کے باشندے رفتہ رفتہ اپنی طاقت اور اعتماد علی النفس کو کھو چکے تھے اور روز بروز اُن کی مرفہ الحالی کم ہوتی جاتی تھی۔ اس امر کی توضیح کسی قدر حسب ذیل وجوہات سے کی جاسکتی ہے:-

(۱) خوفناک طریقہ ٹیکس جس سے مالدار لوگوں کی دل شکنی ہوئی اور اکثر برباد ہو گئے۔

(۲) غلامی کا رواج جس سے محنت اور مزدوری بدنام ہو گئی اور آزاد کاریگروں کے اخلاق بُرے ہو گئے۔

(۳) آبادی کا مستقل تنزل۔

(۴) وحشیوں کا داخلہ جنہوں نے اپنے ہمجنس وحشیوں کے لیے سلطنت کے مغربی حصہ کی فتح کا راستہ تیار کر دیا۔

بے انتہا ٹیکس | شہنشاہوں کے عیش و عشرت کے دربار کے لئے اور اُن کے کثیر التعداد افسروں اور ملازموں کے لئے اور روٹی اور سرکس بہم پہونچانے کے لئے جو شہروں کی آبادی کے لئے ناگزیر تھی بڑی دولت کی ضرورت تھی نتیجتاً ہر قسم کے ٹیکس اور روپیہ کھینچنے کے طریقے جدت پسند افسروں نے ایجاد کئے تاکہ ضروری مالگزاری کی کمی پوری ہو سکے۔ اراضی کا ٹیکس جو ناقابل برداشت بار تھا اور شہنشاہ کی آمدنی کا خاص ذریعہ تھا اس وجہ سے اور بھی زیادہ ناگوار ہو گیا تھا کہ اُس کی وصولی کا طریقہ سخت نا ملائم تھا۔ حکومت نے ہر شہر میں سب سے زیادہ مالدار شہریوں کا ایک گروہ بنا دیا تھا جو اپنے ضلع کی تمام واجب الادا مالگزاری کا ہمیشہ کے لئے ذمہ دار ہوتا تھا۔ اُن کا یہ کام تھا کہ ٹیکس کو وصول کریں اور جس قدر کمی ہو اُس کو پورا کریں خواہ کسی سبب سے ہوئی ہو۔ اِس ذمہ داری اور خود ٹیکس کے بار گراں نے بکثرت زمینداروں کو برباد کر دیا یہاں تک کہ حکومت یہ فرمان جاری کرنے پر مجبور ہوئی کہ کوئی شخص ٹیکس سے بچنے کی غرض سے اپنی زمینداری کو چھوڑ کر فرار نہ ہو۔ صرف بہت ہی امیر آدمی اس صرفہ کے جو اُن کے ذرائع آمدنی پر ڈالا گیا تھا متحمل ہو سکے متوسط طبقہ فقر و مایوسی کی حالت کو پہنچ گیا اور اس طرح سلطنت نے اُس شہری مرفہ الحال طبقہ کو کم کر دیا جو تجارت کے کاروبار میں پیش پیش ہوتا۔

غلامی | قدیم زمانہ میں ہر جگہ غلامی کے خوفناک رواج کی بدولت غریب اور مزدوری پیشہ طبقہ کی حالت نسبتاً سقیم ہو گئی۔ اُدھر رومیوں نے دور دراز صوبوں کو فتح کرنا شروع کیا اُدھر

غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ وحشیوں کے حملوں سے چیدہ یاسات صدی قبل ہر قسم کی محنت ہر قصبہ اور ہر قریہ میں زیادہ تر غلاموں سے لی جاتی تھی۔ اُن کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں تھی۔ صرف ایک مالدار زمیندار کے پاس سیکڑوں بلکہ ہزاروں غلام ہوتے تھے اور وہ آدمی غریب سمجھا جاتا تھا جس کے پاس کم از کم ایک یا دو غلام نہ ہوں۔

شرفاء ٹیکس کے بارگراں کے باوجود سلطنت روما کے ذرائع آمدنی میں صرف آراضی معزز طریقہ آمد تھا۔ حکومت میں کسی معزز عہدہ کے حصول کے لئے یا بڑی سوسائٹی میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے ضرور تھا کہ وسیع آراضیات اپنی ملک ہوں۔ لہذا امراء اور مالدار لوگوں کے ہاتھ میں رفتہ رفتہ آراضی آتی رہی اور چھوٹے چھوٹے زمیندار غائب ہو گئے۔ برطانیہ۔ گال اور اٹلی میں بڑی بڑی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ غلاموں کی فوجیں آراضی کو کاشت کرتی تھیں اور اُس کا انتظام بھی انہی کے سپرد تھا۔ یہ غلام نہ صرف آراضی کاشت کرتے تھے بلکہ اپنے آقا اُس کے خاندان اور اپنی ضروریات کو بہم پہنچاتے تھے۔ ان غلاموں میں جو لوگ کاریگر ہوتے تھے وہ اوزار بناتے تھے، کپڑے بنتے تھے اور دیگر اشیاء جو تمام قریہ یا خاندان کے لئے جیسا کہ یہ اُس وقت اُس نام سے موسوم تھا ضروری ہوتی تھیں بناتے تھے، غلام کھانا پکاتے تھے، مالک کی خدمت کرتے تھے اُس کی چٹھیاں تحریر کرتے تھے اور اُس کو پڑھ کر سناتے تھے۔ تمام قریہ کا انتظام ایک غلام افسر کے سپرد ہوتا تھا۔ ایک قریہ اتنا وسیع ہوتا تھا جتنا کہ ایک بڑا گاؤں۔ مگر اُس کے تمام باشندے بجز خاندان مالک کے بالکل قبضہ میں ہوتے تھے۔ ایک باقاعدہ قریہ اپنی ضرورت کی جملہ اشیاء کو مہیا کر سکتا تھا اور اُس کو کسی باہر کے آدمی سے چیزیں خریدنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

غلامی کی وجہ سے مزدوری ذلیل سمجھی جانے لگی

آزاد اشخاص بالکل قدرتی طور پر جسمانی محنت یہاں تک کہ تجارت کو بھی نظر حقارت سے دیکھنے لگے کیونکہ اُن کے خیال میں یہ پیشے حقیر غلاموں سے منسوب ہو چکے تھے۔ فیلسوف سینیکا اس خیال کی کہ کل فنون کسی فلاسفر نے ایجاد کئے ہیں غصہ کے ساتھ تردید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان کو کسی نہایت کمینہ غلام کی ساخت سمجھنا چاہئے۔

غلاموں کا مقابلہ آزادوں کیلئے مہلک ثابت ہوا

غلامی نے صرف جسمانی محنت کو ذلیل کر دینے پر بس نہیں کیا بلکہ تجارت بھی غلاموں کے ہاتھوں میں دیدی - ہر بڑا خاندان عیش و عشرت کے ضروری سامان کے لئے اپنے ہوشیار اور چابکدست غلاموں کی کاریگری کا دست نگر ہوتا تھا - علاوہ ازیں مالکان غلام اکثر انہیں اُن لوگوں کو کرایہ پر بھی دیدیتے تھے جنکو کاریگروں کی ضرورت ہوتی تھی یا انہیں مزدوری پر کام کرنے کی اجازت دیدیتے تھے اور اس طریقہ سے آزاد کو غلام کا مقابلہ کرنا پڑا جو اُس کے لئے مہلک ثابت ہوا -

غلاموں کی بہتر حالت اور اُن کی آزادی

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غلاموں کی حالت میں قابل یادگار ترقی اُن صدیوں کے دوران میں واقع ہوئی جو ٹیک وحشیوں کے حملوں سے قبل گزری ہیں - اُن کے مالکوں نے خوفناک تہ خانوں کے قید خانوں کا استعمال ترک کر دیا جن میں ایک مرتبہ رات کو کاشتکاری پیشہ غلام ٹھونس دیئے گئے تھے - علاوہ ازیں قانون نے اُن کے آقاؤں کو نہایت خراب برتاؤ کے استعمال ہی سے محروم نہ کر دیا بلکہ سب سے ضروری اور اہم یہ کام کیا کہ آقا کو غلام کے قتل کے حق سے محروم کر دیا - جرمن حملوں سے قبل غلاموں کی تعداد میں کمی شروع ہو گئی تھی - سب سے پہلی وجہ یہ ہوئی کہ جب رومی افواج نئے ممالک کو فتح کرنے سے قاصر ہو گئیں تو غلاموں کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو گیا دوسری وجہ یہ تھی کہ آقاؤں نے مختلف وجوہات کی بنا پر اپنے غلاموں کو بڑے پیمانہ پر آزاد کرنا شروع کر دیا -

آزاد آدمی

آزاد شدہ غلام کو آزاد آدمی کہتے تھے اور وہ کسی طرح اُس درجہ کو نہیں پہنچتا تھا جو درجہ کہ ایک پیدائشی آزاد شخص کو حاصل تھا - یہ سچ ہے کہ اب وہ اسباب یا ایک شئے کی مانند نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن اب بھی اُس کو سال میں چند دنوں تک اپنے قدیم آقا کی خدمت کرنی پڑتی تھی - اُس کا آقا اب اُس کا مربی ہو جاتا تھا - وہ اپنی کمائی میں سے کچھ جزو اپنے آقا کو ادا کرنے پر مجبور ہوتا تھا اور اپنے مربی کی مرضی کے خلاف شادی نہیں کر سکتا تھا -

نوآبادی تاہم جوں جوں غلاموں کی حالت بہتر ہوتی گئی اور اُن میں سے اکثر آزاد آدمی بن گئے غریب آزادوں کی حالت اور بھی سقیم ہوگئی۔ قصبوں میں اگر آزاد اپنی معاش پیدا کرتا تھا تو اسکو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ انھیں غلاموں کے ساتھ جنکو مزدوری کرنے کی اجازت تھی اور آزاد شدہ غلاموں کے ساتھ کام کرے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہیں کے درجہ میں جا ملا۔ دیہات میں آزاد کاشتکار محنتیوں کا ایک عجیب و غریب متوسط الحال طبقہ بنگیا جسکو نوآباد کہتے تھے اور جو نہ غلام ہوتے تھے اور نہ دراصل آزاد ہوتے تھے۔ وہ کسی خاص قطعۂ زمین سے وابستہ ہوتے تھے جنکو بعض بڑے بڑے زمیندار اُس میں کاشت کرنے کی اجازت دیدیتے تھے اور اگر یہ آراضی فروخت ہوتی تھی تو وہ بھی اُس کے ساتھ بک جاتے تھے۔ قرون وسطیٰ کے کاشتکاروں

ان نوآبادوں اور آئندہ کاشتکاروں میں مشابہت

کی مانند وہ بھی جب تک مالک کو اپنی پیداوار کا کچھ حصہ ادا کرتے رہتے تھے اور کچھ عرصہ تک جو اُس نواح کے رواج کے مطابق مقرر تھا مالک کا کام کرتے رہتے تھے، اپنے کھیتوں سے بیدخل نہیں کئے جاسکتے تھے۔ اِس طریقے نے کاشتکار کے لئے خود مختار رہنا یا اُس کے بیٹے کے لئے اپنے باپ سے بہتر ہونا بالکل ناممکن بنادیا۔

نوآبادوں اور زیادہ خوش قسمت غلاموں کو ایک نیا طبقہ قائم کرنے کی تحریص ہوئی کیونکہ قانون یہ تھا کہ نوآبادوں کی طرح دیہاتی غلاموں کے بعض طبقے اُس اراضی سے بیدخل نہیں کئے جاسکتے تھے جسکی کاشت کرنے کے وہ عادی رہے ہیں البتہ اراضی فروخت ہونے کے وقت وہ بھی اُس کے ساتھ فروخت ہوجاتے تھے۔

علاوہ ازیں اکثر یہ بھی واقع ہوتا تھا کہ رومی زمیندار بعض کم نصیب مالکان آراضی کو جو اُس کے قرب و جوار میں آباد ہوتے تھے پرورش کرتا تھا۔ یہ لوگ ٹیکس سے بچنے اور اُس کی حفاظت میں آنے کے لئے (کیونکہ زمانہ بدامنی اور ابتری کا آتا جا رہا تھا) اپنی اراضی کو اپنے طاقتور ہمسایہ کے سپرد کر دیتے تھے اور باہم یہ شرط ہوتی تھی کہ وہ اُن کی حفاظت کرے۔

اور اُن کھیتوں کو جو اُس کے نام انہوں نے کر دیئے تھے اپنی جین حیات کاشت کرتے رہیں۔ اُن کے مرنے کے بعد اُن کی اولاد نوآباد ہو جاتی تھی۔ یہ طریقہ جیسا کہ ہم آیندہ ظاہر کرینگے ایک حد تک زمانۂ مستقبل کے فیوڈلزم کی شرح ہے۔

آبادی کی کمی | جب ملک فارغ البال ہوتا ہے تو اُس کی آبادی روز افزوں ہوتی ہے سلطنت روما میں یہاں تک کہ آگسٹس کے وقت سے آبادی کی تعداد میں کمی نمایاں ہو چلی تھی جسنے سلطنت کے استحکام کو جذب کر لیا۔ جنگ، طاعون، غلامی کے خراب اثرات اور ظالمانہ ٹیکس ان سب نے آبادی میں تنزل پیدا کر دیا کیونکہ جب معاش حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو آدمی شادی کرنے سے باز رہتے ہیں اور بڑے کنبہ کی پرورش کرنا دشوار سمجھتے ہیں۔

جرمنوں کا سلطنت میں آباد ہونا | آبادی بڑھانے کے لئے جرمنوں کی کثیر تعداد کی حوصلہ افزائی کیگئی کہ وہ سلطنت کے اندر آباد ہو جائیں اور وہ نوآباد بن گئے۔ کہا جاتا ہے کہ قسطنطین نے ایک ہی قوم کے تین لاکھ آدمیوں کو ایسی دعوت دی تھی۔ رومیوں کی افواج میں وحشیوں کی بھرتی ہونے لگی تاکہ وہ اپنے ابنائے جنس کو سلطنت کے اندر داخل ہونے سے روکتے رہیں۔ جولیس سیزر نے سب سے پہلے اُن کو اپنے سپاہیوں میں بھرتی کیا۔ یہ طریقہ روز بروز زیادہ عام ہو گیا یہاں تک کہ آخرکار تمام فوجیں جرمن نظر آنے لگیں۔ فرقے کے فرقے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں بھرتی ہو گئے۔ اُن میں سے بعض جرمن معزز اور مفتخر جنرل بن گئے اور بعض حکومت کے افسروں میں ذمہ دار عہدوں پر مقرر ہو گئے۔ اس طرح سلطنت روما کے باشندوں میں جرمنوں کی بڑی تعداد کھپ گئی تھی قبل اس کے کہ اُن کے وحشی بھائیوں کے بڑے حملے شروع ہوئے۔ رومیوں اور وحشیوں کی حدِ فاصل روز بروز ناپید ہوتی جاتی تھی پس یہ نتیجہ اخذ کرنا نامناسب نہیں ہے کہ وحشیوں کی بھرتی نے مغربی سلطنت روما کے زوال کا راستہ صاف کر دیا۔ اگرچہ وہ سلطنت روما کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن اُن کو اپنی انفرادی آزادی کی محبت بنی تھی اور اُن کو اُس جابرانہ طریقہ حکومت سے کچھ ہمدردی

نہ تھی جسکے وہ زیر فرماں رہتے تھے ۔

فنون وادب کا تنزل | چونکہ سلطنت کی مرفہ الحالی اور طاقت روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی اور سلطنت رفتہ رفتہ وحشی اقوام سے لبریز ہو گئی تھی لہٰذا اُس کے فنون وادب کا معیار بھی جو آگسٹس کے عہد زریں میں تھا بہت گر گیا تھا۔ قسطنطین کے زمانہ کی پچی کاری کا کام ٹراجان کے عہد کے مقابلہ میں بہت ہی گھٹیا تھا۔ چوتھی اور پانچویں صدی کے ناظرین کو سسرو کے مکمل اور خوبصورت اسلوب بیان میں کچھ لطف نہ آتا تھا اور رنگین اور ادنیٰ درجہ کی تقریریں اُس کی قائم مقام سمجھی جانے لگیں۔ غالباً بوئطسی اَس جو ۵۲۴ء میں مرا لاطینی زبان کا سب سے آخری مصنف ہے جس کی کتابیں قدما کی کتابوں کے لگ بھگ ہیں۔ اُس کے بعد پھر بڑے بڑے علما پیدا نہیں ہوئے۔ اُن اشخاص میں سے جو لاطینی علم ادب کو آج کل پڑھ سکتے اور اُس سے نفع اٹھا سکتے ہیں معدودے چند دوسری صدی کی ابتدائی نظم ونثر کے پڑھنے کا خیال کریں گے ۔

صرف خلاصوں پر اعتماد | وحشیوں کے حملوں سے تین صدی پیشتر جو اشخاص کچھ بھی لکھتے پڑھتے تھے عام طور پر قدما کی کتابوں کے مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ صرف مجموعۂ انتخاب پر اعتماد کرتے تھے اور اسی کو وہ علم سمجھتے تھے جو خلاصوں اور چھوٹی چھوٹی کتابوں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ قرون وسطیٰ نے بھی انہی باتوں کو ورثہ میں پایا اور چودھویں صدی تک یہی حال رہا جبکہ پیٹرارک کے زمانہ میں یورپ ایک مرتبہ پھر اُس تحقیق وتدقیق کے درجہ پر پہنچا جس نے زیادہ متجسس طلبا کو یونانی اور لاطینی زبان کے قدیم اعلیٰ مصنفین کی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کے قابل بنا دیا۔

مذہب عیسوی کے لئے تیاری | عام تنزل کے باوجود جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں رومی دنیا نے ایک اہم معاملہ میں خاص ترقی کی۔ پہلی اور دوسری صدیوں کے درمیان ایک قسم کی اخلاقی حالت از سر نو پیدا ہو گئی اور روز افزوں مذہبی جوش ظاہر ہوا جس نے نئے مذہب عیسوی کی حیرت انگیز اور زود ترین رواج کے لئے رستہ صاف کر دیا۔ بعض بعض وحشیوں کے فلسفیوں نے پرانا خیال بالکل ترک کر دیا تھا جسکو ہم ہومر اور ورجل کی کتابوں میں پاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک بہت

سے دیوتا تھے اور وہ صرف خدائے واحد کے اعلیٰ قیاس تک پہنچ گئے تھے اور اُن میں حق شناسی کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ پہلی صدی کے خاتمہ پر ایپکٹی ٹس فلسفی لکھتا ہے کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم خدا کے احکام کی پیروی کریں اور اُس کے ہم خیال بنیں اور اُس کی عبادت کریں۔ شہنشاہ مارکس آریلیس جو ۱۶۱ء میں مرا اپنی کتاب "خیالات عزلت" میں اسی قسم کے احساسات بیان کرتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو اُس نے خود اپنی ہدایت کے لئے لکھی تھیں۔ بڑے بڑے شہروں کی مشہور خرابیوں اور بدیوں سے روز بروز نفرت ہوتی جا رہی تھی اور پاک و صاف طرز زندگی کی روز افزوں ترقی ہو رہی تھی۔ وحشیوں کے مذاہب یہ تعلیم دیتے تھے کہ مُردوں کی ارواح ہیڈیس میں رہتی ہیں لیکن آئندہ حشر و نشر کی نسبت بہترین خیال یہ تھا کہ وہ نہایت خوفناک ہے۔

عیسائیت کے وعدے

عیسائیت نے اُن سب لوگوں کے لئے جو گناہ سے توبہ کریں ایک امید افزا حالت پیدا کر دی۔ گناہ کا خوف تمیزی اور ذی فہم اشخاص میں روز بروز زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں عیسائیت نے اُن سب شخصوں کے لئے جو مسلسل حق کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے بعد الممات ابدی خوشی کا وعدہ کیا۔ یہ مذہب ہر قسم کے اناث و ذکور کی خواہشات اور ضروریات کے لئے موزوں معلوم ہوا کیونکہ ہر شخص جو مذہب عیسوی قبول کرتا وہ دوسری دنیا میں ایسی مسرت حاصل کرنے کا امیدوار ہو سکتا تھا جو اس دنیا میں اُسے کبھی نصیب ہوئی ہو۔

عیسائیوں اور وحشیوں کے مذاہب ایک دوسرے سے خلط ملط ہوتے ہیں

نئے مذہب میں جیسا کہ فلسطین میں شائع ہوا تھا اُن لوگوں نے بھی بہت کچھ اصلاحات کر دیں جنہوں نے اس کو قبول کیا تھا۔ عیسائی فلسفیوں کی ایک جماعت نے جنکو ابتدائی متقدمین یا [illegible] کہا جاتا ہے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ انجیل وحشیوں کے بہترین خیالات اور جذبات کا آئینہ ہے۔ نئے مذہب نے بعض رسومات مذہبی میں قدیم پرستش کے طریقے اختیار کر لئے۔ سیدھی سادی شروعات سے کلیسا نے پادریوں کی منظم جماعت کے قیام اور شاندار طرز پرستش کے اجراء کی طرف قدم بڑھایا۔ اس طرح سے زمانہ کے ساتھ ساتھ مذہب عیسوی اور وحشیوں کے مذاہب کے اعلیٰ طریقے ایک دوسرے کے قریب تر

ہوتے گئے۔ ایک لحاظ سے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ دونوں طریقے دو فوجوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل مہلک جنگ میں صف آرا ہوئے لیکن باوجود اس کے وہ دو دریاؤں کی طرح جو ایک ہی مقام کی طرف بہ رہے ہوں آگے چلکر آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ان دونوں دریاؤں کے سنگم پر بوئیتھیس (جو تقریباً ۵۲۴ء میں مرا) استادہ ہے۔ یہ شخص رومی متاخرین متقدمین میں نہایت ذہین اور ہوشیار گزرا ہے۔ اس کی خوبصورت کتاب "فلسفے سے اطمینان قلب" قرون وسطیٰ کے دوران میں نہایت ہر دلعزیز کتابوں میں سے تھی جبکہ ہر شخص کو یہ یقین تھا کہ اس کا مصنف عیسائی تھا لیکن اس کتاب میں کسی بات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ مذہباً ایک وحشی ہونے کے سوا کچھ اور بھی تھا۔ اگرچہ بعض علماء اس میں بھی شک رکھتے ہیں کہ اس نے کامل طور پر نئے مذہب کو کبھی اختیار کیا تھا۔

ابتدائی یا انجیلی کلیسا سینٹ پال کے خطوط سے پایا جاتا ہے کہ قدیم ترین عیسائی اقوام سے ایک جماعت کو منظم بنانا ناگزیر خیال کیا تھا چنانچہ انہوں نے چند افسران منتخب کئے یا دری مقرر کئے یعنی ان کو نگرانِ حال بنایا اور کچھ سرگروہ منتخب کئے لیکن سینٹ پال کی تحریر سے ٹھیک طور پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان افسران کے فرائض کیا کیا تھے۔ ان کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی تھے جن کا یہ کام تھا کہ وہ بیماروں کی خبرگیری کرتے رہیں۔ بالکل ابتدائی زمانہ کے عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ ع بہت جلد مراجعت فرمائیں گے یعنی پیشتر اس کے کہ ان کی موجودہ نسل ختم ہوگی۔ چونکہ سب کے دلوں میں انجیل کا شوق بھرا ہوا تھا اور بڑے اشتیاق کے ساتھ یوم الآخرت کا انتظار تھا انہوں نے کسی عظیم الشان انتظام کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا عیسائیوں کی جماعتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور بہت سے ایسے اشخاص ان میں شامل ہوتے رہے جنہیں قطعی روحانیت نہ تھی۔ لہذا کلیسا کی حکومت کا ایک منظم طریقہ ایجاد کرنا پڑا تاکہ گناہگاروں کا انتظام کیا جاسکے اور ان لوگوں کو جو اپنے برے رویہ سے اپنے مذہب کو بدنام کرتے تھے مذہب سے قطعی خارج کیا جاسکے۔

کیتھولک یا عام کلیسا

ایک مختصر مشہور کتاب جس کا نام کلیسا کی یکجہتی ہے اور جو اسقف سائپرین کی تصنیف ہے جو ۲۵۸ء میں مرا اُس سے کلیسا کا من و عن حال ظاہر ہو جاتا ہے یعنی اس امر کا پتہ چل جاتا ہے کہ کلیسا کی وہی حالت تھی جو قسطنطین کے جواز مذہب عیسوی سے چند قرن پیشتر تھی۔ یہ اور دیگر ذرائع ظاہر کرتی ہیں کہ پیروانِ حضرت عیسیٰؑ مذہب عیسوی کو کیتھولک یا عام مذہب یقین کرنے لگے تھے یعنی ایسا مذہب جس میں تمام باایمان اشخاص شامل تھے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہوں اور یہ سمجھنے لگے تھے کہ جو اشخاص نجات کے متمنی ہوں اُن کو اس عام کلیسا سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔

قسطنطین سے قبل کلیسا کا باضابطہ نظام

کلیسا کے افسران میں جو جماعت پادریان کہلاتے تھے اور عام لوگوں میں صریح امتیاز پیشتر ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ کلیسا کا انتظام اور اس کے ممبران کی تعلیم جماعت پادریان کے سپرد تھی۔ ہر رومی شہر میں ایک اُسقف اور ہر گاؤں میں ایک پادری رہتا تھا جس نے سرگروہ کی جگہ حاصل کر لی تھی جس کا ذکر انجیل میں ہے۔ اُسقف اور پادری کے ماتحت چھوٹے پادری تھے جن کو ڈیکن اور ماتحت ڈیکن کہتے تھے اور ان کے ماتحت اور بھی لوگ تھے جو پیشکار اور دربان وغیرہ وغیرہ تھے۔

لاٹ پادری اپنی حدود کے اندر پادریوں پر قابو رکھتا تھا۔ لہٰذا یہ امر خلاف فطرت نہ تھا کہ اُسقف رومی صوبوں کے دارالسلطنتوں میں کلیسا کے معاملات میں با اثر اور با اقتدار ہو گئے وہ لاٹ پادریوں کے نام سے موسوم ہو گئے اور وہ صوبہ کے پادریوں کو ایک کونسل میں اہم معاملات کا تصفیہ کرنے کے لئے طلب کر سکتے تھے۔

پہلی عام کونسل کا اجلاس ۳۲۵ء میں اور روما کے لاٹ پادری کی حیثیت اُس زمانہ میں

۳۱۱ء میں شہنشاہ گلیریس نے ایک فرمان جاری کیا جس سے مذہب عیسوی قانوناً رائج الوقت مذہب کے برابر ہو گیا۔ قسطنطین نے جو سب سے پہلا عیسائی شہنشاہ تھا اس فرمان پر اچھی طرح عمل کرایا۔ اُس کے سامنے ۳۲۵ء میں عیسائی دنیا کی ایک عام کونسل بمقام نیسیا طلب کی گئی۔

اس مشہور جماعت کے احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیتھولک کلیسا نے پہلے ہی وہ صورت اختیار کر لی تھی جو اس نے موجودہ زمانہ تک قائم رکھی بجز اس کے کہ روما کے لاٹ پادری کو تمام کلیسا کے افسر اعلیٰ ہونے کا صریح امتیاز نہیں رہا۔ باایں ہمہ بہت سی وجوہات تھیں جن پر بعد ازاں بحث کی جائے گی کہ روما کا لاٹ پادری کیوں مغربی عیسائی دنیا کا مسلمہ حاکم قرار دیا جائے سب سے پہلا روما کا لاٹ پادری جس نے مستند تاریخ میں واقعی نہایت اہم کام انجام دیا ہے لیو اعظم تھا اور جس نے اپنے عہدہ کو ۴۴۰ء میں قبول کیا تھا۔

کلیسا کا درجہ تھیوڈوسیا کے ضابطہ میں

قسطنطین کے جانشینوں نے قدیم مذاہب کی رسوم کو فوراً بند کر دیا اور ایسے ایسے قوانین نافذ کئے جن سے عیسائی پادریوں کو اہم مراعات حاصل ہو گئیں۔ ضابطہ تھیوڈوسیا کی آخری کتاب میں جو آئین سلطنت کا ایک بڑا مجموعہ ہے اور جو ۴۳۸ء میں درجہ تکمیل کو پہنچا تھا تمام سے تمام فرامین جن کا تعلق عیسائی کلیسا اور پادریوں سے ہے مل سکتے ہیں۔ اس ضابطہ سے ہم کو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ پادریوں کو اس بنا پر کہ ان کے سپرد متبرک اور مقدس گرانبار عہدوں کے فرائض انجام دینے اور چندہ ٹیکسوں کے ادا کرنے سے جو عوام الناس کے ذمہ تھے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ اُن کو وصیتیں قبول کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ خود شہنشاہوں نے کلیسا کے نام بڑے بڑے وقف کر دیئے اُن کی مثال کو پیش نظر رکھ کر بادشاہوں اور خاص خاص لوگوں نے تمام قرون وسطیٰ میں عمل کیا یہاں تک کہ کلیسا اس قدر مالدار ہو گئی جس کا بیان کرنا مشکل ہے یعنی اُس کی آمدنی ہر سلطنت یورپ سے بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ پادریوں کو بعض مقدمات قانونی بھی طے کرنیکا اختیار دیا گیا تھا اور اُن کو یہ مراعات بھی حاصل تھیں کہ وہ کلیسا کی عدالتوں سے ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے مقدمات کو جن میں وہ خود ماخوذ ہوں طے کرالیں۔ ضابطہ کی یہ آخری کتاب تثلیث کی تعریف سے شروع ہوتی ہے اور بہت زیادہ جگہ اس کتاب میں مختلف اقسام کے منکرین کے حالات اور اُن سزاؤں کے بیان میں صرف کی گئی ہے جو سلطنت کا مذہب

قبول نہ کرنے کی صورت میں عائد ہوتی تھیں۔

کلیسا سلطنت کے زوال کے بعد بھی قائم رہی | ضابطہ تھیوڈوسیا کے قواعد میں آیندہ قرونِ وسطیٰ کی کلیسا کی حالت بھی صاف طور پر نمایاں ہے شاہی سلطنت کا خاتمہ مغرب میں وحشی فاتحین نے بہت جلد کر دیا تھا لیکن کیتھولک کلیسا نے فاتحین کو مفتوح کیا اور اپنے ذیل میں شامل کر لیا جب افسرانِ سلطنت اپنے عہدوں سے دست کش ہو کر چلے گئے تو حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لئے پادری اپنی اپنی جگہ پر قائم رہے۔ وہ پرانی تہذیب اور امن و امان کے خیالات کو اپنی مثال سے پیش کرتے رہے۔ یہ کلیسا ہی کی وجہ ہے کہ لاطینی زبان اُن لوگوں میں زندہ رہی جو صرف بے اصول جرمن زبان جانتے تھے۔ یہ کلیسا ہی تھی جس نے کچھ نہ کچھ تعلیم کا رواج بداخلاقی اور ابتری کے نہایت تاریک زمانہ میں بھی قائم رکھا کیونکہ بغیر لاطینی حاصل کئے کلیسا کی مذہبی رسوم ادا نہیں کی جا سکتی تھیں اور اُس کے افسران آپس میں سلسلہ خط و کتابت قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔

مشرقی سلطنت | اگرچہ سلطنت روما قانون، طرز حکومت اور شائستگی کے لحاظ سے اپنے مغربی حصوں کے جرمنوں کی کافی تعداد سے مغلوب ہونے کے وقت تک ایک ہی حالت میں رہی تاہم اس غلبہ سے پیشتر بھی مشرقی اور مغربی حصہ سلطنت میں علیحدہ علیحدہ رہنے کی رغبت کا پتہ چلتا ہے۔ قسطنطین نے جس نے اپنے حریفانِ سلطنت پر بڑی کشاکش کے بعد برتری حاصل کی مشرق میں دوسرا دار الخلافت قائم کرنے کی بنا پر اپنی وسیع سلطنت کو مستحکم بنانے کی امید کی تھی تاکہ وہاں سے ان ممالک کا انتظام بخوبی ہو سکے جو روما سے دور دراز فاصلوں پر تھے۔ چنانچہ قسطنطنیہ ۳۳۰ء میں ایشیا اور یورپ کی حدود پر آباد کیا گیا۔ اس سے یہ ہرگز مطلب نہ تھا کہ سلطنت کے اتحاد کو صدمہ پہنچایا جائے۔ چنانچہ جب تھیوڈوسیس اعظم نے ۳۹۵ء میں یہ انتظام کیا کہ اُس کے دونوں بیٹے سربرآرائے سلطنت ہوں اور ایک مغرب میں حکومت کرے اور دوسرا مشرق میں تو اُس کا مقصد سلطنت کو منقسم کرنے کا نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس

واقعہ کے بعد سے دو شہنشاہ ہر ایک اپنی اپنی دار السلطنتوں میں ہونے لگے لیکن اُن کی نسبت یہی خیال تھا کہ وہ متفقہ طور پر ایک ہی سلطنت کے حکمران ہیں۔ نئے قوانین کو دونوں شہنشاہ قبول و منظور کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے مصنفین بھی دو سلطنتوں کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ایک ہی سلطنت کا حوالہ دیتے ہیں گویا نظام سلطنت ایک ہی حکمران کے قبضہ میں تھا۔ درحقیقت تمام مہذب دنیا کے لئے ایک حکومت کا خیال دماغوں سے نہیں نکلا تھا بلکہ قرونِ وسطیٰ کے تمام زمانہ میں بھی یہ خیال آدمیوں کے دلوں میں برابر جاگزیں رہا۔ اگرچہ وحشیوں نے مشرقی حصہ سلطنت میں اوّل اوّل اپنا قدم جمایا تاہم قسطنطنیہ کے شہنشاہ اپنے قدیم مقبوضات سلطنت پر جرمنوں کی کامل فتوحاتِ مغرب کے بعد بھی صدیوں تک حکمرانی کرتے رہے۔ جب آخر کار سلطنت کا مشرقی دار السلطنت فتح ہوا تو یہ جرمنوں کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ ترکوں کے قبضہ میں آیا اور ۱۴۵۳ء سے ابتک انہی کے قبضہ میں ہے۔

اس کتاب میں مشرقی سلطنت کی تاریخ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ مغربی یورپ کا حال بیان کرتے ہوئے اس کو قطعی نظر انداز کر دینا مشکل ہے۔ اس سلطنت کی زبان اور تہذیب ہمیشہ یونانی رہی ہے اور اس وجہ سے اور نیز مشرق کے اثر سے اس کی شائستگی میں اور لاطینی مغرب کی شائستگی میں جس کو جرمنوں نے اختیار کیا بین فرق ہے۔ مشرق میں علم کبھی فنا نہیں ہوا جیسا کہ مغرب میں ہو گیا تھا اور نہ فنون بالکل ادنیٰ درجہ کو پہنچے۔

قرونِ وسطیٰ کے شروع میں قسطنطنیہ تمام یورپ میں نہایت آباد اور مالا مال شہر تھا

مغرب میں سلطنت روما کے زوال کے بعد بھی صدیوں تک مشرقی سلطنت کا دار الحکومت نہایت وسیع اور نہایت متمول ہونے کی بنا پر تمام یورپ میں ممتاز رہا۔ اُس کی دیواروں کے اندر وہ شائستگی اور تہذیب پائی جاتی تھی جو مغرب میں تقریباً غائب ہو گئی تھی۔ اُس کی خوبصورت عمارتیں اس کے باغیچے اور کنٹرسٹے دار گلیاں اہلِ مغربی سیاح کو حیرت میں ڈال دیتی تھیں۔ جب صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں مغربی اقوام کو قسطنطنیہ کی شائستگی اور علم سے واسطہ

پڑا تو اُن پر اِن کا نہایت گہرا اور مستقل اثر ہوا۔

بابِ سوم

جرمنوں کے حملے اور سلطنت روما کا زوال

قوم ہنس، قوم گاتھ کو سلطنت میں داخل ہونے کے لئے مجبور کرتی ہے

جنگ ایڈریانوپل ۳۷۸ء

۳۷۵ء سے قبل جرمنوں نے جو کوششیں سلطنت کے اندر داخل ہونے کے لئے کیں وہ سیر و سیاحت کے شوق، اور اپنے مہذب ہمسایوں کے فوائد میں سے بعض کو حاصل کرنے کی امید یا اپنی روز افزوں آبادی کے لئے نئے ملک کی ضرورت پر مبنی تھیں۔ اور اہل روما اپنی فوجوں، اپنی مضبوط دیواروں اور اپنے محافظوں کی مدد سے اسوقت تک وحشیوں کو زبردستی کسی حصہ ملک کو دبا لینے سے باز رکھنے میں کامیاب رہے لیکن یکایک ایک نئی طاقت نے ظہور کیا جنے جرمنوں کو کمزور سلطنت پر دھکیل دیا۔ قوم ہنس جو وسطی ایشیا کے فرقہ منگولیا سے ہے قوم گاتھ پر جو ایک جرمن فرقہ تھا اور دریائے ڈینیوب پر آباد تھا آ ٹوٹی اور اُس کے ایک حصہ کو دریا کے اُدہر حد سلطنت کی حدود کے اندر پناہ لینے کے لئے مجبور کیا۔ یہاں اُن کی شاہی افسروں سے جلد مٹھ بھیڑ ہوئی اور ایڈریانوپل پر ۳۷۸ء میں ایک سخت معرکہ ہوا جس میں قوم گاتھ نے شکست دیکر شہنشاہ ویلنس کو قتل کر ڈالا۔ اب جرمنوں نے نہ صرف حدود سلطنت ہی کو توڑ ڈالا تھا اور اُس کے اندر داخل ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے یہ سبق بھی حاصل کر لیا تھا کہ وہ رومی افواج کو شکست دے سکتے تھے۔ لہذا جنگ ایڈریانوپل کو جرمنوں سے مغربی حصہ سلطنت کے فتح ہونے کی ابتدا کہنا چاہیئے۔ لیکن کچھ عرصے تک جنگ ایڈریانوپل کے بعد قوم مغربی گاتھ کو یا جیسا کہ اُن کو اکثر وزی گاتھ کہا جاتا ہے ترغیب دلاکر شہنشاہ کے افسران کے پیش کردہ شرائط قبول و منظور

کرا دیئے اور اُن میں سے بعض رومیوں کی افواج میں سپاہیوں کی حیثیت سے بھرتی ہونے پر راضی ہو گئے۔

ایلیرک نے روما کو فتح کر لیا سنہ ۴۱۰ء

جرمن سرداروں میں سے ایلیرک بہت جلد اُس برتاؤ سے جو اُس کے ساتھ کیا گیا ناراض ہو گیا۔ اُس نے ایک فوج فراہم کی جس میں قوم مغربی گاتھ کا زیادہ حصہ شامل تھا اور اٹلی کو روانہ ہو گیا۔ چنانچہ روما سنہ ۴۱۰ء میں اُس کے قبضہ میں آ گیا اور اُس کے ہمراہیوں نے شہر کو خوب لوٹا۔ کہا جاتا ہے کہ ایلیرک پر اُس تہذیب کے نظارہ کا جو اُس کے ارد گرد تھی نہایت گہرا اثر پڑا۔ اُس نے شہر کو غارت نہیں کیا اور نہ اُس کو کوئی سخت نقصان پہنچایا بلکہ اُس نے اپنے سپاہیوں کو یہ خاص حکم دیا کہ گرجاؤں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ اُن کی جائداد کو لوٹا جائے۔

مغربی گاتھ جنوبی گال اور اسپین میں آباد ہوتے ہیں

پیشتر اس کے کہ ایلیرک اپنی قوم کی مستقل آبادی کے لیے کوئی قابل اطمینان جگہ تلاش کرے مر گیا۔ اُس کے مرنے کے بعد مغربی گاتھ، گال میں پہنچے اور وہاں سے اسپین کا رخ کیا جہاں دوسرے وحشی فرقے پہلے سے آباد ہو گئے تھے یعنی ونیڈال اور سوئی وی۔ یہ لوگ رائن کو پار کر کے ایلیرک کے روما کو فتح کرنے سے چار برس قبل گال میں داخل ہو گئے تھے۔ تین برس تک انہوں نے ملک کو برباد کیا اور بعد ازاں کوہ پیرینیز کے ادھر چلے گئے۔ جب مغربی گاتھ اسپین میں پہنچے تو انہوں نے تو رومی حکومت سے صلح کر لی۔ پھر انہوں نے ونیڈال سے نبرد آزمائی شروع کی جس میں وہ کامیاب ثابت ہوئے اور شہنشاہ نے اُن کو اس صلہ میں ایک بڑا ضلع سنہ ۴۱۹ء میں جنوبی گال میں دیدیا جہاں کہ انہوں نے مغربی گاتھ کی سلطنت قائم کر لی۔ دس برس بعد ونیڈال افریقہ کو چلے گئے جہاں انہوں نے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی اور مغربی بحیرہ روم پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اسپین میں اُن کی جگہ مغربی گاتھ آ گئے جنہوں نے اپنے بادشاہ یورک (۴۶۶ء سے ۴۸۴ء تک) کی ماتحتی میں جزیرہ نمائے اسپین کا بڑا حصہ فتح کر لیا اور اُن

کی سلطنت دریائے لائر سے آبنائے جبل الطارق تک وسیع ہوگئی۔

پانچویں صدی میں سلطنت کی طوائف الملوکی

سپین وحشیوں کے کثیر التعداد فرقوں کی آمد و شد کی پیچیدہ تاریخ کا کھوج لگانا بالکل غیر ضروری ہے۔ وہ یورپ میں پانچویں صدی کے اندر ادھر اُدھر خانہ بدوشوں کی طرح پھرتے رہے۔ مغربی یورپ کا کوئی حصہ مشکل سے ان کی دست بُرد سے محفوظ رہا ہوگا۔ برطانیہ کو بھی جرمن فرقوں یعنی انگلس اور سیکسنس نے فتح کر لیا تھا۔

اٹیلا اور قوم ہنس

جرمن فرقوں کی آمد سے جو عام ابتری پیدا ہوگئی تھی قوم ہنس نے اس میں اور اضافہ کر دیا۔ یہ منگولین قوم تھی اور اسی نے پہلے پہل مغربی گاتھ کو حدود سلطنت کے اندر ڈھکیل دیا تھا۔ اب اس نے مغربی یورپ کو خوفزدہ کر دیا۔ اپنے سردار اٹیلا کے ماتحت جس کو کانپتے ہوئے رومی "قہر خدا" کہتے تھے جنگلی اور خونخوار قوم ہنس نے گال پر حملہ کیا لیکن رومی باشندے اور جرمن حملہ آوروں کے خلاف متفق ہوگئے اور چیلنس کی لڑائی ۴۵۱ء میں اُن کو شکست دی۔ اس پسپائی کے بعد اٹیلا نے اٹلی کی طرف رُخ کیا۔ لیکن اس فوری خطرہ سے اس طرح نجات مل گئی کہ پوپ لیو اعظم نے ایک سفارت کی سرداری قبول کر کے اٹیلا کو ترغیب دی کہ وہ روما پر حملہ کی تجویز سے دست کش ہو جائے۔ وہ ایک سال کے اندر مر گیا اور اُس کے ساتھ ہی قوم ہنس کی طاقت بھی جاتی رہی جس نے پھر کبھی یورپ کو نہیں ستایا۔ لیکن اُس کے دھمکی آمیز حملۂ اٹلی نے ایک مستقل نتیجہ پیدا کر دیا اور وہ شہر آباد ہوگیا جو نفیس اور طاقتور شہر وینس کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ اُسی زمانہ میں ہوا کہ شمالی اور مشرقی اٹلی کے شہروں سے لوگ بھاگ گئے اور بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے کے ریگستانی جزیروں میں آباد ہوگئے۔

مغرب میں سلطنت کا خاتمہ ۴۷۶ء

عام طور پر ۴۷۶ء کو مغربی سلطنت کے خاتمہ کا سال اور قرون وسطیٰ کی ابتدا کا سنہ کہا جاتا ہے۔ جو کچھ اس سال میں واقع ہوا وہ یہ ہے:۔

تھیوڈوسیس اعظم نے ۳۹۵ء میں یہ قانون بنا دیا تھا کہ اُس کے دونوں بیٹے انتظام

مملکت کو تقسیم کریں ۔ مغربی شہنشاہ اکثر کمزور اور کاہل حکمران ثابت ہوئے ۔ وحشی اقوام ادہر سے اُدہر چکر لگاتی رہیں جہاں اُن کا جی چاہا چلی گئیں ۔ اور جرمن افواج جو سلطنت کی ملازمت میں تھیں برائے نام شہنشاہوں کو کبھی تخت سے معزول کرنے اور کبھی تخت نشین کرنے کی دل لگی میں مصروف رہیں ۴۷۶ء میں جرمن افواج نے جو کرایہ پر کام کرتی تھیں یہ خواہش ظاہر کی کہ اُن کو ملک اٹلی کا ایک ثلث حصہ دیدیا جائے ۔ اُن کی اس طلب کے انکار پر اوڈیسر نے جو اُن کا سردار تھا مغربی شہنشاہوں کے آخری تاجدار کو جس کا نام بدقسمتی سے رومولس آگسٹس مختصر تھا نیپلس کے قریب ایک گاؤں میں جلاوطن کردیا ۔ بعد ازاں اوڈیسر نے سلطنت کی علامات کو شرقی شہنشاہ کے پاس اس درخواست سے بھیجا کہ اُس کو اٹلی پر شہنشاہ کے ماتحت کی حیثیت سے حکمرانی کرنے کی اجازت دیجائے اور اِس طرح مغربی شہنشاہوں کی نسل کا خاتمہ ہوگیا ۔

تھیوڈرک ، اوڈیسر پر غالب آتا ہے اور مشرقی گاتھ کی سلطنت اٹلی میں قائم کرتا ہے

تاہم اٹلی کی سرزمین پر مستقل جرمن سلطنت کا قائم کرنا اوڈیسر کی قسمت میں نہ تھا کیونکہ اُس پر تھیوڈرک نے جو مشرقی گاتھ کا بادشاہ تھا فتح حاصل کرلی ۔ تھیوڈرک نے اپنے عنفوان شباب کے دس برس قسطنطنیہ میں بسر کئے تھے اور وہ اس طرح سے رومیوں کی طرز معاشرت سے واقف ہو گیا تھا ۔ جب وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو وہ شرقی شہنشاہ کا کبھی ایک خوفناک دشمن اور کبھی تکلیف دہ دوست رہا ۔ مشرقی گاتھ نے اُس کی سرداری کے زمانہ میں مشرقی سلطنت کے مختلف حصوں کو غارت اور برباد کیا اور ایک مرتبہ خود دارالسلطنت پر حملہ کی دہمکی دی ۔ شہنشاہ نے بار بار اُس کو خوش کرنے کی کوشش کی ۔ کبھی اُس کو مختلف اعزاز اور خطابات دئے اور کبھی اُس کی قوم کو جاگیر دی اور روپیہ دیا گیا ۔ حکومت کے لئے یہ نہایت اطمینان بخش بات ہوئی جب تھیوڈرک اپنی قوم کو لے کر اوڈیسر کے خلاف اٹلی کی طرف روانہ ہوا ۔ تھیوڈرک نے شہنشاہ سے کہا ۔
"اگر میں ناکام ہوا تو آپ ایک مضرت رساں اور مسرف دوست سے نجات پائیں گے اور اگر بعون الٰہی میں کامیاب ہوا تو میں آپ کی جانب سے حکومت کروں گا اور اس سے آپ کی شان

مراکش
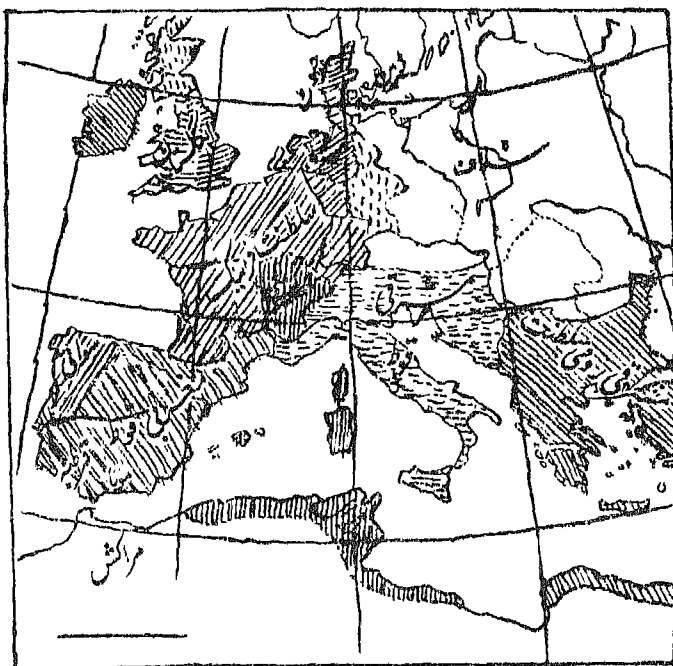
وعظمت کا اظہار ہوگا کہ رومیوں کی سنیٹ اور اُس حصہ سلطنت نے میرے دست و بازو کی بدولت غلامی سے نجات پائی۔"

تھیوڈرک اور اوڈلیسر برسوں تک باہم جنگ کرتے رہے۔ آخرکار اوڈلیسر مقام ریوینا میں محصور ہوگیا اور اپنے آپ کو تھیوڈرک کے حوالہ کر دیا۔ جس نے اُس کو خود اپنے ہاتھوں سے چند دنوں کے بعد ۴۹۳ء میں دغا اور فریب سے قتل کر ڈالا۔

مشرقی گاتھ اٹلی میں

مشرقی گاتھ کا برتاؤ ان لوگوں کے ساتھ جو پیشتر سے آراضی پر قابض تھے اور رومی شائستگی کی نسبت اُن کا خیال، یہ دونوں باتیں ایک قسم کی اہمیت رکھتی ہیں۔ تھیوڈرک نے جو سکے جاری کئے اُن پر مشرقی شہنشاہ کا نام کندہ کرایا اور ہر طریقہ سے کوشش کی کہ نئی جرمن سلطنت کے قیام کی پسندیدگی شہنشاہ سے حاصل کر لی جائے۔ لیکن باوجود اس امر کے کہ اُس کی خواہش تھی کہ شہنشاہ اُس کے غصب کو قبول و منظور کرلے تھیوڈرک کے دل میں یہ کبھی خیال نہ گزرا کہ وہ دراصل قسطنطنیہ کا محکوم ہے۔

حملہ آوروں نے ایک ثلث آراضی اپنے لئے خاص کر لی لیکن یہ بات انہوں نے دانشمندانہ طریقہ سے کی اور کسی قسم کی بدعنوانی نہ ظاہر ہونے دی۔ تھیوڈرک نے رومی قوانین اور درسگاہوں کو بدستور قائم رکھا جن کو وہ نہایت پسند کرتا تھا۔ پرانے عہدے اور خطابات بھی قائم رکھے اور اہل گاتھ اور رومی دونوں رومی قانون کے تابع، زندگی بسر کرتے رہے۔ امن و امان قائم ہوگیا اور علم کی حوصلہ افزائی شروع ہوگئی۔ ریوینا میں جس کو تھیوڈرک نے اپنا دارالسلطنت قرار دیا اب تک وہ خوبصورت عمارتیں موجود ہیں جو اُس کے دورانِ حکومت میں تعمیر ہوئی تھیں۔

تھیوڈرک ۵۲۶ء میں مرا اور اُس نے ایک قابل تعریف باقاعدہ سلطنت چھوڑی۔ لیکن اس میں ایک بڑی خرابی تھی۔ گاتھ اگرچہ عیسائی تھے لیکن اٹلی کے عیسائیوں کے معیار کے مطابق کٹر عیسائی نہ تھے۔ انہوں نے مشرقی مبلغین کی وجہ سے عیسائیت قبول کی تھی

جنہوں نے اُن کو ایرین الحاد کی باتیں بھی سکھادی تھیں جو اُس وقت قسطنطنیہ میں رائج تھیں۔ ایرین الحاد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک شخص ایریس نامی جو اسکندریہ کا پادری تھا اور ۳۳۶ء میں فوت ہوا اِس اصول کا بانی مبانی تھا۔ اُس کے اِس اصول کو نیسیا کی کونسل نے بھی قابلِ ملامت قرار دیا تھا۔ ایریس کے تابعین حضرت عیسیٰؑ کی عادت اور تثلیث کے تینوں افراد کی نسبت وہ خیالات نہیں رکھتے تھے جو روما میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ لہذا مشرقی گاتھ نہ صرف وحشی تھے (کیونکہ یہ بات تو قابل معافی تھی) بلکہ وہ کٹر باشندگان اٹلی کی نظر میں الحاد کے ناقابل عفو جرم کے مرتکب بھی تھے۔ اپنے زمانہ کے لحاظ سے تھیوڈرک خود غیرمعمولی طور پر متعصب تھا تاہم اُس کا یہ یقین کہ مذہبی امور میں ہم جبراً کسی کو اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتے کیونکہ کوئی شخص اپنی مرضی کے خلاف زبردستی کسی بات کا معتقد نہیں ہو سکتا، ظاہر کرتا ہے کہ سلطنت روما اور رومی کلیسا جو کٹر خیالات کا آئینہ تھی دونوں کے گذشتہ کارناموں میں اور اُن کے اعتقاد میں کسقدر بُعد تھا۔

تھیوڈرک کے زمانہ کی جرمن سلطنتیں

جب تھیوڈرک اٹلی میں اپنی سلطنت اِس روشن خیالی اور اعتدال کے ساتھ قائم کر رہا تھا وہ ملک جس کو اب فرانس کہتے ہیں، وحشی اقوام میں سے نہایت طاقتور فرنیک کے قبضہ و اقتدار میں آتا جا رہا تھا۔ اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے موجودہ یورپ کی ساخت میں دوسری جرمن قوموں کی نسبت زیادہ حصہ لیا ہے۔ فرنیک اور مشرقی گاتھ کی سلطنتوں کے علاوہ مغربی گاتھ اپنی سلطنت اسپین میں قائم کر چکے تھے اور برگنڈی دریائے رہون پر اور وینڈال افریقہ میں آباد ہو چکے تھے۔ اِن قوموں کے حکمران خاندانوں میں شاہی اتحادات قائم ہو گئے تھے اور یورپ کی تاریخ میں ان تمام قوموں کے ایک خاندان ہوئے کا اول اول پتہ یہاں سے چلتا ہے، جو اپنی حدود میں علیحدہ علیحدہ بھی رہتی تھیں لیکن بطور خود مختار طاقتوں کے، ایک دوسرے سے تعلقات بھی رکھتی تھیں۔ چند سال تک جرمن اور رومی کسی بدامنی اور فساد کے بغیر باہم ایک دوسرے کو اپنے میں مدغم

کرنے کے طریقہ میں بہ عجلت تمام مشغول و مصروف رہے۔

لاطینی علم ادب کا فقدان

لیکن یورپ کی قسمت میں یہ اچھی بات نہ تھی۔ یورپ اب اُس بے چینی اور بدامنی کے زینہ کے پہلے قدم پر تھا جس کے بعد وہ قریب قریب بالکل جہالت اور وحشیانہ پن کی حالت کو پہنچ گیا۔ علوم و ہنر اور ادب کو آنے والی صدیوں کے سیاسی میدان میں کوئی جگہ نہ دی گئی۔ بوتھیس جسکو تھیوڈرک نے ۵۲۴ء یا ۵۲۵ء میں دغابازی کی مراسلت کی الزام پر جو اُس نے شہنشاہ سے کی تھی قتل کرا دیا تھا آخری لاطینی مصنف تھا جو کیا بلحاظ قادر الکلامی اور کیا بلحاظ اسلوب بیان ہر طرح سے قدیم لاطینی مصنفین کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ وہ عالم بھی تھا اور شاعر بھی تھا اور آیندہ نسلوں نے اُس کی کتابوں کو جو اُس نے منطق اور موسیقی پر لکھیں نہایت احترام اور عزت کی نظر سے دیکھا۔

کیسیڈورس اور اُس کے خلاصے

تھیوڈرک کا ممتاز مشیر کیسیڈورس تھا جو ۵۷۵ء میں مرا۔ زیادہ تر اُس کے خطوط سے اُس زمانے کے حالات ہم پر منکشف ہوئے۔ اُس نے اپنے زمانہ شیب میں علوم اور فنون پر کچھ درسی کتابیں لکھیں مثلاً قواعد زبان، حساب، منطق، علم ہندسہ، فصاحت بیان، موسیقی اور فلکیات۔ اُس کی کتابوں کا یہ مقصد تھا کہ نیم خواندہ پادریوں کو انجیل کے پڑھنے میں اور کلیسا کے اصول سمجھنے میں آسانی ہو۔ اُس کی کتابیں اِن سات ضروری مضامین پر نہایت ناکمل اور ہم لوگوں کے نزدیک نہایت پوچ اور لچر ہیں اُس نے ہر مضمون کو چند صفحات میں ختم کر دیا ہے لیکن ہم کو اُس کی اِن کتابوں سے یہ بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ چھٹی صدی میں اٹلی میں علم کی کسقدر بیقدری ہوگئی تھی۔ تاہم قرون وسطیٰ کے دوران میں اُس کی کتابیں اِن بڑے علوم پر مستند سمجھی جاتی تھیں۔ بس قرون وسطیٰ کا یورپ اِن کتابوں اور اِسی قسم کی دیگر کتابوں کی بدولت جن پر اُس کے علم کا دار و مدار تھا اُس زمانہ کو پہنچ گیا جب لاطینی شائستگی کا خاتمہ ہو رہا تھا۔

مغربی یورپ میں چھٹی، ساتویں آٹھویں صدی میں کوئی مصنف نہ پیدا ہوا

اب تاریکی کا دور از زمانہ شروع ہوتا ہے۔ تھیوڈرک کے زمانہ سے شارلمین تک تین سو برس گزر گئے۔ اس عرصہ میں کوئی مصنف ایسا نہ ہوا جو بدترین لاطینی میں بھی اپنے زمانہ کی حالات کی تاریخ لکھدیتا گویا ہر چیز نے تعلیم کے خلاف سازش کرلی تھی۔ بڑے تعلیمی مرکزوں کارتھیج، روما، اسکندریہ، ملان کو وحشیوں یا عربوں نے جزواً برباد کردیا تھا۔ جو کتب خانے دیوتاؤں کے مندروں میں تھے وہ جوشیلے عیسائیوں نے مندروں کے ساتھ ساتھ خاک سیاہ کردیے اور اُن کو قدیم مذہب کے ساتھ قدیم کتب خانوں کے تباہ ہونے کا ذرا بھی رنج نہ ہوا۔ تھیوڈرک کی وفات کے بعد مشرقی شہنشاہ نے وہ امداد بھی روکدی جو سرکاری اُستادوں کو سلطنت اب تک دیتی چلی آئی تھی۔ اور ایتھنز کا بڑا مدرسہ بھی بند کردیا۔ چھٹی صدی کا تنہا مورخ گرے گری، ٹورس کا پادری تھا جو ۵۹۴ء میں مرا اور جو نیم خواندہ تھا۔ اُس کی تمام کتاب ذہنی و عقلی خراب حالت کے اظہار میں ناقابل تردید ثبوت ہے۔ وہ کم از کم اپنی جہالت کو خوب سمجھتا ہے اور غلط لاطینی زبان میں بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے" افسوس ہے ہمارے زمانہ پر کہ ہمارے درمیان سے تعلیم بالکل مفقود ہوگئی"

ونیڈال اور مشرقی گاتھ کی سلطنتوں کو جسٹینین برباد کرتا ہے

تھیوڈرک کی وفات کے ایک سال بعد سب سے بڑے مشرقی شہنشاہوں میں سے جسٹینین جو ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکمراں رہا قسطنطنیہ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اُس نے اٹلی اور افریقہ کے صوبہ جات کو جو مشرقی گاتھ اور ونیڈال کے قبضہ میں آگئے تھے دوبارہ سلطنت میں ملانے کی کوشش کی۔ اُس کے جنرل بلیساریس نامی نے ۵۳۳ء میں ونیڈال کی سلطنت شمالی افریقہ کو مغلوب مفتوح کرلیا لیکن گاتھک حکومت کو اٹلی میں تہ و بالا کرنا کسی قدر مشکل ثابت ہوا تاہم باوجود دلیرانہ جنگ کے گاتھ ۵۵۳ء میں اس قدر کامل طور پر شکست یاب ہوئے کہ وہ اپنا ساز و سامان اپنے ہمراہ لیکر اٹلی کو چھوڑنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ بقیۃ السیف قوم گاتھ پر کیا گذری، اس کا حال

ہمیں کچھ معلوم نہیں لیکن اٹلی میں وہ اس قدر کم تعداد میں رہ گئے تھے کہ اطالیوں کی کثیر التعداد جماعت پر اُن کا کوئی اثر نہ رہا۔ اور اطالیوں نے مذہبی جوش میں سرشار ہو کر جس کی وجہ سے انہیں بعد ازاں سخت نقصان پہنچا اپنے دروازے جسٹینین کی غنیم افواج کے لئے کھول دئے۔

قوم لمبرڈ اٹلی پر قابض ہوتی ہے

سلطنت گاتھ کا برباد ہونا اٹلی کے لئے بھی پیغام موت تھا۔ جسٹینین کی وفات کے بعد فوراً ملک پر قوم لمبرڈ نے حملہ کیا اور اُس کو تاخت و تاراج کیا۔ اور یہ لوگ عظیم جرمن اقوام میں سے آخری قوم تھے جنہوں نے قدیم سلطنت کی حدود کے اندر آباد ہونا چاہا۔ وہ ایک وحشی قوم تھے جن کا بڑا حصہ ابتک قدیم مذہب کا پابند تھا۔ اور جو لوگ ان میں ایرین عیسائی بھی تھے وہ بھی کلیسائے روما کے استنے ہی مخالف تھے جتنے اُن کے غیر عیسائی برادران تھے۔ ان نئے آنے والوں نے اول اول اُس ملک کو جو دریائے پو کے شمال میں ہے اور جس کو اُن کے نام پر ابتک لمبرڈی کہتے ہیں آباد کیا اور بعد ازاں اپنی فتوحات کو جانب جنوب وسعت دی۔ مشرقی گاتھ کی طرح اعتدال اور دور اندیشانہ سیاست کے ساتھ آباد ہونے کی بجائے قوم لمبرڈ نے جزیرہ نمائے اٹلی میں قتل و غارت کو پسند کیا۔ سمندر کے کناروں کے جزیروں میں اجن لوگوں سے ہوسکا بھاگ گئے۔ تاہم قوم لمبرڈ تمام اٹلی کو فتح نہ کرسکی۔ روما، ریوینا اور جنوبی اٹلی یونانی سلطنت کے ماتحت رہی۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا لمبرڈوں نے اپنا وحشیانہ پن چھوڑ دیا۔ کٹر عیسائی ہو گئے اور بتدریج اُن لوگوں کی تہذیب اختیار کرلی جن کے درمیان وہ رہتے تھے۔ اُن کی سلطنت دو برس سے زائد عرصہ تک قائم رہی بعد ازاں شارلمین نے اُس پر غلبہ حاصل کرلیا۔

فرنیک اُن کی اہمیت اور اُنکا طریقۂ فتوحات

جرمن اقوام میں سے جن کا حال ہم نے بیان کیا ہے کوئی فرقہ فرنیک کے سوا مستقل سلطنت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اُن کی سلطنتیں یا تو کسی دوسری جرمن قوم نے تباہ و برباد کردیں یا مشرقی سلطنت نے اُن کو غارت کردیا۔ یا جیسا کہ اسپین کی مشرقی گاتھک سلطنت کا حال ہوا مسلمانوں نے اُن کو مٹا دیا۔ فرنیک جن کا

اب ہم ذکر کریں گے صرف دوسری جرمن اقوام کا جو فتح کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے
بلکہ اپنی حدود سلطنت کو قوم سالات کے اضلاع تک وسعت دینے کے لئے خلق کئے گئے تھے
پہلے پہل جو تاریخ میں قوم فرینک کا حال معلوم ہوتا ہے تو صرف اس قدر کہ وہ دریائے رائن
پر کولون سے بحیرہ شمالی تک آباد تھے۔ سلطنت کے اندر ان کا طریقہ فتوحات اس طریقہ سے
بجد مختلف تھا جو گاتھ، لمبرڈ اور وینڈال نے اختیار کیا تھا۔ جرمنی سے اپنا تعلق قطع کرنے اور
سلطنت روما کے بیچ منجدھار میں اپنا ایک جزیرہ بنانے کی بجائے انہوں نے رفتہ رفتہ اس ملک
کو جو ان کے اردگرد تھا فتح کیا۔ خواہ وہ کتنے ہی دور دراز کے حصۂ ملک کو فتح کر لیتے تاہم
اپنا تعلق وحشی محفوظ افواج سے جن کو وہ پیچھے چھوڑ جاتے تھے برابر قائم رکھتے تھے۔ اس طرح
سے ان میں دلیرانہ جوش و خروش کبھی کم نہ ہوا جو ان قوموں نے بالکل زائل کر دیا جو رومی
تہذیب کے کمزور کر دینے والے اثرات سے پورے طور پر متاثر ہو گئی تھیں۔

پانچویں صدی کے شروع میں انہوں نے وہ ضلع اور اس کے اردگرد کا مشرقی حصۂ ملک
جس کو آج کل بلجیم کہتے ہیں فتح کر لیا تھا۔ ۴۸۶ء میں تھیوڈورک کی سلطنت اطالیہ قائم ہونے سے
سات برس قبل انہوں نے اپنے بڑے بادشاہ کلووس (یہی نام بعد ازاں لوئی ہو گیا) کی ماتحتی
میں رومی جنرل کو جس نے ان کا مقابلہ کیا تھا شکست دی تھی۔ انہوں نے گال پر دریائے لائر
تک اپنا قبضہ کر لیا تھا جو اس وقت مشرقی گاتھ کی سلطنت کی شمالی حد تھی۔ بعد ازاں کلووس
نے مشرق کی جانب اپنی سلطنت کو المینی کی فتح سے وسعت دی۔ یہ ایک جرمن فرقہ تھا
جو بلیک فارسٹ (سیاہ جنگل) میں رہتا تھا۔

ایک لحاظ سے کلووس کی تمام لڑائیوں میں وہ لڑائی سب سے زیادہ اہم ہے جس
میں اس نے ۴۹۶ء میں فرقۂ المینی کو شکست دی۔ اگرچہ وہ اب تک قدیم مذہب کا پابند
تھا لیکن اس کی ملکہ کٹر عیسائی ہو گئی تھی۔ لڑائی کے دوران میں جب اس نے اپنی فوج کو
مغلوب ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے حضرت عیسیٰ سے مدد مانگی اور یہ وعدہ کیا کہ اگر فرینک

اپنے دشمنوں پر غالب آئے تو وہ عیسائی ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اپنے وعدہ پر قائم رہا اور اپنے تین ہزار بہادروں کے ساتھ اُس نے بپتسمہ لیا۔

کلووس کا عیسائی ہونا اور اُس کے اثرات

اُس کے عیسائی ہونے سے یورپ کے لیے نہایت اہم نتائج برآمد ہوئے تمام دیگر جرمن فرقے جو سلطنت کی حدود کے اندر تھے عیسائی تھے لیکن وہ تمام ایرین غیر مقلد تھے اور اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے نزدیک کفار سے کچھ کم نہ تھے۔ اِس مذہبی اختلاف نے جرمنوں اور رومیوں کو باہمی ازدواج اور دوسرے طریقوں کے میل جول سے باز رکھا تھا لیکن کلووس کے عیسائی ہونے سے کم از کم وحشیوں کا ایک سردار ایسا ہو گیا جس سے روما کا لاٹ پادری اُسی طریقہ سے مراسلت کر سکتا تھا جسطرح کہ ایک وفادار عیسائی بادشاہ سے۔ کلووس اور اُس کے جانشینوں کے بارہ میں جو کچھ واقفیت ہم کو ہے وہ کرگوارتس کے گرے گری کی بدولت ہے۔ گرے گری کی مشہور تاریخ فرینک میں اس بیرحم اور غیر محتاط بادشاہ کو مذہب کیتھولک کی اشاعت کے لیے خدا کا پسندیدہ آلہ ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت کلووس نے اپنے مفاد کو کلیسا کے فوائد سے فوراً وابستہ کرنا سیکھ لیا۔ اور پوپ اور فرینک بادشاہوں میں وہ اتحاد قائم ہوا جس کا بہت گہرا اثر مغربی یورپ کی تاریخ پر پڑا۔

فتوحات کلووس

کلووس کی نئی فتوحات کے جانب جنوب گال میں ایرین مغربی گاتھ کی سلطنت تھی اور جانب جنوب و مغرب ایک اور ملحد جرمن فرقے برگنڈین کی حکومت تھی۔ گرے گری باشندۂ ٹوارس لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ اُس نے کہا "میں اِس بات کو نہیں دیکھ سکتا کہ گال کے کسی حصہ پر یہ ایرین قابض رہیں۔ ہم کو خدا کی مدد کے بھروسہ پر اُن پر حملہ کرنا چاہیئے اور جب ہم اُن کو فتح کر لیں تو اُن کی سلطنتوں کو اپنے قبضہ میں آنا چاہیئے"۔ تو عیسائی بادشاہ اِس قدر جوشیلا تھا کہ اُس نے بہت جلد اپنی سلطنت کو کوہ پیرینیز تک پہنچا دیا اور مغربی گاتھ کو مجبور کیا کہ وہ اپنی سلطنت کو اسپین تک محدود رکھیں۔ برگنڈین باجگزار قوم ہو گئی اور جلد فرینک کے زیر حکومت آ گئی۔ اِس کے بعد کلووس نے متواتر قتل و غارت سے خود قوم فرینک کی مختلف

ٹکڑیوں کو جو بیشتر آزاد تھیں اپنے تابع فرمان بنا لیا۔

تاریخ فرینک کا طرز عمل

جب کلووس ۵۱۱ء میں بمقام پیرس مرگیا جس کو اُس نے اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا تو اُس کے چار بیٹوں نے اُس کے کل مقبوضات کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ کلووس کی وفات کے بعد سو برس سے زائد کے فرینک سلطنت کے حالات اُن لڑائیوں سے پُر ہیں جو آپس میں ان بھائیوں اور ان کے جانشینوں میں ہوئیں اور جو نہایت خوفناک قتل و غارت سے مملو ہیں۔ لیکن قوم فرینک اپنے حکمرانوں کے غیر محتاط افعال کے باوجود ترقی کرتی رہی۔ اُس کے دشمنوں میں اتنی طاقت نہ تھی جو اُس پر حملہ کرسکیں اگرچہ شاہی خاندان کے افراد میں ملک کے حصے بخرے ہمیشہ ہوتے رہتے تھے تاہم اُن میں ایک قسم کا اتحاد ضرور رہتا تھا۔

چھٹی صدی میں فرینک سلطنت کی توسیع

فرینک بادشاہوں کو آجکل کے فرانس، بلجیم، ہالینڈ اور مغربی جرمنی کے بڑے حصہ تک اپنی مملکت کی توسیع کرنے میں کامیابی ہوئی۔ ۵۵۵ء تک جب پورا فرینک بادشاہوں کا باجگذار بن گیا تو اُن کی سلطنت خلیج بسکے سے سالزبرگ کے شرقی حصہ تک پھیل گئی اور کثیر التعداد اضلاع جنکو اہل روما مفتوح کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہوئے تھے روز افزوں مغربی تہذیب کے اندر داخل ہوگئے۔

فرینک مقبوضات کی تقسیم نیسٹریا، آسٹریسیا اور برگنڈی میں

کلووس کی وفات کے پچاس برس بعد فرینک مقبوضات کی باہمی تقسیم سے تین فرینک سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ نیسٹریا مغربی سلطنت تھی جس کا مرکز پیرس یا سوئیسان تھا اور جس میں زیادہ تر پرانی رومی تہذیب کے دلدادہ آباد تھے اور جن کے درمیان اہل فرینک بھی آباد ہوگئے تھے۔ مشرق کی جانب آسٹریسیا تھی جس کے خاص شہر میٹز اور ایکس لاشپیل تھے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ بالکل جرمن تھی۔ ان دو سلطنتوں سے بعد ازاں فرانس اور جرمنی پیدا ہوئے۔ تیسری سلطنت قدیم برگنڈین سلطنت تھی۔ میروونگین بادشاہوں میں سے کیونکہ اولاد کلووس اسی نام سے موسوم ہے آخری تاجدار
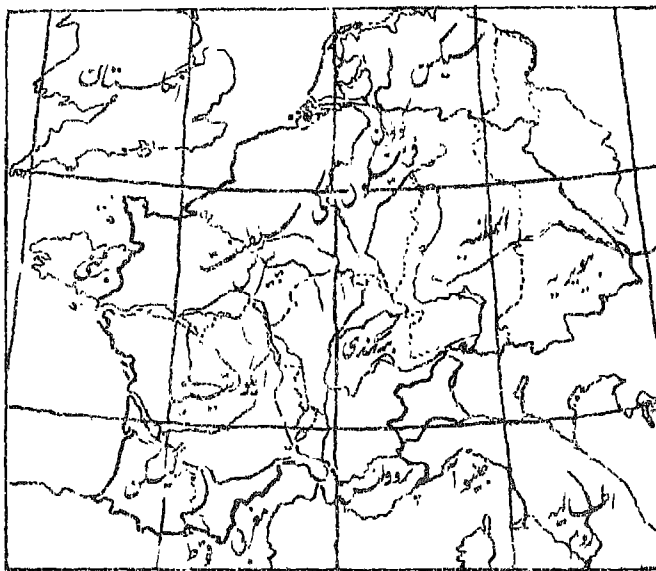
میرووبجئن حکومت کے عہد میں فرینکوں کی سلطنت

ڈیگوبرٹ تھا جو ۶۳۸ء میں مرا اور جس نے تمام فرینک مقبوضات کو ایک مرتبہ پھر متفق کرکے اپنے زیر حکومت کر لیا تھا۔

فرینک امرا | فرینک سلطنت کے متحد ہونے کے خلاف ایک اور خطرہ تھا یعنی با اقتدار امرا کے خیالات۔ اہل جرمن کی قدیم تاریخ میں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اُن میں کچھ خاندان ایسے تھے جن کو اپنے ہمراہیوں پر برتری حاصل تھی۔ مختلف فتوحات میں ہوشیار سردار کے لیے یہ موقع تھا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ کی نظر میں ممتاز و مفتخر ثابت کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی امداد پر بادشاہ اپنے دور دراز حصۂ ملک پر قابض رہنے کے لیے اعتماد رکھتا تھا اُن میں قدرتی طور پر نہایت حریص اور خودمختار ہونے کے خیالات بھی موجزن ہونے لگے۔

شاہی محل کے خواجہ سرا | اُن تمام ملازمتوں میں جو امرا کو دی جاتی تھیں کوئی بھی اس قدر معزز خیال نہیں کی جاتی تھی جس قدر کہ وہ خدمات جن کا تعلق بادشاہ کی ذات کے قریب رہنے سے ہوتا تھا۔ ان عہدوں میں نہایت با اقتدار عہدہ خواجہ سرا کا تھا جو ایک قسم کا وزیر اعظم ہوتا تھا۔ ڈیگوبرٹ کی وفات کے بعد یہ خواجہ سرا عملی طور پر میرو ونگین بادشاہوں کی بجائے حکومت کرتے تھے جو برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے۔ ان بادشاہوں کو فرانسیسی "معطل بادشاہ" کہتے ہیں۔ آسٹریسیا کا خواجہ سرا جس کا نام ہپن ہیرسٹل تھا شارلمین کا پردادا تھا جس نے آسٹریسیا کے علاوہ نیوسٹریا اور برگنڈی کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں شامل کر لیا تھا۔ اس طریقہ سے اُس نے اپنے خاندان کی شہرت کی بنیاد رکھی۔ اُس کی وفات کے بعد جو ۷۱۴ء میں واقع ہوئی فرینک کی وسیع مملکت کی حفاظت اور استحکام کا کام اُس کے زیادہ شاندار بیٹے چارلس مارٹل (آہنی ضرب) کے سپرد ہوا۔

وحشیوں کا جذب ہونا اور رومیوں کی آبادی | جب کوئی شخص جرمنوں کے گزشتہ حملوں کا حال پڑھتا ہے تو قدرتی طور پر یہ سوال کرتا ہے کہ یہ نئے آنے والے سلطنت کے قدیم باشندوں کے ساتھ کن کن شرائط پر رہتے تھے۔ انہوں نے اُن لوگوں کے رسم و رواج

جن کے درمیان یہ آباد ہوئے کس حد تک اختیار کئے اور کہاں تک اپنی قدیم عادات کو برقرار رکھا۔ ان سوالات کے جوابات نہایت تشفی بخش طریقہ پر نہیں دیئے جا سکتے۔ اس پریشانی و بدامنی کے زمانہ کا حال جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس قدر کم معلوم ہے کہ باہم دو قوموں کے مل کر ایک ہونے کا پتہ لگانا بھی ناممکن ہے۔

وحشیوں کی تعداد

البتہ بعض امور ایک حد تک صاف اور واضح ہیں۔ اول ہم کو حملہ آوروں کی مختلف جماعتوں کی تعداد بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لینا چاہئے۔ اس زمانہ کے مصنفین مغربی گاتھ کی تعداد جب وہ سلطنت کے اندر جنگ ایڈریانوپل سے قبل داخل ہوئے چار یا پانچ لاکھ بتاتے ہیں جس میں مرد، عورت اور بچے سب شامل ہیں۔ یہ اُن فرقوں میں جنکا حال ہمیں معلوم ہے سب سے بڑی جماعت ہے اور اس کی تعداد میں ضرور بہت کمی ہو گئی ہوگی جبکہ مغربی گاتھ بہت سی لڑائیوں اور ادھر اُدھر گشت لگانے کے بعد آخر کار اسپین اور جنوبی گال میں آباد ہوئے۔ قوم برگنڈی کے صرف جنگجو لوگوں کی تعداد جب وہ اوّل اوّل دریائے رہائن کے کناروں پر نمودار ہوئی اسی ہزار بیان کی جاتی ہے اور کلووس اور اُس کی فوج کو جب بپتسمہ دیا گیا تو مورخ کے اندازہ میں تین ہزار آدمیوں سے کچھ زائد تھے جو اُس موقع پر عیسائی ہوئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرینک بادشاہ کے پاس اُس وقت اس سے زیادہ فوج نہ تھی۔

بلاشبہ یہ تعداد نہایت کم اور ناقابل اطمینان ہے لیکن جرمنوں نے جس سرعت سے رومیوں کی زبان اور رسوم کو اختیار کیا ہے اُس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حملہ آور آبادی کی نہایت قلیل جماعت تھے۔ چونکہ لاکھوں وحشی پہلی پانچ صدیوں میں رومی آبادی میں ملکر جذب ہو گئے تھے اس لئے پانچویں صدی کے بڑے حملے مشکل سے آبادی کے طرزِ عمل میں کوئی فوری تبدیلی پیدا کر سکے۔

تحریری اور تقریری لاطینی زبان کا موازنہ

وحشیوں نے جلد ہی مروجہ لاطینی زبان قدیم سلطنت کے اندر بولنی

شروع کردی جس کو اُن کے ہمسایہ رومی ہر جگہ بولتے تھے۔ یہ اُس پیچیدہ اور دشوار زبان سے بہت زیادہ سادہ تھی جو کتابوں میں استعمال ہوتی ہے اور جس کا حاصل کرنا آجکل مشکل ہے۔ عوام الناس کی زبان رفتہ رفتہ تبدیل ہوتی جارہی تھی اور جنوبی یورپ کے مختلف ممالک میں تحریری لاطینی آخرکار بدلتے بدلتے فرانسیسی، اسپینش، اطالین اور پرتگیزی زبان بنگئی۔ لیکن یہ تبدیلی وحشیوں نے پیدا نہیں کی کیونکہ اُن کی آمد سے قبل یہ تبدیلی شروع ہوگئی تھی اور اُن کے بغیر بھی جاری رہتی۔ انھوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ نئی زبانوں میں چند آسان اور آرام دہ الفاظ کا اضافہ کردیا۔

جرمن، رومیوں سے کسی قسم کی نفرت رکھتے ہوئے معلوم نہیں ہوتے اور نہ رومیوں کی کچھ اُن سے نفرت پائی جاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ جس زمانہ تک جرمن، ایرین عیسائی رہے کچھ تنفر رہا۔ لیکن جب مذہبی رکاوٹ دور ہی تو دونوں قومیں آزادی سے باہم مناکحت کرنے لگیں۔ رومیوں کو ذمہ وار عہدہ داسے جلیلہ پر خواہ انتظامی ہوں یا فوجی مقرر کرنے میں فرینک بادشاہوں کو کچھ باک نہ ہوتا تھا۔ جس طرح وحشیوں کو ملازمت دینے میں پیشتر بھی رومی کچھ خوف نہ کرتے تھے صرف ایک بات ان دونوں قوموں میں مابہ الامتیاز رہی وہ یہ کہ ہر ایک قوم اپنے خاص قسم آئین کی پابندی کرتی تھی۔

| رومیوں اور جرمنوں کا قانون |

غالباً مغربی گاتھ نے یورک کے عہد میں سب سے پہلا اپنے قدیم قوانین کو لاطینی زبان میں تحریر کیا تھا۔ فرینک برگنڈیوں اور بعد ازاں لمبرڈ اور دیگر اقوام نے اُن کی اس مثال کی پیروی کی۔ ان ضابطوں میں وحشیوں کے تمام قوانین آگئے ہیں۔ اور یہ جرمن اقوام کے اُن عادات و خیالات کے متعلق جو حملوں کے وقت اُن کے دلوں میں جاگزیں تھے ہماری واقفیت کا نہایت اہم ذریعہ ہیں۔ فتوحات کے بعد چند صدیوں تک مختلف جرمن فرقوں کے افراد میں اُسی خاص فرقے کے قوانین سے جن سے وہ تعلق رکھتے تھے معدلت گستری کی جاتی تھی۔ برعکس اس کے سلطنت کے زیادہ قدیم باشندے

اپنے مقدمات کو رومی قانون کے مطابق طے کراتے تھے۔ یہ حالت جنوبی یورپ میں جہاں جرمنوں کی تعداد بہت کم تھی قرونِ وسطیٰ میں جاری رہی، باقی ہر جگہ تیرہویں یا چودہویں صدی تک جرمنوں کے ابتدائی خیالات جو قانون کی نسبت وہ رکھتے تھے غالب آئے۔ ان خیالات کی ایک عمدہ نظیر زمانہ وسطیٰ کا وہ عجیب امتحانِ آتش وغیرہ تھا جس سے کسی مشتبہ شخص کے مجرم یا بے گناہ ہونے کا فتویٰ دیا جاتا تھا۔

قرونِ وسطیٰ کے مقدمات

رومی یا موجودہ زمانہ کے مطابق، جرمنوں کے قوانین میں کسی مشتبہ شخص کی سماعت مقدمہ کے لئے کوئی ضابطہ نہ تھا۔ ثبوت کی فراہمی اور اس کے توازن پر فیصلہ کی بنیاد رکھنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ اس قسم کا ضابطہ سیدھے سادے جرمنوں کے لئے نہایت مشکل کام تھا۔ باقاعدہ سماعت کے بجائے فریقین مقدمہ میں سے ایک فریق کو یہ ثابت کرنا پڑتا تھا کہ اس کے دعاوی ذیل طریقوں کے لحاظ سے صحیح ہیں :-

(۱) اس کو یہ حلف کرنا پڑتا تھا کہ اس کا بیان سچ ہے اور وہ اپنی قسم کے دیگر اشخاص جس قدر عدالت ضروری سمجھے حاضر عدالت کر سکتا ہے جو حلف سے یہ کہنے کے لئے تیار ہونگے کہ جو کچھ میرا بیان ہے وہ سب سچ ہے۔ یہ کمپرگیشن (کسی شخص کی بے گناہی بحلف بیان کرنا) کہلاتا تھا۔ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ جھوٹی قسم کھانے والے اشخاص پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔

(۲) علاوہ ازیں فریقین مقدمہ یا اُن کے قائم مقام ایک دوسرے سے نبرد آزمائی کرتے تھے، اس قیاس پر کہ خدا تعالیٰ حق کو فتح دیگا۔ یہ طریقہ جنگی شرط کہلاتا تھا۔

(۳) آخری طریقہ یہ تھا کہ فریقین میں سے ایک فریق اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں سے ایک شکل میں آزمائش آتش وغیرہ کے مخاطرہ میں ڈالتا تھا۔ وہ یا تو اپنے ہاتھ کو کھولتے پانی میں ڈال دیتا تھا یا کسی دہکتے ہوئے سرخ لوہے کے ٹکڑے کو کچھ فاصلہ تک ہاتھ میں لیجاتا تھا۔ اور اگر تین دن کے بعد اُن کے خراب اثرات سے وہ متاثر نہ ہوتا تھا تو اس کو موافق

مقدمہ طے کیا جاتا تھا۔ کبھی اُس کو سرخ پہالی پر چلنے کا حکم دیا جاتا تھا اور اگر وہ چلنے سے انکار کرتا تھا تو یہ یقین کیا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے حق کو قائم رکھنے کے لئے معجزہ سے مداخلت کی۔ یہ طریقہ سماعت مقدمہ اُس وحشیانہ تہذیب کی صرف ایک مثال ہے جس نے رومیوں کے شائستہ اور عمدہ نظام مملکت کی جگہ لی۔

قرونِ وسطیٰ کا کام | رومی سلطنت کی مختلف حالتوں اور اُس طریقہ کے حال سے جس سے وحشیوں نے اُس کے مغربی حصہ کو آباد کیا، قرونِ وسطیٰ کا نہایت اہم مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ جرمن اپنی عادات اور ہمت و جرأت کے لحاظ سے بہت مختلف تھے۔ گاتھ، لمبرڈ سے اور فرینک وینڈال سے متبائن تھے۔ لیکن اُن سب میں یہ مشترک علامت موجود تھی کہ وہ فنون و ادب اور علم سے جن کو یونانیوں نے ترقی دی تھی اور رومیوں نے اختیار کیا تھا بے بہرہ تھے جلد آور جاہل، سادہ مزاج اور جفاکش تھے جن میں لڑائی اور جسمانی آسائش کے سوا اور کسی چیز کا مذاق نہ تھا۔ اُن کی آمد سے یہ بے ترتیبی پھیلی کہ سلطنت روما کی تنزل پذیر تہذیب تقریباً معدوم ہو گئی کتب خانے، عمارتیں اور صنعتی کام برباد کر دیئے گئے۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوا جو اُن کو دوبارہ اُن کی اصلی حالت پر لاتا۔ پس مغربی دنیا قریب قریب اُس درجہ کو پہنچ گئی جس درجہ پر وہ اُس وقت تھی جب رومیوں نے اُسے فتح کیا اور مہذب بنایا۔

تاہم یہ نقصان عارضی تھا۔ وحشیوں نے جو کچھ انہوں نے پایا اُس کو بالکل تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ اپنی نئی سوسائٹی کی بتدریج ترکیب و ساخت میں سلطنت روما کے باقیات الصالحات کو کام میں لائے۔ اُن کو رومی زراعتی طریقوں سے بہت امداد ملی۔ جب وہ اِس حالت پر پہنچے کہ انہیں اِن طریقوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے رومی سڑکوں اور عمارتوں کے نقشوں کو اپنا رہبر بنایا۔ المختصر ہنرمندی اور ایجاد کا جو ذخیرہ رفتہ رفتہ مصر، فینوشیا اور یونان میں جمع ہو گیا تھا اور جو اِس شائستگی کا جزو اعظم تھا جس کی رومیوں نے اشاعت کی تھی بالکل غائب نہیں ہوا۔

جو نقصان وحشیوں کی آمد سے ہوا اُس کی تلافی قرونِ وسطیٰ میں ہوئی

نئی قوم کو تعلیم حاصل کرنے میں تقریباً ایک ہزار برس گذر گئے لیکن آخر کار یورپ نے جس میں وہ اضلاع بھی شامل تھے جو سلطنت روما کے کبھی جزو نہیں بنے تھے، ایک مرتبہ پھر عہد عتیق سے مصافحہ کیا۔ جب چودہویں اور پندرہویں صدی میں اوّل اٹلی نے اور بعد ازاں باقی ماندہ یورپ نے آنکھ کھولی اور قدیم ادب کی اصلیت اور خوبیوں پر نظر ڈالی اور پرانے فنون کا اکتساب شروع کیا تو گویا وحشیوں کو تعلیم دینے کا کام ختم ہو گیا۔ تاہم قرونِ وسطیٰ کسی لحاظ سے بھی غیر پیدا آور زمانہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس عہد نے مغرب کے ورثہ میں کچھ نہ کچھ اضافہ کیا۔ دو بڑے عناصر کے اتحاد سے یعنی قدیم تہذیب جو سولھویں صدی کے شروع میں از سرِ نو درجہ تکمیل کو پہنچی اور جرمنوں کے جوش اور سیاسی و معاشرتی منتہائے خیال سے ایک نئی چیز یا بالفاظ دیگر ہماری موجودہ تہذیب پیدا ہوئی۔

باب چہارم

پوپ کی طاقت کا عروج

کلیسا کی عظمت | جب فرینک اپنی اُس طاقت کو تبدریج ترقی دے رہے تھے جس کو شارلمین نے نہایت وسیع سلطنت کی بنیاد رکھنے میں صرف کیا جو یورپ میں سلطنت روما کے بعد قائم ہوئی، ایک اور حکومت جس کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی، جس کا نظام اس سے کہیں زیادہ مکمل تھا اور جس کا استحکام فرینک سلطنت کے استحکام سے بہت زیادہ برتر تھا یعنی عیسائی کلیسا اپنے دائرۂ حکومت کو رفتہ رفتہ وسعت دے رہی تھی اور اپنے آئندہ اقتدار کی بنیادیں قائم کر رہی تھی۔

ہم بیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ عیسائی فرقوں نے جن کو حواریوں اور اُن کے رفیق مشنریوں نے قائم کیا تھا کس طرح تعجب انگیز طریقہ پر ترقی کی تھی یہاں تک کہ تیسری صدی کے اواسط تک سائیرین جیسے مصنفین مذہب عیسوی کو کیتھولک یا سب کو اپنے میں شامل کرنے والا مذہب سمجھنے لگے۔ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قسطنطین نے سب سے پہلے کس طرح عیسائی مذہب کو جائز قرار دیا، کس طرح اُس کے جانشینوں نے نئے مذہب کی اشاعت میں امداد کی، کس خوبی سے تھیوڈوسیا کے ضابطہ نے کلیسا اور مذہب عیسوی کے مقتداؤں کی حفاظت کی اور کس سختی سے اُن لوگوں کے ساتھ برتاؤ کیا گیا جو سلطنت کے منظور شدہ مذہب عیسوی کے خلاف، عیسائیت کی نسبت دیگر خیالات رکھنے کی جرأت کرتے تھے۔

اب ہم کو گذشتہ رومی سلطنت کے اس عظیم الشان اور مستقل کارنامہ کی حالت

معلوم کرنے کے لئے جو سلطنت روما کے تمام کارناموں میں اعلیٰ اور فائق ہے قرونِ وسطیٰ کا حال پڑھنا چاہیئے۔ اوّل ہم کو ایک لمحہ کے لئے اُس کی طاقت کے ذرائع پر غور کرنے کے لئے ذرا ٹھہرنا چاہیئے اور بعد ازاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح عیسائی ممالک کا مغربی یا لاطینی حصہ مشرقی یا یونانی مملکت سے علیحدہ ہو گیا اور اُس نے رومی لاٹ پادریوں کی ماتحتی میں جو دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ طویل خاندان حکمرانوں کا ہوا ہے کس طرح علیحدہ اپنی حکومت قائم کرلی۔ ہم دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے ایک خاص فرقہ فقرا نے کس طرح ترقی کی، وہ پادریوں کے کس طرح دست و بازو بنے رہے، کس طرح وحشیوں سے پادریوں اور فقرا نے ملاقات کی، اُن کو مطیع کیا اور مہذب بنایا اور پھر صدیوں تک اُن پر حکومت کی۔

کلیسا کی طاقت کے ذرائع | ہم کو یقین ہے کہ ازمنۂ متوسط میں کلیسا کی طاقت اِس وجہ سے عظیم الشان ہو گئی کہ اُس نے اپنے آپ کو اُس وقت کی ضروریات اور خیالات کے مناسب حال بنا لیا۔ کیونکہ کوئی حکومت اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اپنے محکومین کی ضروریات کو بہم نہ پہنچائے۔

قدیم مذہب اور عیسائی خیالات کا موازنہ | کلیسا کی طاقت کا بڑا سرچشمہ موت اور قیامت کا عام خوف تھا جو عیسائی مذہب اپنے ہمراہ لایا تھا۔ قدیم زمانہ کے یونانی اور رومی اگر کبھی انہوں نے آیندہ زندگی پر غور بھی کیا تو اُس کو دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں نہایت غیر دلچسپ سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جو شخص کسی بڑے جرم کا مرتکب ہوگا وہ موت کے بعد اُن سزاؤں کو بھگتے گا جو دوزخ کی سزاؤں کے مشابہ تھیں اور جن پر عیسائیوں کا اعتقاد تھا۔ لیکن بنی نوعِ انسان کی بڑی جماعت اُن کے نزدیک دوسری دنیا میں خیالی زندگی بسر کرے گی جو نہ تکلیف دہ ہوگی اور نہ آرام دہ۔ ایک نہایت مذہبی بُت پرست کے خیال میں بھی مذہب صرف اِس زندگی کا ایک بکھیڑا تھا اور دیوتاؤں کو صرف اِس لئے خوش رکھا جاتا تھا کہ کامیابی اور

راحت حاصل ہو گی۔

چونکہ دوسری زندگی میں کسی خوشی کی اُمید نہ تھی لہٰذا قدرتاً یہ مناسب خیال کیا گیا کہ اس زندگی سے حتی المقدور متمتع ہونا چاہئے۔ ہوریس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم خاک میں ملجائیں گے اور یہ دن سب کو جلد پیش آنے والا ہے تو راحت و مسرت کا امکان بھی نہ رہے گا لہٰذا ہم کو ہر غیر مضرت رساں خوشی سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور دنیا کی اچھی چیزوں سے متمتع ہونے کے مختصر موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔ لیکن ہم کو محتاط اور معقول پسند آدمی ہونا چاہئے اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچنا چاہئے کیونکہ یہی آسایش و آرام کو خدشہ میں ڈالتی ہے۔ سب سے ضروری یہ کہ ہم کو آیندہ زندگی کے بارہ میں بیکار فکر و غور نہ کرنا چاہئے جو دیوتاؤں کے قبضہ میں ہے اور ہمارا اُس پر کچھ بس نہیں۔ قدیم مذہب کے دانشمند معتقدین کی بڑی جماعت کے یہ اعتقادات تھے۔

قرونِ وسطیٰ کے مذہب عیسوی میں دوسری دنیا کی زندگی

عیسائیت نے زندگی کے اس خیال کی مخالفت کی۔ اُس نے لگاتار اس بات پر زور دیا کہ حیاتِ بعد ممات اس مختصر زندگی سے بے انتہا اہم ہے۔ کلیسا کے زیر اثر زندگی کے بارہ میں یہ اعتقاد رفتہ رفتہ دوسری دنیا میں قدیم مذہب کے خیال کی جگہ لیتا رہا۔ اسی عقیدہ کی تعلیم وحشیوں کو دی گئی۔ دوسری دنیا کی زندگی کا خیال اس قدر اہم ہو گیا کہ ہزاروں آدمیوں نے اپنے معمولی پیشوں اور مسرتوں کو بالکل خیرباد کہہ دیا اور اپنی توجہ تمامتر دوسری زندگی کی تیاری میں صرف کر دی۔ انہوں نے عزلت نشینی اختیار کی اور اکثر اپنی جائز خواہشات کے ترک کرنے پر بھی مطمئن ہو کر جسمانی تکالیف مثلاً بھوک، سردی اور کوڑوں کی مار گوارا کیں۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ اس طریقہ سے اُن گناہوں سے جن کے مرتکب ہونے کا انہیں اندیشہ تھا محفوظ ہو جائیں گے اور اس دنیا کی خود تجویز کردہ سزا کی وجہ سے ممکن ہے وہ اُن سزاؤں سے بچ جائیں جو انہیں دوسری دنیا میں دی جائیں۔ چونکہ قرونِ وسطیٰ کے اکثر مصنفین اور اساتذہ اسی فرقہ سے تھے جس کو

"پیشہ ور عیسائیوں کی جماعت" یا فقرار کہہ سکتے ہیں، تعلق رکھتے تھے لہٰذا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ انکی زندگی کو دنیا دار اشخاص بھی ہر نچۂ عیسائی کے لئے ایک نمونہ خیال کریں۔

صرف کلیسا ایک نجات کا ذریعہ ہے

وحشیوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ آیندہ دنیا میں اُن کی قسمت بہت کچھ کلیسا سے وابستہ ہے۔ اُس کے عہدہ دار اُس اہم انتخاب کے پیش کرنے سے کبھی نہ اکتاتے تھے جو ہر شخص کو اس چند روزہ زندگی کے بعد فوراً پیش آئے گا۔ وہ انتخاب ابدی راحت یا دوامی ناقابل بیان تکالیف جسمانی کے متعلق تھا۔ صرف وہی لوگ جن کو باقاعدہ بپتسمہ دیا جاتا تھا جنت میں داخل ہونے کی توقع کر سکتے تھے۔ لیکن اصطباغ صرف پچھلے گناہوں کو دھو سکتا تھا اور آیندہ معصیتوں کو نہیں روک سکتا تھا۔ یہ گناہ تاوقتیکہ اُن کی معصیت کلیسا کے توسل سے دور نہ کی جائے یقیناً روح کو تباہی کے غار میں ڈھکیل دیں گے۔

معجزات کلیسا کی طاقت کا ذریعہ بن گئے

اُن کرامات اور معجزات نے جو مذہب عیسوی کے اولیائے کرام نے برابر دکھلائے لوگوں کی نگاہ میں کلیسا کی ربانی قوت اور بھی مضبوطی کے ساتھ قائم کردی۔ انہوں نے بیماروں کا علاج کیا اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کی۔ انہوں نے کلیسا کے مخالفین کو یا اُس کے مقدس رسوم کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والوں کو بہت جلد تباہ و برباد کر دیا۔ آجکل کے ناظرین کو اُن کرامات کا بار بار وقوع میں آنا جو قرونِ وسطیٰ کی کتابوں میں مذکور ہیں تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال تواریخ اور کتبِ سیر اِن کے ذکر سے پُر ہیں اور کوئی شخص اُن کے وقوع کو شک کی نظر سے دیکھتا ہوا نظر نہیں آتا۔

کلیسا اور سلطنت روما

تاہم قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے طالبعلم کے لئے کلیسا کی خاص اہمیت، مذہبی خدمات کی وجہ سے جو فی الحقیقت ضروری تھیں، نہیں ہے بلکہ اُن قابل الذکر تعلقات کے سبب سے ہے جو حکومت اور اُس کے مابین رہے۔ اوّل اوّل کلیسا اور شاہی حکومت میں باہمی احترام و امداد کی بنا پر دوستانہ تعلقات رہے۔ جب تک سلطنت روما مستحکم اور باعمل رہی پادریوں کی جماعت کے لئے اگر وہ ایسا کرنا چاہتے بھی، کوئی موقع نہ تھا کہ وہ شہنشاہ کے

چنگل سے آزاد ہو جاتے۔ اُس نے کلیسا کے لئے وہ قوانین بنائے جنکو اُس نے مناسب سمجھا اور پادریوں کی جماعت حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی۔ واقعی اُس وقت حکومت کی امداد اُن کے لئے ناگزیر تھی۔ حکومت نے قدیم مذہب کی بنیادیں اکھاڑنے کا کام اپنے ذمہ لیا اور اُس کے مندروں کو منہدم کیا اور اُس کی قربانیوں کی ممانعت کی اور اُن لوگوں کو سخت سزائیں دیں جنہوں نے کلیسا کی منظور شدہ تعلیماتِ مذہب کو قبول یا اختیار کرنے سے انکار کیا۔

کلیسا حصولِ آزادی کی کوشش کرتی ہے

لیکن جب وحشیوں کی آمد شروع ہوئی اور عظیم الشان سلطنت منتشر ہونے لگی تو مغرب کے پادریوں میں حکمرانوں کی مداخلت کو روکنے کا میلانِ طبعی روز بروز ترقی کرتا گیا جن کی وقعت اب اُن کے دلوں سے محو ہو گئی تھی۔ انہوں نے رفتہ رفتہ حکومت کے چنگل سے آزاد ہونے کی کوشش کی اور اس کے بعد خود حکومت کی خدمات اختیار کرلیں جنکو کمزور اور بے ترتیب ریاستیں جن میں سلطنت روما منقسم ہو گئی تھی، ٹھیک طور سے ادا نہیں کرسکتی تھیں۔ ۵۰۲ء میں کلیسا کی کونسل منعقدہ روما نے اوڈیکر کے فرمان کو ناجائز قرار دیا اس بنیاد پر کہ کلیسا کے معاملات میں کوئی غیر پادری مداخلت کا حق نہیں رکھتا تھا۔ روما کے لاٹ پادریوں میں سے پوپ جیلاسیس اول نے جو ۴۹۶ء میں مر امختصراً اُس اصول کو جس پر کلیسا کے دعاوی کی بنیاد تھی بیان کیا جو حسب ذیل ہے:۔

"دنیا پر دو طاقتیں حکمراں ہیں۔ ایک پادریوں کی اور دوسری بادشاہوں کی۔ اوّل الذکر مسلمہ طور پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ پادری خود شہنشاہوں تک کے طرز عمل کا خدا کے نزدیک ذمہ وار ہے"۔ چونکہ اِس سے کسی کو انکار نہ تھا کہ انسان کے ابدی مفاد جو کلیسا کے اختیار میں تھے محض دنیاوی معاملات سے جن کا انتظام سلطنت کے ہاتھ میں تھا زیادہ اہم تھے لہذا پادریوں کی جماعت قدرتاً خیال کرتی تھی کہ درصورت نزاع، کلیسا اور اُس کے افسران نہ کہ بادشاہ معاملہ کو طے کرسکتے ہیں۔

کلیسا حکومت کے فرائض انجام دیتی ہے

لیکن کلیسا کے لئے اپنے معاملات کو خود طے کرنے کا حق حاصل کرنا ایک

بات تھی اور یہ بالکل دوسری بات تھی کہ اُن فرائض کی بجا آوری اپنے سر لیے جنکو رومی سلطنت پیشتر انجام دیتی تھی یا جن کو آجکل ہماری سلطنتیں انجام دیتی ہیں مثلاً امن و امان قائم رکھنا، اشاعت تعلیم کا انتظام کرنا اور مقدمات کی سماعت وغیرہ۔ تاہم کلیسا نے کلیتہً حکومت کے حقوق غصب نہیں کیے بلکہ جہاں کہیں کوئی مکمل اور باقاعدہ حکومت نہیں تھی، کیونکہ آج کل کے لحاظ سے مغربی یورپ میں صدیوں تک سلطنت روما کی آخری تباہی کے بعد کوئی سلطنت نہ تھی، اپنے آپ کو حکومت کے بجائے پیش کر دیا۔ مختلف بادشاہوں کی طاقت اُن کی اپنی سلطنتوں میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے شاذونادر ہی کافی ثابت ہوتی تھی۔ سلطنت کے اندر مختلف مقامات پر بڑے بڑے زمیندار ہوتے تھے اور وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے اور اپنے نفاق و حسد کو باہمی لڑائیوں سے نکالتے تھے۔ لڑائی خاص کام سمجھا جاتا تھا اور شرفا کی خاص تفریح تھی۔ بادشاہ امن و امان قائم رکھنے اور مظلوم کی حمایت کرنے میں ناقابل ثابت ہوتا تھا خواہ اُس کا دل انصاف اور امن کے قیام کے لئے کیسا ہی بے اختیار کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں قدرتی طور پر جہاں کہیں دھمکی یا ترغیب سے امن و امان قائم رکھنا، حلفیہ معاہدوں کی تکمیل کرانا، مُردوں کی وصیت کا انتظام کرانا اور شادی، نکاح کی پابندیوں کو پورا کرنا ممکن ہو سکا قابل تعریف اور منظم کلیسا کے ذمہ ہو گیا۔ اس نے بیکس بیواؤں اور یتیموں کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور خوب خیرات تقسیم کی۔ اس نے تعلیم کی اشاعت ایسے زمانہ میں کی جبکہ بہت ہی کم غیر پادری اشخاص خواہ وہ کیسے ہی تونگر اور شریف ہوں معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان حالات سے اس امر کی توجیہ خود بخود ہو جاتی ہے کہ کلیسا کیوں کر اس قابل ہو گئی کہ اپنے اختیارات کو جو اُسے سلطنت روما کی ماتحتی میں حاصل تھے فزوں تر کر سکی اور اس لئے وہ خدمات اپنے سر کیوں لے لیں جو ہمارے نزدیک کسی مذہبی فرقہ کی نسبت سلطنت سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں۔

پوپ کی طاقت کی ابتدا | اب ہم کو پوپ کی برتری کی اصلیت اور اہمیت پر غور کرنا چاہیئے جو

مغربی کلیسا کا سردار بنکر بادشاہوں اور شہزادوں سے بھی جن سے وہ ہمیشہ سخت جھگڑتا اور لڑتا رہا بہت سی باتوں میں زیادہ طاقتور ہو گیا۔

رومی عیسائی جماعت کا اقتدار | اگرچہ ہم نیسیا کی کونسل کے قوانین میں یا تھیوڈوسیا کے ضابطہ میں جو ایک صدی بعد مدون کیا گیا، روما کے لاٹ پادری کی برتری کا کوئی نشان نہیں پاتے تاہم اس میں شک نہیں کہ عیسائی فرقوں میں شروع ہی سے وہ اور اُس کے تابعین ممتاز رہے ہیں۔ مغرب میں صرف رومن کلیسا ہی کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ اُس کی بنیاد حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے رکھی تھی۔

یقینی کہ پیٹر، روما کا پہلا لاٹ پادری تھا | انجیل مقدس میں بار بار روما میں پال کی موجودگی کا ذکر آیا ہے اور پیٹر کی موجودگی نتیجتاً نکلتی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیشہ سے یہ روایت علی التواتر چلی آتی ہے اور جس کو تمام عیسائی کلیسا مسلمہ طور پر مانتی ہے کہ پیٹر، روما کا سب سے پہلا لاٹ پادری تھا۔ اگرچہ کوئی مکمل دستاویزی ثبوت اس اعتقاد کے ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے لیکن یہ خیال عام طور پر کم از کم دوسری صدی کے اواسط کے شروع میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ پھر روایت بھی متواتر چلی آتی ہے اور اس امر کا کوئی دوسرا دعویدار بھی نہیں ہے۔ خود عقیدہ بھی خواہ وہ اصلی واقعات سے مطابق ہو یا نہ ہو بلا شبہ ایک واقعہ اور نہایت تاریخی اہمیت کا واقعہ ہے۔ پیٹر کو دیگر حواریوں پر ایک قسم کی فوقیت حاصل تھی اور حضرت عیسیٰؑ نے اُس کو چند قوموں پر ترجیح دی تھی۔ انجیل مقدس کی ایک آیت میں جس نے سیاسی تاریخ پر نہایت طاقتور بادشاہ کے فرامین سے بھی زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے، حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں " اور میں تجھ سے بھی کہتا ہوں کہ تو پیٹر ہے اور اس چٹان پر میں اپنی گرجا تعمیر کروں گا اور دوزخ کے دروازے اُس کے مقابلہ میں مغلوب ہو جائیں گے اور میں تجھکو آسمانی بادشاہت کی کنجی دوں گا اور جو کچھ تو زمین پر باندھ دیگا ویسا ہی آسمان پر بندھ جائے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھول دیگا، آسمان پر بھی کھل جائے گا۔"

رومن کلیسا مادر کلیسا ہو گئی | پس مغرب میں قدرتاً اوّل اوّل رومن کلیسا، مادر کلیسا خیال کی گئی۔

اُس کے اصول نہایت خالص سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ نسلاً بعد نسلٍ اُس کے معزز بانیوں سے منسوب ہوتے چلے آئے تھے۔ اگر کوئی مختلف رائے کسی خاص مسئلہ کے متعلق ہوتی تھی قدرتی طور پر سب کے سب روما کے لاٹ پادری سے اُس کی رائے حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے علاوہ ازیں دنیا بھر کے دارالسلطنت کی شان و شوکت نے وہاں کے لاٹ پادری کو اُس کے ہمسروں میں ممتاز کر دیا۔ تاہم ایک عرصہ کے بعد تمام دوسرے پادری خصوصاً وہ جو شہروں میں رہتے تھے بغیر کسی شرط کے، روما کے لاٹ پادری کے حکم کو قطعی حکم ماننے کے لئے تیار ہوئے اگرچہ وہ اُس کی حیثیت کو ممتاز اور رومن فرقہ کو برتر سمجھتے تھے۔

روما کے ابتدائی لاٹ پادریوں کی گمنامی

کلیسا کے قیام کی پہلی تین صدیوں تک روما کے لاٹ پادری کے بارہ میں نسبتاً ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اپنے مظلوم فرقہ کے مسلمہ سردار تھے لیکن اُن کا وہ سیاسی اقتدار نہ تھا جو بعد ازاں اُن کو میسر ہوا جب عیسائیت نے فوقیت حاصل کر لی اور سلطنتِ روما کا اضمحلال بیحد ہو گیا۔

کلیسا کے مقدس پاپوں کا زمانہ

مگر چوتھی اور پانچویں صدی کی شروع کی کلیسا کا حال ہم کو بہت زیادہ معلوم ہے کیونکہ نیسیا کی کونسل کے بعد جو صدی گزری وہ کلیسا کی ادبی تاریخ میں ملکہ ایلزبتھ کے زمانہ کے مشابہ ہے جو انگلستان میں گزرا۔ یہ زمانہ عیسائی دینیات کے بڑے "مقدس" پاپوں[1] کا زمانہ تھا جن کو تمام علمائے دین اب تک اپنے مذہب کے پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ ان میں سے خاص الخاص حسبِ ذیل اشخاص تھے:۔

اتھانیسیس (سنہ ۳۷۳ء میں مرا) وہ شخص ہے جس نے ایرین فرقہ کے خلاف کٹر عیسائی فرقہ کی بنیاد ڈالی اور جس نے اس فرقہ کے خلاف اَن تھک جنگ برپا کی۔

بسیل (سنہ ۳۷۹ء میں مرا) نے راہبانہ زندگی کو ترقی دی۔

---

[1] پادریوں کو مقدس باپ کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

امبروز جو میلان کا اسقف تھا ۳۹۷ء میں مرا۔
جیروم (۴۲۰ء میں مرا) نے کتب آسمانی کو نئی لاطینی زبان میں لکھا اور یہ مستند نسخہ سمجھا گیا اور
سب سے بڑھکر آگسٹائن (۳۵۴ء سے ۴۳۰ء تک) جسکی ضخیم تحریرات نے آج تک عیسائی فلسفیوں کے دماغوں پر اپنا سکہ بٹھا رکھا ہے۔

چونکہ کلیسا کے مقدس باپ صرف اصول مذہب سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے اس لئے وہ کلیسا کے نظام کے بارہ میں کچھ نہیں لکھتے اور یہ ان کی تحریر سے واضح نہیں ہوتا کہ روما کے اسقف کو وہ برتر اور فائق جگہ اسوقت دی گئی تھی یا نہیں جس پر پوپ بعد ازاں قابض ہو گئے۔ باوجود اس کے آگسٹائن اپنے ایک ہمعصر روما کے اسقف کو مغربی کلیسا کا سردار لکھتا ہے اور بہت جلد اس کی وفات کے بعد ایک ایسا شخص روما کا پادری ہوا جس کا حوصلہ، طاقت اور ذاتی شجاعت ایسی تھی جس نے اپنے جانشینوں کو شاہان شاہاں بنا دیا۔

لیو اعظم ۴۴۰ء سے ۴۶۱ء تک

لیو اعظم کی تخت نشینی سے پوپوں کی تاریخ ایک معنی میں گویا شروع ہوئی۔ اس کی فرمائش پر ویلنٹینین سوئم نے جو مغربی شہنشاہ تھا ۴۴۵ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں روما کے اسقف کی طاقت کو سب سے برتر قرار دیا اسوجہ سے کہ وہ پطرس کا جانشین تھا جو حواریوں میں اپنے صفات کے باعث سب پر فوق رکھتا تھا اور اس وجہ سے کہ شہر روما کی عظمت بھی اس امر کی مقتضی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ تمام مغرب کے اسقف جو کچھ روما کا

ویلنٹینین سوئم کا فرمان

اسقف منظور کرے اس کو قانون سمجھیں اور اگر کوئی اسقف روما کی طلب پر حاضر ہونے سے انکار کرے تو شاہی صوبہ دار اس کو حکم کی اطاعت کے لئے مجبور کرے۔ لیکن چالسڈن کی کونسل نے جو چھ برس بعد منعقد ہوئی ۴۵۱ء روما کو جو آبنائے باسفورس پر واقع تھا یعنی قسطنطنیہ (نئے) مذہبی معاملات میں قدیم روما کے برابر کر دیا جو دریائے ٹائبر پر آباد

ؔ لفظ پوپ جس کو لاطینی زبان میں پاپا یعنی باپ کہتے ہیں دراصل بالکل فطری طور پر تمام اسقفوں یہاں تک کہ تمام پادریوں

تھا۔ دونوں شہروں کے اسقف تمام دیگر پادریوں پر مساوی فوقیت رکھتے تھے۔ تاہم اس کونسل کا فرمان مغربی یا لاطینی کلیسا میں درجۂ قبولیت کو نہ پہنچا جو بتدریج مشرقی یا یونانی کلیسا سے جس کا قدرتی مرکز قسطنطنیہ تھا اپنے آپ کو علیحدہ کر رہی تھی۔ اگرچہ وہ اختیارات جن کا لیو اعظم مدعی تھا اب تک صاف طور پر بیان نہیں کئے گئے تھے اور وہ مصیبت کا زمانہ بھی آنے والا تھا جب کہ برسوں تک یہ اختیارات محض مشیخت آبی کا پتہ دیتے تھے تاہم روما کے لاٹ پادری کا بڑے زور سے ادعائے تفوق وہ سنگیں قدم تھا جس نے مغربی کلیسا کو ایک سردار کی ماتحتی میں مجتمع کر دیا۔

فرائض جو ابتدائی پوپوں کو ادا کرنے پڑے

لیو اعظم کی وفات کے بعد ہی اوڈیسر نے شہنشاہوں کے مغربی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ بعد ازاں تھیوڈرک اور اُس کے مشرقی گاتھ اٹلی میں آباد ہوئے جن کے بعد لمبرڈ آئے۔ ان کی مداخلت اور بھی نامناسب حال تھی۔ اس زمانۂ شور و شغب میں روما بلکہ کل اٹلی کے لوگ پوپ کو اپنا قدرتی سردار ماننے لگے۔ مشرقی شہنشاہ بہت دور رہتا تھا اور اُس کے افسران نے جو وسط اٹلی کے ایک حصہ پر روما اور ریونا کے اردگرد قابض تھے پوپ کی امداد اور مشورہ کو بخوشی منظور کر لیا۔ روما میں پوپ افسران شہر کے انتخاب کی نگرانی کرتا تھا اور بیت المال کے مصرف کے متعلق ہدایتیں دیتا تھا۔ اٹلی کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً روما کی بڑی گرجا کے نام بڑی بڑی جاگیریں کر دی گئی تھیں اُن کا انتظام اور اُن کی حفاظت بھی پوپ ہی کرتا تھا وہ جرمنوں سے صلح و آشتی کی گفتگو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ روما کے اسقفوں کے لئے غالباً چھٹی صدی عیسوی سے یہ لفظ خاص ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی دو یا تین صدیوں تک صرف روما کے اسقفوں کے لئے محدود نہیں کیا گیا تھا۔ گریگری ہفتم نے صاف طور پر اعلان کیا کہ یہ لفظ صرف روما کے اسقف کے لئے استعمال کیا جائے۔ ہم آئندہ روما کے اسقف کو پوپ کے لفظ سے تعبیر کریں گے۔ اگرچہ یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اُس کی سرداریِ کلیسائے مغرب نے کچھ صدیوں تک وہ طاقت حاصل نہ کی جس کو اُس نے بعد ازاں مغربی یورپ کے تمام اسقفوں پر استعمال کیا۔ مصنف۔

بھی کرتا تھا اور نیز اُن جنرلوں کو جو اُن کے خلاف روانہ کئے جاتے تھے ہدایات بھی دیتا تھا۔

گریگری اعظم ۵۹۰ء سے ۶۰۴ء تک

گریگری اعظم اُن لفٹ درجن نہایت مقتدر سرداران کلیسا میں سے تھا جس نے دنیا پر ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے منصب جلیلہ کی بدولت کس قدر عظیم الشان کام انجام دے سکتا ہے۔ شہنشاہ نے گریگری کو جو ایک متمول رومی ملیشر کا بیٹا تھا، ناظم کے معزز عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا۔ لیکن اُس کو یہ خوف ہوا کہ مبادا وہ اپنے معزز عہدہ اور نفیس پوشاک سے متکبر اور دنیادار ہو جائے۔ اُس کی نیک دل ماں اور آگسٹائن جیروم اور ایمبروز کی تحریرات کے مطالعہ نے اُس کو ترغیب دی کہ وہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد اپنے تمام مال و منال کو سات خانقاہیں بنانے میں صرف کر دے۔ اِن میں سے ایک اُس نے اپنے خاص گھر میں قائم کی اور خود اُس نے وہ وہ تکالیف برداشت کیں کہ اُن کے اثر سے اُس کی صحت و تندرستی پھر کبھی اصلی حالت پر نہ آئی۔ ممکن تھا کہ وہ راہبانہ زندگی کے جوش میں جلد موت کا شکار ہو جاتا اگر پوپ اُس کو قسطنطنیہ کے مشکل مشن کو انجام دینے کے لئے حکم نہ دیتا۔ وہاں اُس کو نازک اور پیچیدہ گفتگوئے صلح میں اپنی بڑی قابلیت کے اظہار کا پہلا موقع ملا۔

قدیم روما قرونِ وسطیٰ کا روما بنتا ہے

جب گریگری ۵۹۰ء میں پوپ منتخب کیا گیا اور اپنی خانقاہ کو نہایت اندوہ و غم کے ساتھ خیرباد کہا تو قدیم روما جو سلطنت کا دارالحکومت تھا پیشتر ہی سے قرونِ وسطیٰ کا روما بن رہا تھا یعنی عیسائی دنیا کا دارالحکومت ہو گیا تھا۔ دیوتاؤں کے مندروں نے بہت سے عیسائی معبدوں کے لئے سامان مہیا کر دیا تھا۔ پیٹر اور پال دونوں حواریوں کے مقبرے جلد مذہبی کشش کے مرکز اور مغربی یورپ کے ہر حصہ کی زیارت گاہ ہونے والے تھے جس وقت گریگری نے اپنا عہدہ اختیار کیا، اُس وقت شہر میں طاعون بکثرت پھیل رہا تھا۔ قرونِ وسطیٰ کی پُرانی ٹھیٹ وضع میں اُس نے ایک مذہبی جلوس اس غرض سے نکالا کہ اللہ تعالیٰ وبا کو دور فرمائے۔ اُس وقت مقرب بارگاہ فرشتہ یعنی حضرت

میکائیل[1] ہیڈرین[2] کے مقبرہ پر دکھائی دے کہ وہ اپنی تیغ آتشیں کو اس علامت کے طور پر کہ خدا کا قہر رحمت سے مبدل ہو گیا ہے میان میں رکھ رہے ہیں۔ گریے گری کے زمانہ سے قیصر اور ٹراجان کے روما کی تاریخ کو ہم الوداع کہتے ہیں اور ان نوسینٹ سوئم اور للیو دہم کے روما کی تاریخ کو شروع کرتے ہیں۔

گریے گری کی تحریرات | قرون وسطیٰ میں گریے گری کو ایک مصنف کی حیثیت سے خاص شہرت حاصل تھی۔ وہ آگسٹائن، ایمبروز اور جیروم کے ساتھ ساتھ کلیسا کے چار بڑے لاطینی مقدس بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اُس کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا عہد اُس کے پیشروؤں کے زمانہ سے کس قدر کم شائستہ تھا۔ اُس کی نہایت مشہور کتاب کا نام ڈائی لاگ ہے جو معجزات اور قصائص کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے یقین نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمی تھا یا یہ کتاب سمجھدار آدمیوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ گریے گری نے کتاب یادگار قیصر پر ایک شرح لکھی ہے اُس میں ناظرین کو ہدایت کی ہے کہ وہ قواعد کی غلطیاں دیکھکر متعجب نہ ہوں کیونکہ ایسے مضمون کو لکھتے وقت مصنف اس کا خیال نہیں کرتا کہ فاعل و مفعول اور زمانہ حال و ماضی وغیرہ بجا طور پر استعمال ہوئے ہیں یا نہیں۔

گریے گری مدبر کی حیثیت سے | گریے گری کے خطوط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کے لئے پوپ کا عہدہ جبکہ اُس پر کوئی واقعی قابل آدمی ممتاز ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ اُس نے یہ خاکسارانہ لقب "خادم الخدام خدا" اختیار کر کے جس کو پوپ اب تک استعمال کرتے ہیں اپنے آپ کو ایک

---

[1] اصل کتاب میں حضرت میکائیل ؑ کا نام ہے۔ اس جگہ مناسب نام حضرت عزرائیل ؑ کا ہے لیکن ممکن ہے کہ اس بارہ میں عقائد اسلامیہ اور عقائد عیسوی میں فرق ہو۔ مترجم۔

[2] یہ بڑا مقبرہ دائرہ کی شکل میں ہے جو بعد ازاں پوپوں کا خاص قلعہ ہو گیا اور اس واقعہ سے جس کا ذکر ابھی ہوا اس کو فرشتہ کا قلعہ کہنے لگے۔ مؤلف۔

مدبر ثابت کیا جس کا اقتدار یورپ کے اطراف وجوانب تک پھیل گیا۔ اُس کے سپرد شہر روما کی حکمرانی کا کام ہو گیا کیونکہ مشرقی شہنشاہوں کا قبضہ برائے نام رہ گیا تھا اور یہ سلسلہ ۱۸۷۰ء تک اُس کے جانشینوں کے زمانہ تک برابر جاری رہا۔ اُس نے لمبرڈوں کو وسط اٹلی میں داخل ہونے سے روکا اور وہ لوگ زیادہ تر اسی وجہ سے اُس کو فتح نہ کر سکے کہ پوپوں نے اُس کی دلیرانہ حفاظت کی۔ چونکہ یہ خدمات فرائض حکومت میں داخل ہیں اس لئے ان کے اختیار کرنے سے گریگری کو پوپوں کی دنیاوی طاقت واقتدار کا بانی کہہ سکتے ہیں۔

گریگری کی اشاعت مذہب عیسوی — اٹلی کی حدود کے باہر گریگری مشرقی شہنشاہ اور آسٹریلیا، نیوسٹریا اور برگنڈی کے حکمرانوں سے برابر مراسلت کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنے اقتدار کو ہر جگہ اسقف کے عہدوں پر اچھے پادریوں کے انتخاب میں استعمال کرتا تھا اور ہر جگہ وہ خانقاہوں کے مفاد کی نگرانی کرتا تھا لیکن پوپوں کی تاریخ میں اُس کی خاص اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اُس نے مذہب عیسوی کی اشاعت کا کام کیا اور بڑی بڑی جماعتیں اس مقصد کے لئے یورپ کے اطراف وجوانب میں روانہ کیں جن کے ذریعہ سے بڑے ممالک جو ایک دن انگلستان، فرانس اور جرمنی ہونے والے تھے رومن کلیسا اور اُس کے افسر اعلیٰ پوپ کی ماتحتی میں آگئے۔

گریگری جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ایک پُرجوش راہب تھا اور اُس نے کافروں کو عیسائی بنانے کے کام میں قدرتاً راہبوں پر ہی زیادہ تر اعتماد کیا۔ لہٰذا قبل اس کے کہ ہم اُس کی اشاعت مذہب کی وسعت پر نظر ڈالیں ہم کو راہبوں کی اصلیت اور اُن کے طرزِ عمل کو دیکھنا چاہیئے جو قرون وسطیٰ میں بہت بڑی چیز تھے۔

باب پنجم

راہب اور جرمنوں کا مذہب عیسوی قبول کرنا

ایک فرقہ کی حیثیت سے راہبوں کی اہمیت

راہبوں کا جو اقتدار صدیوں تک یورپ میں رہا اُس کی وسعت و کثرت کا ضرورت سے زیادہ اندازہ کرنا دشوار ہے۔ فرقہ ہائے بینی ڈکٹینس، فرانسسکنس، ڈومی نی کنس اور جیسوائٹ کے مختصر حالات میں بہت سے گرامی اشخاص کے نام نظر آتے ہیں۔ نہایت ممتاز فلسفی، سائنس داں، مؤرخ، صناع، شعراء اور مدبر اُن کے زمرہ میں پائے جاتے ہیں۔ اُن اشخاص میں سے جن کے کارناموں کا ذکر ہم آیندہ کریں گے لائق احترام بیڈ، بونی فیس، ایبی لارڈ، تھامس ایکی ناس، راجر بیکن، فرا اینجلیکو، سیوونرولا، لوتھر، ایریسمس، ـــــ یہ سب اور بہت سے دیگر اشخاص جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں رہنما اور پیشرو رہے ہیں راہب تھے۔

رہبانیت بہت سے مختلف فرقوں کو پسند خاطر ہوئی

چونکہ رہبانیت لوگوں کے مختلف فرقوں کو پسند آئی اس لئے اُس کی طاقت روز بروز افزوں ہوتی گئی۔ یہ دنیا کم دلچسپ جگہ معلوم ہونے لگی کیونکہ وحشیوں کے متواتر حملوں نے بدامنی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ خانقاہ نہ صرف نیکدل مذہبی لوگوں کی جائے پناہ بن گئی بلکہ اُن لوگوں کے لئے بھی جو علمی یا فلسفی مذاق رکھتے تھے اور جو ایک سپاہی کی زندگی کو ناپسند کرتے تھے اور اُن خطرات اور اُس زمانہ کی غیر یقینی حالتوں کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے محفوظ مقام بن گئی۔ راہبانہ زندگی مامون و مصئون تھی اور متبرک بھی تھی۔ وحشی اور غیر محتاط جنگجو اشخاص بھی اُن لوگوں کو لوٹتے یا اُن کی زندگی کو ختم کرتے

میں تامل کرتے تھے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اُن پر خدا تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ خانقاہیں، مایوسانِ زندگی کی جائے پناہ اور فقیروں کا ملجا و ماویٰ ہو گئیں اور اُن کی بدولت کاہلوں کو خوراک اور رہنے کے لیے مکانات مل گئے ورنہ اُن کو اپنی معاش حاصل کرنی پڑتی۔ لہذا اس قسم کی بہت سی تحریکات تھیں جن کی وجہ سے خانقاہیں پر ہو گئیں۔ بادشاہوں اور امراء نے اپنی روحوں کی بہبودی کے لیے خانقاہیں بنانے کے واسطے خوشی اور رضامندی سے جاگیریں وقف کر دیں اور کثرت سے پہاڑوں اور جنگلوں میں ایسے دور دراز مقامات ہو گئے جو گوشہ نشینوں اور عزلت پسندوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔

راہبانہ زندگی کے نظام کی ضرورت

اوّل اوّل بڑے پیمانہ پر چوتھی صدی میں راہبانہ جماعتیں مصر میں قائم ہوئیں۔ اِدھر جرمن اپنی پہلی بڑی فتح ایڈریانوپل پر حاصل کر رہے تھے، اُدھر سینٹ جیروم راہبانہ عیسائی زندگی کے فوائد ظاہر کرنے میں مصروف تھا جو مغرب میں ایک نئی چیز تھی۔ چھٹی صدی میں اس قدر کثرت سے خانقاہیں مغربی یورپ میں ہو گئیں کہ اُن کثیر التعداد جماعتوں کے لیے خاص قواعد ترتیب دینے لازمی ہو گئے جو دنیا کے معمولی طریقوں سے کنارہ کشی اور خاص قسم کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھیں۔ خانقاہوں کے وہ قواعد جو مشرق میں مستعمل تھے بیکار تھے کیونکہ مغرب کی آب و ہوا اور لاطینی لوگوں کا مزاج مشرق کے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔ پس سینٹ بینی ڈکٹ نے ۵۲۶ء کے قریب ایک قسم کا نظام مانٹی کیسی نو کی خانقاہ کے لیے ترتیب دیا جو جنوبی اطالیہ میں تھی اور جس کا وہ افسر اعلیٰ تھا۔ یہ نظام اس قدر دور اندیشانہ تھا اور راہبانہ زندگی کی جملہ ضروریات کو کافی تھا کہ دوسری خانقاہوں نے بھی بہت جلد اس کو اختیار کر لیا اور رفتہ رفتہ ایک قانون ہو گیا جس کے مطابق تمام مغربی راہب اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

سینٹ بینی ڈکٹ کا قانون

سینٹ بینی ڈکٹ کا قانون اتنا ہی مشہور اور اہم ہے جتنا کسی سلطنت کا ہو گا۔ یہ قانون مفید اور فطری ہے۔ اس قانون میں یہ درج ہے کہ ہر شخص راہبانہ

زندگی کے لئے موزوں نہیں ہے پس جو شخص خانقاہ میں داخل ہونا چاہے پہلے اُس کو کچھ دنوں امیدواری کرنی چاہیئے قبل اس کے کہ وہ مقدس اور ناقابل بازگشت عہد و پیمان کرے سب بھائی ملکر ایک شخص کو اپنا سردار منتخب کریں گے اور جو ایبٹ کے نام سے موسوم ہوگا اور جسکی اطاعت ہر شخص کو بے چون وچرا ہر معاملہ میں کرنی چاہیئے بشرطیکہ اُس کے حکم کی تعمیل معصیت میں داخل نہ ہو۔ نماز اور عبادت کے ساتھ ساتھ راہبوں کو محنت اور مشقت کے کام بھی کرنے چاہئیں اور زمین میں کاشت کرنی چاہیئے۔ اُن کو درس و تدریس میں بھی حصہ لینا چاہیئے۔ جو لوگ محنت کا کام نہیں کرسکتے تھے اُن کو ہلکا کام مثلاً کتابوں کا نقل کرنا وغیرہ دیا جاتا تھا۔ راہب کو اجازت نہ تھی کہ وہ کسی چیز کو اپنی ملکیت کہہ سکے۔ وہ دائمی افلاس اور بے سروسامانی کا عہد کرتا تھا اور جس چیز کو وہ استعمال کرتا تھا خانقاہ کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ افلاس و اطاعت کے عہد و پیمان کے ساتھ ساتھ وہ پارسائی کا بھی عہد کرتا تھا جس سے وہ پابند ہوجاتا تھا کہ وہ کبھی شادی نہ کرے گا۔ کیونکہ نہ صرف اسوجہ سے کہ تجرد کی زندگی تاہل سے مقدس سمجھی جاتی تھی بلکہ راہبانہ زندگی کا نظام و ترتیب بھی فی الحقیقت ناممکن ہوجاتا اگر راہب تجرد کی زندگی نہ بسر کرتے۔ اِن ممنوعات کے علاوہ راہبوں کو فرزانہ اور فطری زندگی بسر کرنے کا حکم تھا اور اپنے جسموں کو بیجا استعمال کرنے یا اپنی طاقت کو اپنی ارواح کے مفروضہ فوائد کے لئے کثرت سے روزہ رکھکر قربان کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ دوراندیشانہ قواعد رہبانیت کی زیادتی کے خلاف مدون کئے گئے تھے جسکی بکثرت مثالیں مشرق میں موجود تھیں۔

راہب کتابوں کی نقل کرتے ہیں اور اِس طرح لاطینی مصنفین کی کتابیں قائم رہتی ہیں

یورپ پر بنی ڈکٹین راہبوں کا اثر بے اندازہ ہے۔ اُن میں سے چوبیس[۲۴] پوپ اور چھیالیس[۴۶] سو اسقف اور لاٹ پادری سے کم منتخب نہیں ہوئے اور اُن میں سے تقریباً سولہ ہزار[۱۶۰۰۰] مصنف ہوئے ہیں جن میں سے بعض بہت ممتاز ہیں۔ اُن کی خانقاہوں میں عالم کو پڑھنے اور لکھنے کے لئے آرام و سکون میسر ہوجاتا تھا اگرچہ اُس عہد میں کیسی ہی بدامنی کیوں نہ پھیلی

ہوئی ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کتابوں کی نقل کرنا راہبوں کا خاص کام تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے کام کو اکثر بے پروائی سے کرتے تھے جو کم دلچسپی اور نافہمی کی وجہ سے ہوتی تھی لیکن قلمی نسخوں کے عظیم نقصان سے جو کتب خانوں کی تباہی اور مالکانِ کتب کی انفرادی عدم توجہی سے واقع ہوا یہ نہایت ضروری تھا کہ کتابوں کی نئی نقلیں کرائی جائیں۔ غلط اور نامکمل نقلیں بھی نہ ہونے سے بہتر تھیں۔ یہ انہیں راہبوں کی بدولت لاطینی علم ادب کا بڑا حصہ اب تک باقی ہے جو ان کے بغیر غالباً بہت ہی شکستہ حالت میں ہم تک پہنچتا۔

یورپ کی مادی ترقی میں راہبوں نے مدد دی

راہبوں نے جسمانی محنت ومشقت کو جسکو وہ نجات کا ایک بڑا ذریعہ خیال کرتے تھے اس بدنامی سے نکالنے میں مدد دی جسکی وہ پہلے زمانہ میں غلامی کی وجہ سے شکار ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنی خانقاہوں کے ارد گرد عمدگی کے ساتھ کاشت کرنے کی مثال قائم کی اور اس طریقہ سے انہوں نے اُن ملکوں میں جہاں وہ آباد تھے کاشتکاری کے بہتر طریقے رائج کر دئے۔ انہوں نے مسافروں کی ایسے زمانہ میں مہمان نوازی کی جب مسافر خانے اور سرائیں نہ تھیں اور اس طریقہ سے یورپ کے مختلف حصوں کے باہمی ارتباط کو ترقی دی۔

باقاعدہ اور دنیاوی پادریوں کی جماعت

یعنی ڈکٹن راہب اور مابعد دیگر راہب، پوپ کی طاقت کے جوشیلے اور وفادار معاون تھے۔ رومن کلیسا نے جو زیادہ تر انہیں کی امداد سے قائم تھی اُن کی اُس استعانت کی قدر کی جو اُسے دیکھے۔ اور اُن کو بھی وہ حقوق عطا کر دئے جو پادریوں کو حاصل تھے۔ دراصل راہب 'پادری شمار ہونے لگے اور" باقاعدہ" پادری کہلائے جانے لگے کیونکہ وہ ایک ضابطہ کے موافق زندگی بسر کرتے تھے اور نیز اُن کو دنیاوی پادریوں سے ممیّز کرنے کے لئے بھی اس نام سے پکارنے لگے کیونکہ آخر الذکر دنیاوی زندگی بسر کرتے تھے اور کوئی راہبانہ عہد و پیمان نہیں کرتے تھے۔

راہب اور دنیاوی پادری ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے ہیں

کلیسا جو اپنی رعایا پر اُسی وسیع اقتدار کو قائم رکھنے کی ہمیشہ متمنی تھی

جو سلطنت روما کو میسر تھا اور جس کی طاقت اس کے ورثہ میں آگئی تھی اپنے مصروف و مشغول افسران سے جنکو مختلف خدمات ادا کرنی پڑتی تھیں اور لوگوں سے برابر تعلقات رکھنے پڑتے تھے مشکل سے یہ توقع کر سکتی تھی کہ وہ عیسوی عرفان کا نمونہ پیش کر سکیں جو اُس وقت عملی زندگی کی نسبت زیادہ معزز خیال کیا جاتا تھا۔ دنیادار پادری کلیسا کی رسومات ادا کرتے تھے، اُس کا انتظام کرتے تھے اور اُس کی جائداد کی حفاظت کرتے تھے اور 'باقاعدہ پادری' ذاتی پاکیزگی اور ایثار نفس کی ضرورت کو اپنی مثال سے پیش کرتے تھے۔ راہبانہ زندگی گویا ایک قسم کی مشیر تھی جو کلیسا کے پاس کھڑی رہتی تھی اور ہمیشہ اُس کو اِس بات سے آگاہ کرتی رہتی تھی کہ عیسائی زندگی کو محض رسوم ادا کرنے کا ذریعۂ نجات سمجھکر خراب نہ کیا جائے۔ یہ ذاتی ذمہ داری اور روحانی ترقی کا سبق دیتی تھی جس پر پروٹیسٹنٹ مذہب بہت زور دیتا ہے۔

راہب مشنریوں کی حیثیت میں

راہبوں کی پہلی بڑی خدمت اُن کا مذہب عیسوی کی اشاعت کرنا تھا۔ اِسی اشاعت مذہب کی بدولت رومن کلیسا کی آئندہ طاقت میں ترقی ہوئی کیونکہ راہبوں نے غیر عیسائی جرمنوں کو نہ صرف عیسائی بنایا بلکہ اُن کو پوپ کی وفادار رعایا بنا دیا۔ سب سے پہلے جن لوگوں نے اِس طرف توجہ کی وہ کافر جرمن تھے جنہوں نے ایک مرتبہ عیسائی برطانیہ کو فتح کر لیا تھا

ابتدائی اہل برطانیہ

وہ جزائر جو اب سلطنت برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کے نام سے مشہور ہیں سن عیسوی کے شروع ہونے کے وقت کیلٹک فرقہ کے لوگوں سے آباد تھے جن کے رواج اور مذہب کا حال ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ جولیس سیزر نے ان جزائر کو فتح کرنا شروع کیا ۵۵ برس قبل سنہ عیسوی لیکن رومی اپنی طاقت اُس دیوار کے اُدھر قائم کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہوئے جو انہوں نے دریائے کلائڈ اور دریائے فرتھ اوف فورتھ کے مابین شمالی جنگلی کیلٹک فرقوں کو اُدھر رکھنے کے لئے تعمیر کی تھی۔ دیوار کے جانب جنوب بھی ملک نے کامل طور پر رومیوں کے طریقوں کو اختیار نہیں کیا تھا اور ویلز میں آج تک کیلٹک زبان بولی جاتی ہے۔

سیکسن اور اینگلس برطانیہ کو فتح کرتے ہیں

پانچویں صدی کے شروع میں وحشیوں کے حملوں نے روما کو
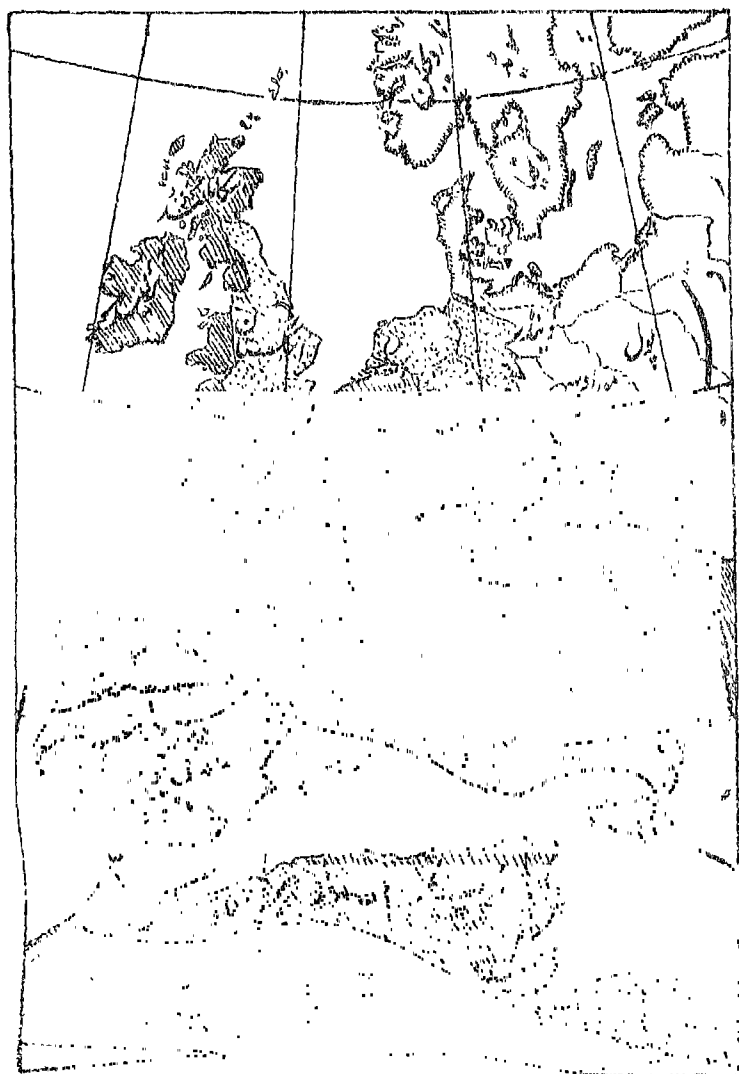
مجبور کیا کہ وہ اپنی افواج کو برطانیہ سے براعظم پر اپنی حدود کی حفاظت کے لئے واپس بلالے۔ اس طرح جزیرہ کو جرمنوں سے رفتہ رفتہ فتح ہونے کے لئے خالی کر دیا گیا خصوصاً سیکسنون اور انگلس سے جو جزیرہ نما شمالی ہیں ہو کر ڈنمارک کے جنوبی علاقہ سے آئے تھے۔ تقریباً تمام تحریرات جن سے پتہ چلتا کہ رومیوں کی روانگی کے بعد دو صدیوں تک کیا کچھ گزرا غائب و معدوم ہو گئی ہیں۔ انگلستان کے اصلی کیلٹک باشندوں کی قسمت کا حال کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ سب کے سب جیسا کہ پیشتر خیال کیا جاتا تھا تہ تیغ کر دئے گئے یا اُن کو ویلز کے کوہی اضلاع کی جانب نکال دیا گیا۔ اغلب یہ ہے کہ وہ حاوی جرمنوں کے ساتھ ملکر رفتہ رفتہ انہیں میں مدغم ہو گئے اور ایک قوم بن گئے۔ سیکسن اور انگل کے سرداروں نے چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کر لیں جن کی تعداد گریگری اعظم کے پوپ ہونے کے وقت سات یا آٹھ تھی۔

برطانیہ کا مذہب عیسوی قبول کرنا

گریگری جبکہ وہ ابھی تک محض ایک راہب تھا بعض انگلس کی خوبصورتی سے جنکو اُس نے ایک دن روما کے غلام بازار میں دیکھا تھا متحیر ہوا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ وہ کون ہیں تو اُسے افسوس ہوا کہ ایسے خوبصورت انسان ایک شہزادۂ ظلمت کی رعایا ہوں اور اگر اُس کو اجازت ملجاتی تو وہ خود ایک مشنری کی حیثیت سے اُن کی قوم کے پاس جاتا۔ چنانچہ پوپ ہونے پر اُس نے چالیس راہب انگلستان کو اُن خانقاہوں میں سے ایک سے جنکو اُس نے قائم کیا تھا ایک راہب آگسٹائن نامی کی ماتحتی میں روانہ کئے اور اُس کو انگلستان کے لاٹ پادری کا خطاب پیشگی دیدیا۔ کینٹ کے کافر بادشاہ کی ملکہ جس کے ملک میں راہب خوف اور دہشت کے ساتھ اُترے (۵۹۷ء) عیسائن تھی اور جو ایک فرینک بادشاہ کی لڑکی تھی۔ اُس کے اثر کی وجہ سے راہبوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا گیا اور کینٹربری کی ایک پُرانی گرجا اُن کے حوالے کر دی گئی جو جرمنوں کے حملوں سے قبل رومیوں کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تھی۔ یہاں انہوں نے ایک خانقاہ بنائی اور اس مرکز سے پہلے کینٹ کو اور بعد ازاں تمام جزیرہ کو رفتہ رفتہ عیسائی بنالیا۔ کینٹربری ہمیشہ سے اپنی ابتدائی فوقیت کو لئے ہوئے ہے اور اب بھی انگلستان کا مذہبی

دارالخلافت سمجھا جاتا ہے۔

آئرلینڈ کے راہب مگر صرف آگسٹائن اور اُس کے راہب ہی جزائر برطانیہ میں عیسائی نہ تھے۔ برطانیہ جبکہ ایک رومی صوبہ تھا عیسائی مذہب قبول کر چکا تھا اور بعض مشنریوں نے سینٹ پیٹرک (جو ۴۶۹ء کے قریب فوت ہوا) کی ماتحتی میں آئرلینڈ کا سفر اختیار کیا تھا اور وہاں مذہب عیسوی کا مرکز قائم کر لیا تھا۔ جب جرمنوں نے برطانیہ پر قبضہ کر لیا اور اُس کو پھر کافر بنا لیا تو آئرلینڈ کے راہب اور پادری اس قدر دور تھے کہ وحشی اُن کو نہیں ستا سکے۔ وہ رومی کلیسا کی روایات کو مطلق نہیں جانتے تھے پس وہ بعض صورتوں میں اُس کے رواجات سے الگ ہو گئے۔ وہ ایسٹر کی خوشی رومن کلیسا کے خلاف اور تاریخ پر کرتے تھے اور سر منڈانے کا مختلف طریقہ استعمال کرتے تھے۔ اس آئرلینڈ کی کلیسا کے مبلغین برطانیہ کے شمالی علاقوں کو عیسائی بنانے میں مصروف تھے اور رومی عیسائی آگسٹائن کی زیر نگرانی اپنا کام جزیرہ کے جنوبی حصہ میں کر رہے تھے۔

رومی کلیسا اور آئرلینڈ کے راہبوں کے مابین نزاع ان دونوں فرقوں میں مٹھ بھیڑ ہونا یقینی تھا۔ آئرلینڈ کے پادری اگرچہ وہ پوپ کا بڑا احترام کرتے تھے اور بقیہ عیسائی کلیسا سے اپنے آپ کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن اپنے خاص رسوم کو بھی ترک کرنے اور روما کے منظور شدہ رسوم کو اختیار کرنے پر رضامند نہ تھے۔ نہ وہ کینٹربری کے لاٹ پادری کو اپنا سردار ماننے کے لئے تیار تھے جس کو پوپ نے برطانیہ کی کلیسا کا سردار بنا دیا تھا۔ اور پوپ ان علیحدہ شدہ عیسائیوں کو اپنے بڑے نظام کا جس کا وہ اپنے آپ کو سردار کہتا تھا جزو بنانا نہایت ضروری سمجھتا تھا۔ کسی ایک فریق نے بھی دوسرے کے ساتھ مراعات ملحوظ نہ رکھیں اور دو نسلوں تک ہر ایک اپنے اپنے رستہ پر چلتا رہا اور ایک دوسرے سے نہایت دشمنی رکھتا رہا۔

رومی کلیسا کی فتح آخر کار رومی کلیسا کو فتح ہوئی جیسا کہ آئندہ نزاعات میں اُسے فتوحات ہوتی رہیں۔ ۶۶۴ء میں نارتھمبریا کے بادشاہ کے اثر سے جو پوپ سے معاندانہ تعلقات رکھنے سے خائف تھا رومن کیتھولک طرز کی عبادت وہٹ بی کے مجمع میں تسلیم کی گئی اور آئرلینڈ کے

مبلغین کا سردار افسوس اور غمگینی کے ساتھ آئرلینڈ کو واپس چلا گیا۔

نارتھمبریا کے بادشاہ نے وہٹ بی کی کونسل کے افتتاح پر کہا کہ "یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ طریقہ عبادت بھی ایک ہی رکھیں اور ایک دوسرے سے مقدس اسرار کی خوشی منانے کے طریقوں میں مختلف نہ ہوں کیونکہ ہم سب اُسی آسمانی بادشاہت کے امیدوار ہیں"۔ یہ بات کہ یورپ کا ایک دور دراز جزیرہ اُن رسومات سے علیحدہ اپنی روایات قائم رکھے جو بقیہ عیسائی دنیا کے معمول ہیں اُس کو نہایت ہٹ دھرمی معلوم ہوئی۔ کلیسا کی ضروری وحدانیت پر ہی اعتقاد رکھنا اُس کی طاقت کے رازوں میں سے ایک ہے۔ پس انگلستان اُس روز افزوں مملکت کا جزو بن گیا جو رومن کیتھولک کے زیر اقتدار تھی اور سولھویں صدی کے ابتدائی حصہ تک جبکہ ہینری ہشتم نے بغاوت اختیار کی پوپ کا وفادار رہا جیسا کہ کوئی دیگر کیتھولک ملک رہا۔

انگلستان میں ابتدائی شائستگی

برطانیہ عظمیٰ میں مخالف کلیساؤں کے اتحاد نے روما اور اُس کے ادب و فنون اور شائستگی کے لئے عام ذوق وشوق پیدا کر دیا۔ لنڈس فارن، ویرماؤتھ اور انگلستان کی دیگر خانقاہیں علوم کے مرکز بن گئیں جن کا جواب غالباً باقی ماندہ یورپ میں نہ تھا۔ روما سے مسلسل اخلاص و ارتباط قائم رکھا گیا۔ معمار اور شیشہ گر چینل کے اُس جانب بلائے گئے تاکہ برطانیہ کی لکڑی کی گرجاؤں کو رومیوں کے طرز پر پتھر کی عمارات بنا دیں۔ نوجوان پادریوں کو لاطینی اور بعض اوقات یونانی زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ قدیم زبانوں کی کتابوں کی نقول براعظم سے منگائی جاتی تھیں اور ان کی بہت سی نقلیں کی جاتی تھیں۔ ساتویں اور ابتدائی آٹھویں صدی کا نہایت ممتاز عالم انگلستان کا راہب بیڈ تھا (جس کو اکثر قابل احترام بیڈ کہتے ہیں ۶۷۳ء سے ۷۳۵ء تک) جس کی قابل تعریف کتاب "انگلستان میں کلیسا کی تاریخ" سے اُس زمانہ کے بارہ میں ہماری زیادہ تر معلومات اخذ کی گئی ہیں۔

آئرلینڈ کے مبلغین براعظم یورپ پر

مبلغین چینل کے اِس طرف انگلستان سے کلیسا کا جوش و خروش

اپنے ساتھ لائے۔ کلووس اور اُس کی کل سپاہ کے عیسائی ہونے کے باوجود فرینک خاصکر وہ جو زیادہ تر جانب شمال رہتے تھے بہت ہی ناکمل طریقہ پر عیسائی ہوئے تھے۔ آگسٹائن کے کینٹ میں داخل ہونے سے چند سال قبل سینٹ کولمبن جو آئرلینڈ کے مبلغین میں سے تھا اور جن کا ذکر ہم پیشتر کر چکے ہیں گال میں آیا۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ خانقاہیں قائم کرتا ہوا چلا گیا اور لوگوں میں اُس کا اعزاز و احترام اُس کے سخت ایثار نفس اور اُن کرامات سے جو اُس نے دکھلائیں ہو گیا۔ وہ کافروں کے علاقہ المنی تک جو جھیل کان سٹینس کے اردگرد ہے پہنچ گیا۔ جب اُن کے کافر بادشاہ نے اسکو اپنے علاقہ سے باہر نکال دیا تو اُس نے اپنی توجہ شمالی اٹلی کے لمبرڈوں کی طرف منعطف کی جہاں وہ ۶۱۵ء میں مر گیا۔ سینٹ گال جو اُس کے تابعین میں سے تھا جھیل کان سٹینس کے قریب رہتا تھا اُس نے اس قدر شاگرد اور ہمراہی اپنے گرویدہ کر لئے کہ اُن سے ایک بڑی خانقاہ قائم ہو گئی جسکا نام اُس کے نام پر رکھا گیا اور جو وسط یورپ میں نہایت مشہور خانقاہوں میں شمار ہونے لگی آئرلینڈ کے دیگر مبلغ تھیورنجیا اور بویریا کے جنگلوں تک پہنچ گئے لیکن جرمن کلیسا کا اصل بانی ایک انگریز مبلغ تھا۔

سینٹ بونی فیس جرمنوں کا حواری

۶۱۵ء میں سینٹ کولمبن کی وفات کے سو برس بعد سینٹ بونی فیس ایک انگریز راہب کو پوپ نے جرمنوں کے حواری کی حیثیت سے بھیجا۔ چار برس کے بعد جو اُس نے اپنی آئندہ کوششوں کے میدان کی جانچ پڑتال میں صرف کئے وہ روما کو واپس آیا اور وہاں مبلغین کا لاٹ پادری بنایا گیا۔ اُس نے پوپ کی اطاعت کی قسم کھائی جیسی قسم کھانے کے روما کے قرب وجوار کے پادری عادی تھے۔ واقعی پوپ کی کامل اطاعت بونی فیس کے مذہب کا ایک جزو تھی اور رومی کلیسائی برتری کو ترقی دینے میں اُس نے ایک نہایت لائق ایجنٹ کا کام دیا۔

چارلس مارٹل طاقتور فرینک خواجہ سرا کی زیر حفاظت بونی فیس نے اپنا تبلیغ مذہب کا کام اس قدر سرگرمی کے ساتھ انجام دیا کہ وہ تمام عیسائی فرقوں کو جن کو آئرلینڈ کے مبلغین نے

قائم کیا تھا پوپ کے قبضۂ واقتدار میں لے آیا اور اُن دور دراز جرمن فرقوں کو بھی جو ابتک قدیم مذہب کے عقائد رکھتے تھے عیسائی بنالیا۔ اُس کے سرگرم طریقوں کا اظہار اِس قصہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ اُس نے اوڈن کے متبرک شاہ بلوط کو جو بمقام فرٹ زلر ہیسی کے صوبہ میں تھا جڑسے کاٹ ڈالا اور اُس کی لکڑی کو ایک گرجا بنانے میں صرف کیا جس کے نواح میں ایک خانقاہ جلد آباد ہوگئی۔ ۷۳۲ء میں بونی فیس اُسے مینس کے لاٹ پادری کے عہدہ پر ممتاز کیا گیا اور اُس نے نوعیسائی شدہ علاقہ میں سالزبرگ، ریجنس برگ، وورزبرگ، ارفرٹ اور دیگر مقامات میں جرمن گرجائیں قائم کیں۔ اِس سے ہم اُس کی محنتوں کی وسعت کا کچھ اندازہ کرسکتے ہیں۔

بونی فیس گال میں کلیسا کی اصلاح کرتا ہے اور اسکو پوپ کے زیر فرمان بناتا ہے

جرمن کلیسا کے نظام وترکیب کے بعد اُس نے اپنی توجہ پوپ کی عین رضامندی کے ساتھ اور فرینک فرمانرواؤں کی اعانت سے گال میں کلیسا کی عام اصلاح کی طرف مبذول کی۔ یہاں پادریوں کی جماعت نہایت بدوضع ہوگئی تھی اور گرجائیں اور خانقاہیں اُس زمانہ کی لگاتار بدامنی کے باعث اپنے مال ومنال سے محروم ہوگئی تھیں۔ چارلس مارٹل کی امداد سے بونی فیس صورت معاملات کو بہتر کرنے میں کامیاب ہوا اور اُس کی کوششوں کی بدولت گال کی محترم کلیسا جو تقریباً اُسی قدر قدیم تھی جس قدر کہ خود روما کی کلیسا تھی پوپ کے زیر فرمان آگئی۔ ۷۴۸ء میں گال کے مجتمع اسقفوں نے مذہب کی کیتھولک یکجہتی کو برقرار رکھنے اور سینٹ پیٹر کے پادری یعنی پوپ کے احکام پر سختی سے عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو پابند بنالیا تاکہ وہ بھی پیٹر کے گلہ میں شمار ہوسکیں۔

باب ششم

چارلس مارٹل اور پپن

چارلس مارٹل، فرنیک خواجہ سرا ۷۱۴ء سے ۷۴۱ء تک

جب پوپ مغربی کلیسا کا مسلمہ سرداربن رہا تھا، فرنیک سلطنتیں یکے بعد دیگرے دو بڑے مدبروں چارلس مارٹل اور اُس کے بیٹے پپن مختصر کے زیر فرمان آگئیں جنہوں نے شارلمین کی وسیع سلطنت کی بنیاد رکھدی۔

ابتدائی قرونِ وسطیٰ میں کسی سلطنت کو متحد رکھنے کی دشواریاں

وہ مشکلات جن سے چارلس مارٹل کو سابقہ پڑا زیادہ تر اُسی قسم کی تھیں جن سے آئیندہ صدیوں تک مغربی یورپ کے بادشاہ دوچار رہے۔ بڑا اہم کام قرونِ وسطیٰ کے فرمانرواکا یہ تھا کہ وہ اپنی طاقت کا احساس اپنی تمام مملکت میں، باوجود بہت سے متمول اور حریص افسروں، اُسقفوں اور پادریوں کے جو بادشاہ کی تمام کمزوریوں اور پریشانیوں سے فائدہ اٹھانے کے شائق رہتے تھے تاکہ اپنے آپ کو عملی طور پر اپنے اپنے اضلاع میں برتر و فائق بنادیں قائم رکھ سکے۔

امرا اور امیرالامرا کی اصلیت

سرکاری افسروں کے دو فرقے جن کا ذکر اکثر ہوتا ہے امرا اور وزرا تھے۔ ایک امیر (کاؤنٹ) عام طور پر اپنے ضلع میں جو قدیم سلطنت روما کی میونسپلٹی کی برابر تھا بادشاہ کا قائم مقام ہوتا تھا۔ امیروں کی ایک خاص تعداد پر بادشاہ ایک ڈیوک یعنی امیرالامرا کو افسر مقرر کردیتا تھا۔ یہ دونوں خطاب جرمنوں نے رومی افسران سے مستعار لئے تھے۔ اگرچہ بادشاہ ان افسرون کو مقرر کرتا تھا اور جب چاہے اُنکو برطرف کرسکتا تھا لیکن اُن کا یہ طبعی میلان تھا کہ وہ اپنے اپنے عہدوں پر زندگی بھر مامور رہیں۔

ہم چارلس کو ایکی ٹین، بویریا اور الیمنیہ کے ڈیوکوں سے نبرد آزما دیکھتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کو جس پر وہ بادشاہ کی طرف سے حکومت کرنے کے لئے مامور تھا ایک علیحدہ اور خود مختار ملک اپنے زیر فرمان بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان باغی عمائدین کے خلاف متواتر جنگ وجدل کے بعد اُن تمام بیرونی اضلاع کو جو اپنا تعلق فرینکی سلطنت سے قطع کرنے یا فراموش کرنے پر مائل تھے متحد رکھنے میں چارلس کامیاب ہوا۔

چارلس اور اس کے لاٹ پادری | خواجہ سرا کے لئے لاٹ پادری بھی قریب قریب اتنے ہی تکلیف دہ ثابت ہوئے جتنے کہ ڈیوک اور بعد ازاں کاؤنٹ۔ یہ سچ ہے کہ لاٹ پادریوں کی نامزدگی چارلس نے اپنے اختیار میں رکھی اور پادریوں کی جماعت اور گرجا کے لوگوں کو اپنا سردار منتخب کرنے کا حق دینے سے انکار کر دیا حالانکہ کلیسا کے قواعد میں یہ مندرج تھا۔ لیکن جب اسقف کلیسا کی جاگیروں پر قابض ہو جاتا تھا اور اپنے وسیع اختیارات اور اقتدار کو کام میں لاتا تھا تو اُسے اکثر یہ ترغیب ہوتی تھی خصوصاً جبکہ وہ امرا کے فرقہ میں سے ہوتا تھا کہ وہ اپنے جلیل القدر عہدہ کے حقوق سے فائدہ اٹھا کر کلی طور پر اپنی جداگانہ آزاد ریاست قائم کرلے۔ یہی حال طاقتور خانقاہوں کے سرداروں کا بھی تھا۔ چارلس نے ان خطرناک اسقفوں اور پادریوں کو قاطبۃً معزول کر دیا۔ اُس نے اُن کی جگہ اپنے دوستوں کو مقرر کر دیا اور آئین کلیسا کا قطعاً خیال نہ کیا۔ مثلاً اُس نے اپنے برادرزادہ کو پیرس، رون اور بیوکی گرجاؤں کے علاوہ دو خانقاہیں بھی دیدیں۔ تاہم یہ نئے پادری بھی پرانے پادریوں سے کچھ بہتر ثابت نہ ہوئے کیونکہ اپنی پادریانہ وضع کے باوجود آخرکار وہ غیر پادری ہی تھے جنہوں نے اپنے معمولی طریقہ پر جنگ وجدال اور شکار کو برقرار رکھا۔

چارلس کے کارناموں میں نہایت مشہور اُس کی وہ فیصلہ کن شکست تھی جو اُس نے مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کو دی۔ یہ لوگ اسپین سے گال میں پیشقدمی کرتے چلے جاتے تھے۔ لیکن اس بارہ میں کچھ لکھنے سے پیشتر ان حملہ آوران اور اُن کے مذہب کا کچھ مختصر حال معلوم ہونا چاہئے کیونکہ مسلمانوں کا ذکر جیسا کہ حضرت محمدؐ کے توابعین عام طور پر کہلائے جاتے ہیں ہماری مغربی

تاریخ میں خصوصاً صلیبی جنگ کے دوران میں آئے گا۔

حضرت محمدؐ صلعم ۵۷۰ء سے ۶۳۲ء تک

جب گرے گری اعظم روما میں انتقال کر رہا تھا اور اپنے جانشینوں کے ورثہ میں روحانی اور دنیاوی اقتدار چھوڑ رہا تھا تو ایک نوجوان عرب دور دراز مکہ مکرمہ میں زندگی کے اسرار پر غور کر رہا تھا اور ایک ایسی مذہبی طاقت کی بنیاد رکھ رہا تھا جو یورپ کی طاقت کے ہمسر ہو گئی۔ حضرت محمدؐ کے زمانہ سے پیشتر عربوں نے دنیا کی تاریخ میں کوئی اہم کام انجام نہیں دیا تھا مختلف فرقے جو جابجا پھیلے ہوئے تھے ایک دوسرے سے جنگ و جدل کرتے رہتے تھے اور ہر ایک قبیلہ کا جداگانہ دیوتا تھا اور وہ اگر کبھی کرتے تھے تو اسی کی پرستش کرتے تھے۔ لیکن جب ان بادیہ نشینوں نے حضرت محمدؐ کو رسول خدا اور ان کے مذہب اسلام کو قبول کر لیا تو وہ اپنے مذہب کی اشاعت اور دنیا کو اپنا محکوم بنانے کے لئے ناقابل تسخیر طاقت ہو گئے۔

سن ہجری ۶۲۲ء

حضرت محمدؐ شریف خاندان سے تھے لیکن ناداری کی وجہ سے ایک متمول بیوہ کے ملازم ہو گئے جن کا نام حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھا اور جو ان پر عاشق ہو گئیں اور ان کی بیوی بن گئیں۔ وہ پہلی مسلمان خاتون تھیں اور انہوں نے اپنے شوہر کی ہمت و جرأت کو قائم رکھا حالانکہ مکہ میں کوئی شخص بھی اس وقت ان کے الہامات کا معتقد نہ تھا اور نہ ان کی تعلیمات کو قبول کرتا تھا جن کو وہ براہ راست حضرت جبرئیلؑ سے حاصل کرنے کے مدعی تھے آخرکار

---

[1] اس موقع پر فردوسی کے اشعار جو اس نے سلطنت ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی زبان سے ادا کئے ہیں جب حضرت سعد وقاص نے دعوت اسلام کا خط بھیجا ہے لائق اظہار ہیں۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار + عرب را بجائے رسید است کار

اونٹ کا دودھ اور گوہ کھاتے کھاتے — اب عرب کو یہ دن لگے کہ

کہ تخت کیاں را کند آرزو + تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

کیانی تخت کی ہوس ہے — اے آسماں! تجھ پر تف ہے اور پھر تف ہے

اُن کو پتہ لگا کہ اُن کے کثیر التعداد دشمن اُن کے قتل کرنے پر آمادہ ہیں پس وہ قریب کے شہر مدینہ میں ہجرت کر گئے جہاں کہ اُن کے بہت دوست تھے ۔ یہ واقعہ ۶۲۲ء میں واقع ہوا ہجرت کہلاتا ہے اور اسی سے مسلمان اپنے سال و ماہ کا حساب کرتے ہیں ۔ مکے کے لوگوں (کفار قریش) اور مدینہ کے مددگاروں (انصار) میں جنگ برپا ہو گئی ۔ آٹھ برس گزرنے کے بعد وہ ایک فاتح سپاہ کی حیثیت میں مکہ میں داخل ہوئے جو عرب کا مذہبی مرکز تھا ۔ اُن کی وفات سے قبل (۶۳۲ء) تمام عرب سرداران اُن کے زیر فرمان ہو گئے تھے ۔ اور اُن کا مذہب اسلام (جس کے معنی اطاعت خدا کے ہیں) تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گیا تھا ۔

قرآن شریف اور اسلام

حضرت محمدؐ پر وقتاً فوقتاً بیہوشی طاری ہو جاتی تھی جس کے بعد وہ اپنے شوقین سامعین (اصحاب) کو خدا کا پیغام سناتے تھے ۔ اُن کی وفات کے بعد یہ الہامات ایک کتاب کی شکل میں جمع کئے گئے جس کو قرآن شریف کہتے ہیں اور جو مسلمانوں کی مقدس انجیل ہے ۔ اس میں نئے مذہب کے تمام اصول اور وہ تمام قوانین درج ہیں جن کی پابندی ہر دیندار پر فرض ہے ۔ یہ مذہب خدائے واحد "مالک یوم الدین الرحمٰن الرحیم" کی پرستش کرنا اور حضرت محمدؐ کو رسول اللہ جاننا سکھاتا ہے ۔ یہ قیامت کے دن کو آنیوالا بتاتا ہے جبکہ ہر شخص اپنے اعمال کی سزا یا جزا پائیگا اور یا تو جنت الفردوس کے دروازے اُس پر کھل جائیں گے یا وہ ابدالآباد تک جہنم میں رہے گا ۔ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوں گے وہ اعلیٰ علیین میں رہیں گے جہاں وہ اپنے گزشتہ اعمالوں کی بدولت اس دنیا کے قصور سے چھوٹ جائیں گے اور زرکار اور سنہری گدّوں پر آرام کریں گے اور اُن کی خدمت کے لئے حوریں ہوں گی ۔ اسلام میں مذہب یہود و نصاریٰ کی بہت سی باتیں ہیں ۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی اُس میں جگہ دی گئی ہے لیکن وہ صرف انبیا علیہم السلام میں سے مثل حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور دیگر نبیوں کے ، ایک نبی خیال کئے جاتے ہیں جنہوں نے مذہب آسمانی کی تعلیم بنی نوع انسان کو دی ہے ۔

حضرت محمدؐ کا مذہب قرونِ وسطیٰ کی عیسائی کلیسا کے مذہب سے زیادہ سادہ تھا۔ اِس میں
پادریوں کی کوئی جماعت نہ تھی اور نہ پیچیدہ اور دشوار رسوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک دیندار مسلمان
کو ہر روز پانچ مرتبہ نماز پڑھنی چاہیئے اور اُس کا منہ ہمیشہ مکہ (قبلہ) کی طرف ہونا چاہیئے۔ سال بھر میں
ایک ماہ روزے رکھنے چاہئیں۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہو تو اُسے قرآن شریف حفظ کرنا چاہیئے۔ مسجد
نماز اور قرآن شریف پڑھنے کی جگہ ہے، کسی قسم کی قربان گاہیں یا مورتیاں اُس میں
نہ رکھنی چاہئیں۔

مسلمانوں کی فتوحات

حضرت محمدؐ کے جانشین نے خلیفہ کا خطاب اختیار کیا۔ اُس کے عہد میں
عربوں نے بڑی مملکتوں کو جو جانب شمال تھیں اور ایرانیوں اور رومی شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملکیت
میں تھیں فتح کرلیا۔ اُن کو عجیب و غریب کامیابی حاصل ہوئی۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد
دس سال کے اندر ایک سلطنت عظمیٰ جس کا دارالحکومت دمشق میں تھا قائم کرلی جہاں سے خلیفہ
عرب، ایران، شام اور مصر پر حکومت کرتا تھا۔ آئندہ قرنوں میں نئی فتوحات افریقہ کے سواحل
پر کی گئیں اور ۷۰۸ء میں طنجیر پر قبضہ کرلیا اور عرب آبنائے جبل الطارق کے اُدھر اسپین پر
نظر دوڑانے لگے۔

عرب اسپین میں

مغربی گاتھ کی سلطنت کی حالت اس قدر خراب تھی کہ جب چند عربوں اور بربروں
کے دستہ افواج نے جو شمالی افریقہ کے باشندے تھے سمندر کو پار کرنے کی جرأت کی تو وہ اپنی
سلطنت کی حفاظت اُن کے مقابلہ میں نہ کرسکے۔ اسپین کے بعض شہر کچھ دنوں تک تابِ مقاومت
لائے لیکن حملہ آوروں کو کثیر التعداد یہودیوں سے مدد ملی جن کے ساتھ اُن کے عیسائی ہموطنوں
نے بُرا سلوک کیا تھا۔ رہی وہ کثیر التعداد کاشتکاروں کی جماعت جو امرا کی جاگیروں میں
کام کرتے تھے، اُن پر آقاؤں کی تبدیلی کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ۷۱۱ء میں عربوں اور بربروں نے
ایک بڑی لڑائی میں فتح حاصل کی اور جزیرہ نما میں رفتہ رفتہ نئے افریقہ کے باشندے آباد ہوتے
رہے اور ملک پر اپنا قبضہ کرتے رہے۔ سات سال کے عرصہ میں مسلمان کوہ پیرنیز کے تقریباً

تمام جنوبی ملک پر قابض ہو گئے۔ بعد ازاں انہوں نے کوہ پیرینیز کو طے کر کے گال کا رستہ اختیار کیا اور ناربون کے گرد کے ضلع پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ تک ایکی ٹین کا ڈیوک اُن کو آگے بڑھنے سے روکتا رہا لیکن ۷۳۲ء میں انہوں نے ایک بڑی سپاہ فراہم کی۔ ڈیوک کو بورڈیو کے قریب شکست دی اور پوآٹیر کی طرف رخ کیا جہاں انہوں نے گرجا کو جلا دیا اور پھر وہ ٹورس کی جانب روانہ ہو گئے۔

جنگ ٹورس ۷۳۲ء

چارلس مارٹل نے فوراً اعلان مشتہر کئے اور اُن سب لوگوں کو جو ہتھیار اُٹھا سکتے تھے صلائے عام دی اور اُسی سال مسلمانوں کے مقابلہ کو آیا اور اُن کو ٹورس کے قریب پسپا کر دیا۔ دراصل ہم کو اِس لڑائی کے مفصل حالات معلوم نہیں ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مسلمان واپس ہو گئے اور پھر انہوں نے مغربی یورپ کے فتح کرنے کے لئے کوئی دوسری کوشش نہیں کی۔

پپن اور کارلومین

چارلس نے اپنی وفات سے قبل جو ۷۴۱ء میں ہوئی خواجہ سرا کے عہدہ پر اپنے دونوں بیٹوں پپن اور کارلومین کو نامزد کر دیا۔ دونوں بھائیوں نے برائے نام بادشاہ کو تخت پر رہنے دیا لیکن اُسے کوئی کام کرنے کے لئے نہیں تھا جیسا کہ مورخ کہتا ہے" بلکہ اُس کو اپنے آپ کو بادشاہ کہلائے جانے اور اپنے لمبے بال اور لمبی ڈاڑھی پر قانع ہونا پڑا۔ وہ تخت پر بیٹھتا تھا اور مصنوعی بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اُن سفیروں کو جو اطراف و جوانب سے آتے تھے اُنکی باتیں سنکر وہ جوابات دیتا تھا جنکی تعلیم اُس کو کر دی جاتی تھی گویا کہ وہ خود اپنی مرضی سے شاہی جوابات دے رہا ہے۔ دراصل وہ کچھ نہ تھا اور نام کا بادشاہ تھا اور اُسے بہت ہی قلیل تنخواہ ملتی تھی جو خواجہ سرا کی مرضی پر موقوف تھی"۔ نئے خواجہ سرا تمام مخالفت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دینے میں کامیاب ہوئے۔ اِس کے بعد کارلومین نے جس سے ہر شخص متحیر ہوا تخت چھوڑ دیا اور راہبانہ لباس زیب تن کیا۔ فرینک سلطنت کا تمام انتظام پپن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ہم فرینک تاریخ میں یہ معمولی تحریر دیکھتے ہیں کہ" تمام ملک میں دو برس تک امن و امان رہا" (۷۴۹ء

سنہ ۸۰۰ء تک)۔

پپن پوپ کی رضامندی سے خود تاج شاہانہ زیب سر کرتا ہے سنہ ۷۵۲ء

پپن نے اب اپنے آپ کو اس قدر طاقتور محسوس کیا کہ وہ برائے نام بادشاہ کو علیحدہ کر دے اور خود قوم فرینک کی برائے نام اور واقعی بادشاہت اختیار کر لے۔ لیکن بالکل معطل بادشاہ کو بھی تخت سے اتارنا ایک نازک مسئلہ تھا لیں اُس نے کلیسا کے سردار سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ پپن کے اس سوال کے جواب میں کہ آیا فرینک کے میروونگین بادشاہ کو جس کو کوئی طاقت حاصل نہیں سلطنت کرتے رہنا چاہیئے، پوپ نے لکھا کہ "یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ جس کو سلطنت میں طاقت حاصل ہو وہی بادشاہ بھی ہونا چاہیئے اور بادشاہ کہلایا جانا چاہیئے بہ نسبت اُس شخص کے جو غلط طور پر بادشاہ کہلاتا ہے۔"

یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ پوپ نے پپن کو کسی معنی میں بھی بادشاہ نہیں بنایا جیسا کہ آئندہ مصنفین نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے۔ اُس نے ایسے غصب کی منظوری دیدی جو عملی طور پر شدنی تھا اور جو قوم فرینک کی مرضی سے عمل میں آیا۔ اُمرا اور وزرا کی حفاظت میں ہو کر سینٹ بونی فیس سے سر پر تیل ملوا کر اور پوپ کی برکتیں حاصل کر کے پپن ۷۵۲ء میں کیرولنگین خاندان کا پہلا بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ خاندان پہلی چند نسلوں سے قوم فرینک پر عملی حکمراں تھا۔

بادشاہت کا نیا نظریہ

بادشاہت کے نظریہ میں پوپ کی شرکت سے ایک بڑی اصولی تبدیلی واقع ہوئی۔ اس وقت تک جرمنوں کے بادشاہ منتخب فوجی سرداروں میں سے ہوتے تھے یا لوگوں کی رضامندی یا کم از کم امرا کی خوشنودی مزاج سے بادشاہ رہتے تھے۔ اُن کا قانون الہامی نہ ہوتا تھا بلکہ راسے عامہ پر مبنی ہوتا تھا جو دیگر مدعیانِ تاج و تخت کی کوششوں کو بیکار کرنے کے لیے کافی حکمت اور بہر طور خونریزی سے حاصل کی جاتی تھی۔ پپن کی تخت نشینی قدیم یہودیوں کے طریقہ کے مطابق سر پر تیل ڈالنے سے ہوئی۔ پہلے یہ عمل سینٹ بونی فیس نے کیا بعد ازاں پوپ نے خود ایسا کیا جیسا کہ

گبن[1] نے لکھا ہے "ایک جرمن سردار خدا کا مقبول بادشاہ بن گیا"۔ پوپ نے خدا کی لعنت اُس شخص پر بھیجی جو پپن کی مقدس اور عمدہ نسل کی جگہ خود بادشاہ بننے یا بنانے کی کوشش کرے۔ بادشاہ کی اطاعت کرنا مذہبی فرض ہو گیا۔ جب اُس نے اُس کی منظوری حاصل کر لی تو کلیسا کی نظر میں پپن خدا کا خلیفہ فی الارض ہو گیا۔ آیندہ بادشاہوں کے اِس خیال کی بنیاد کہ "خدا کی رحمت سے ہم فلاں کام کرتے ہیں" یہاں پائی جاتی ہے۔ اُن کے خلاف خواہ وہ کیسے ہی بُرے ہوں بغاوت کرنا نہ صرف سیاسی جرم تھا بلکہ گناہ بھی تھا۔

پپن کے غصب کی منظوری سے جو پوپ نے دی، اُن خوشگوار تعلقات کا پتہ چلتا ہے جو مغرب کی دو بڑی سے بڑی طاقتوں یعنی مضبوط و مستحکم فرینک سلطنت کے سردار اور کلیسا کے سردار کے درمیان تھے، اِن خوشگوار تعلقات نے جلد اُس اتحاد کی صورت اختیار کر لی جو یورپ کی تاریخ میں اہمیت رکھتا ہے۔ اِس بات کو سمجھنے کے لئے ہم کو اُن تحریکات پر نظر ڈالنی چاہیئے جنہوں نے پوپ کو اپنے قدیم بادشاہوں یعنی قسطنطنیہ کے قیصروں کی اطاعت ترک کرنے اور پپن اور اُس کے جانشینوں کی استعانت حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

تصاویر اور مورتیوں کی تعظیم پر بحث جو بحثِ بت شکنی کے نام سے مشہور ہے۔

گریگری اعظم کی وفات کے بعد ایک صدی سے زائد عرصہ تک اُس کے جانشین، شہنشاہ کی محترم رعایا کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ ہمیشہ اُس کی امداد پر شمالی اٹلی کے لمبرڈوں کے خلاف بھروسہ کرتے رہے جو روما کو اپنے مقبوضات میں شامل کرنے کا منشا ظاہر کر رہے تھے۔ مگر ۷۲۵ء میں شہنشاہ لیو سوم نے یہ فرمان جاری کر کے کہ حضرت عیسیٰؑ اور اولیا کی مورتیوں کا احترام نہ کیا جائے، پوپ کو معاندانہ مخالفت کے لئے مجبور کیا۔ شہنشاہ ایک سمجھدار عیسائی تھا اور مسلمانوں کے اِن طعنوں کو نہیں برداشت کر سکتا تھا کہ عیسائی

---

[1] گبن مشہور انگریزی مورخ ہے جس نے سلطنتِ روما کے زوال کی تاریخ لکھی ہے (مترجم)۔

بت پرستوں کی مانند ہیں اور ہم تمام مورتیوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ لہذا اُس نے حکم دیا کہ تمام مقدس مورتیاں اُس کی سلطنت کے اندر گرجاؤں سے علیحدہ کردی جائیں اور گرجاؤں کی دیواروں کی تصاویر پر سفیدی کرادی جائے۔ اِس فرمان نے قسطنطنیہ میں بھی سخت مخالفت پیدا کردی اور جسقدر دور مغرب کی طرف کوئی جاتا وہ دیکھتا کہ اُسی قدر زیادہ مخالفت اِس حکم کی کیجاتی تھی۔ پوپ نے فرمان کی تعمیل سے انکار کردیا کیونکہ اُس نے کہا کہ شہنشاہ کو اُن رسوم میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے جنکو کلیسا نے مقدس کردیا ہے۔ اُس نے ایک کونسل منعقد کی جس نے اُن تمام اشخاص کو عیسائیت سے خارج کردیا جو مقدس مورتیوں کو پھینکیں، تباہ و برباد کریں، اُن کی بے حرمتی کریں یا اُن کو بُرا بھلا کہیں" مغرب کی مخالفت کامیاب ہوئی اور مورتیاں بدستور اپنی جگہ پر رہیں۔[1]

پوپ اور قوم لمبرڈ

اُس نفرت کے باوجود جو پوپوں کو بت شکن لیو اور اُس کے جانشینوں سے ہوگئی تھی وہ کبھی اِس بات سے مایوس نہیں ہوئے کہ شہنشاہ لمبرڈوں کو روما سے دور رکھنے کے لئے اُن کی مدد نہ کرے گا۔ آخر کار قوم لمبرڈ کا فرماں روا ایک شخص ایس ٹلف ہوگیا جو "ولد الزنا" تھا اُس نے کلیسا کے سردار کی دھمکیوں یا منت سماجت پر مطلق توجہ نہ کی۔ ۷۵۱ء میں ایس ٹلف نے ریوینا پر قبضہ کرلیا اور روما پر چڑھائی کی دھمکی دی۔ اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ مشرقی شہنشاہ کے بجائے خود اُس کا اقتدار قائم کیا جائے اور اٹلی کو جس کا دار الحکومت روما ہو ایک علیحدہ سلطنت بنادی جائے۔ یہ وقت جزیرہ نمائے اٹلی کے لئے نازک تھا۔ کیا اٹلی گال کی طرح قوم جرمن کی ایک علیحدہ سلطنت ہونے والی تھی اور جیسا کہ فرانس نے کیا ہے ایک مخصوص تہذیب کو ترقی دیتی؟ لمبرڈوں نے اتنی ترقی کرلی تھی کہ وہ ایک ایسی سلطنت کا جو بعد ازاں ایک قوم ہوجاتی انتظام

---

[1] ابتدائی مذہب پروٹسٹنٹ کی بڑی خصوصیت آٹھ سو سال بعد یہی تھی کہ اُس نے مورتیوں اور تصاویر پر جو جرمنی، انگلستان، بلجیم اور ہالینڈ کی گرجاؤں کی زیب و زینت تھیں لیو کے حملہ کو از سر نو زندہ کیا۔ (مصنف)

کر سکتے تھے۔ لیکن کلیسا کا سردار اپنی آزادی کو اٹلی کے بادشاہ کی رعایا بن کر مخاطرہ میں ڈالنے پر راضی نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا یہ پوپ ہی تھا جس نے سلطنت اٹلی کے قیام کو اس موقع پر روکا اور جس نے اسی بنا پر اٹلی کے متحد ہونے کے رستہ میں ایک ہزار برس سے زائد عرصہ تک روڑے اٹکائے۔ یہانتک کہ آخرکار وکٹر ایمونیل نے کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا پوپ کو اس کے مقبوضات سے برطرف کر دیا۔ اپنے قدرتی محافظ شہنشاہ سے اپنی مصیبت میں بیفائدہ التجا کرنے کے بعد پوپ کو اس کے سوا کچھ بن نہ پڑا کہ وہ پپن سے امداد کا خواہاں ہو جس کی وفاداری پر اس کو اعتماد کرنے کی ہر ایک وجہ تھی۔ چنانچہ وہ کوہ ایلپس کو عبور کر کے پہنچا اور فرینک بادشاہ نے اس کا نہایت عزت اور احترام سے استقبال کیا جو اس کے ہمراہ اٹلی کو آیا اور روما کو ۷۵۴ء میں مصیبت سے نجات دی۔

پوپ قوم فرینک سے امداد کا خواہاں ہوتا ہے

پپن نے مشکل سے کوہ ایلپس کو عبور کیا تھا کہ لمبرڈوں کے بادشاہ نے جو روما کو اپنے مقبوضات میں شامل کرنے کا بہت شایق تھا پھر "ابدی شہر" کا محاصرہ کیا پوپ اسٹیفنس کے خطوط اس نازک وقت پر قوم فرینک کے بادشاہ کے نام اس زمانہ کی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ پوپ نہایت زور سے لکھتا ہے کہ پپن کی تمام کامیابیاں سینٹ پیٹر کی بدولت ہیں اور اب اس کو اس کے جانشین کی گلوخلاصی کے لئے جلد آنا چاہیئے۔ اگر بادشاہ حواریوں کے شہزادہ کے شہر کو قوم لمبرڈ سے تباہ و برباد ہونے دیگا تو اس کی خود روح کو دوزخ میں شیطان اور اس کے تباہ کن نابین تکلیف و ایذا پہنچائیں گے۔ یہ وجوہ مؤثر ثابت ہوئیں۔ پپن نے فوراً دوسرے سفر اٹلی کی تیاری کی اور وہاں سے اس وقت تک واپس نہ گیا جبتک قوم لمبرڈ کی سلطنت خود اس کی باجگزار نہ بن گئی جس طرح بویریا اور اٹلی پپن پیشتر سے تھیں۔

پپن قوم لمبرڈ کو اپنا محکوم بناتا ہے

پپن نے بجائے اس کے کہ وہ ان اراضیات کو جنہیں قوم لمبرڈ حال میں قابض ہو گئی تھی مشرقی شہنشاہ کو واپس کرے ان کو پوپ کے حوالہ کر دیا لیکن شرائط پر یہ عطیہ ٹھیک معلوم نہیں کیونکہ حوالگی کی دستاویز کا پتہ نہیں چلتا۔ ان اہم اضافوں کی وجہ سے جو سینٹ پیٹر کی پہلی ملکیتوں

پپن کا عطیہ

میں ہوئے، پوپ بعد ازاں وسط اٹلی کے ایک بڑے ضلع کا برائے نام فرمانروا ہوگیا جو جزیرہ نما میں ریوینا سے روما کے ایک جنوبی مقام تک پھیلا ہوا تھا۔ اگر پپن نے جیسا کہ بہت سے مصنفین کا خیال ہے پوپ کو اس ضلع کا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا تو یہ وہ پہلی سلطنت تھی جس کی قسمت میں یورپ کے نقشہ پر انیسویں صدی تک قائم رہنا لکھا تھا۔ ۱۸۶۰ء کے نقشۂ اٹلی میں بھی اس مملکت کو "کلیسائی ریاست" دکھلایا گیا ہے۔

پپن کے عہد کی اہمیت | پپن کا عہد کئی اعتبار سے قابلِ یادگار ہے۔ اس عہد میں فرینک سلطنت کی شاہی طاقت مستحکم ہوئی جو جلد مغربی یورپ کے زیادہ حصہ کو اپنے زیرِ فرماں کرنے والی تھی اور موجودہ ممالکِ فرانس، جرمنی اور آسٹریا کی ترقی کے لئے ایک زینہ بنانے والی تھی۔ اس عہد میں اٹلی کے معاملات میں ایک شمالی شہزادہ کی مداخلت کی پہلی مثال قائم ہوئی جو آئندہ فرانسیسی اور جرمن بادشاہوں کے لئے سدِ راہ ثابت ہوئی۔ آخری بات اس عہد کی یہ ہے کہ اب پوپ بھی ایک علیحدہ سلطنت کا مالک ہوگیا جو اپنے مختصر رقبہ کے باوجود یورپ کی نہایت اہم اور مستقل سلطنت ثابت ہوئی۔

پپن اور اُس کے بیٹے شارلمین نے پوپ کی منظوری کو جو اُن کے خطابِ شاہی کے لئے دی گئی اپنے لئے مفید سمجھا اور اُس کے مضر نتائج پر غور نہ کیا۔ تاہم یہ بالکل سچ ہے جیسا کہ گبن کہتا ہے کہ "سینٹ پیٹر کی پادریانہ سلطنت کے ماتحت، قومیں دریائے ٹائبر کے کناروں پر اپنے بادشاہوں، اپنے قوانین اور اپنی قسمت کے فیصلوں کو تلاش کرنے کی عادی ہوگئیں"۔ آگے چل کر ہمیں اس مقولہ کا کافی ثبوت ملے گا۔

شارلمین

شارلمین جرمن اقوام کا سب سے پہلا تاریخی شخص ہے جس کا حال ہم کو قابلِ اطمینان طریقہ پر معلوم ہے۔ اگر اُس سے مقابلہ کیا جائے تو تھیوڈرک، چارلس مارٹل، پپن اور دیگر بقیہ اشخاص اُس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اُن کے کارناموں کے بعض حالات کا پتہ تاریخ سے ضرور ملتا ہے لیکن اُن کے مزاج اور طرزِ عمل کے بارہ میں ہم کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے۔

شارلمین کا حلیہ شارلمین کا حلیہ جیسا کہ اُس کے وزیر نے بیان کیا ہے بادشاہ کے طرزِ عمل کے اس قدر مطابق ہے جو اُس نے اپنے عہدِ ہمایوں میں ظاہر کیا کہ ہم کو ضرور اُس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ وہ طویل اور قد آور آدمی تھا۔ اُس کا چہرہ گول تھا، اُس کی آنکھیں بڑی بڑی اور چمکدار تھیں۔ اُس کی ناک معمول سے کسی قدر زیادہ بڑی تھی۔ اُس کا لہجہ صاف اور خوشگوار تھا۔ خواہ وہ بیٹھا ہو یا کھڑا ہو اُس کی صورت بارعب تھی کیونکہ تناسبِ اعضا اور اُس کے بدن کی خوبصورتی کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اُس کی گردن کسی قدر چھوٹی اور اُس کا جسم ضرورت سے زائد مضبوط تھا۔ اُس کا قدم بھاری پڑتا تھا اور اُس کی شکل مردانہ تھی۔ اُس کی آواز صاف تھی لیکن اس جسامت کے لحاظ سے کسی قدر کمزور تھی۔ وہ تمام جسمانی ورزشوں میں مشاق تھا، گھوڑے کی سواری اور شکار کا شائق تھا اور ایک ماہر تیراک تھا۔ اُس کی عمدہ صحت اور اُس کی جسمانی چستی اور تکلیف کی برداشت ہی سے اُس تعجب خیز چالاکی کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے جس سے وہ اپنی وسیع سلطنت میں دورہ کرتا تھا۔

اور نہایت دور دراز مقامات میں کثیر التعداد لڑائیاں لڑتا تھا جو حیرت انگیز طریقے پر یکے بعد دیگرے ہوتی رہتی تھیں۔

اُس کی تعلیم اُس کی توجہ علم کی طرف اور اُس کی دلچسپی رفاہ عام کے کاموں میں

شارلمین ایک تعلیم یافتہ شخص تھا اور وہ جانتا تھا کہ علم کی ترقی اور عالموں کی قدردانی کس طرح کی جاسکتی ہے۔ وہ کھانا کھانے کے وقت کوئی نہ کوئی کتاب سنتا تھا۔ اُس کو تاریخ سے بہت دلچسپی تھی اور سینٹ آگسٹائن کی کتاب موسوم بہ "خدا کا شہر" بہت پسند تھی۔ وہ لاطینی اچھی طرح بول سکتا تھا اور یونانی کو آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ اُسے لکھنا آجائے لیکن اُس نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں لکھنا شروع کیا اور اس لئے اپنے دستخط کرنے کے سوا وہ کچھ اور نہ سیکھ سکا۔ اُس نے عالموں کو اپنے دربار میں بلایا۔ اُن کی علمیت سے فائدہ اُٹھایا اور سررشتۂ تعلیم کے دوبارہ اجرا میں بہت کوشش کی۔ وہ عمارات اور دیگر رفاہ عام کے کاموں میں ہمیشہ مصروف رہتا تھا جن سے اُس کی سلطنت کی زیب و زینت بھی تھی اور فائدہ بھی تھا۔ اُس نے مشہور بڑی گرجا بمقام ایکسلاشیپل کا خود نقشہ تجویز کیا اور اُس کی تکمیل و آرائش میں نہایت دلچسپی ظاہر کی۔ اُس نے دو شاہی قصر تعمیر کرانے شروع کئے جو نہایت عمدگی اور کاریگری کے ساتھ بنائے گئے۔ ایک مے ینس کے قریب اور دوسرا بمقام نِم وی جن ملک ہالینڈ میں تعمیر ہوا اور مے ینس پر دریائے رہائن کا ایک طویل پل بنوایا۔

قصے اور کہانیوں کا شارلمین

النسانوں کے دماغ پر جو گہرا اثر اُس کی سلطنت نے ڈالا اُس کی وفات کے بعد وہ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ وہ اُن تمام قصے کہانیوں کا سورما بن گیا جو خلاف تاریخ کارناموں اور مہمات سے پُر ہیں اور جن کا نہایت وثوق کے ساتھ صدیوں تک اُس کے نہایت معتبر کاموں میں شمار ہوتا رہا۔ سینٹ گال کی خانقاہ کے ایک کہن سال راہب کے خیال میں جس نے شارلمین کے حالات اُس کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لکھے ہیں قوم فرنیک کے بادشاہ نے تمام یورپ کو اپنی کثیر التعداد افواج سے جو درخشندہ

اسلحہ کا ایک بحرِ ذخار معلوم ہوتی تھیں فتح کر ڈالا تھا۔ اُس کے درباری امرا مافوق طاقت رکھتے تھے چنانچہ وہ آئندہ صدیوں کے لیے نمونۂ شجاعت وجوانمردی قرار دے گئے۔ قرونِ وسطیٰ کی تمام نظموں کی کتابوں میں شارلمین کا حال پایا جاتا ہے اگرچہ صحیح واقعات کو بہت توڑ مروڑ کر لکھا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ شاندار ضرور ہے۔

شارلمین کے عہد کے مطالعہ سے ہم پر جو پہلا اثر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ واقعی قابلِ الذکر شخص تھا۔ دنیا کی تاریخ میں بڑے لوگوں میں سے تھا اور استحقاقاً قرونِ وسطیٰ کا سورما تھا۔ یورپ کی ترقی کی شاہراہ پر جس قدر گہرا اثر اُس نے ڈالا ہے کسی دوسرے شخص سے ممکن نہیں ہوا۔ ہم اُس کا ذکر پہلے فاتح، پھر منتظم اور حکومت کے مختلف شعبوں کے موجد اور بالآخر علم و شائستگی کے مربی کی حیثیت سے کریں گے۔

شارلمین کا خیال ایک بڑی عیسائی سلطنت کے قیام کے بارہ میں

شارلمین کا منتہائے خیال تمام جرمن اقوام کو متحد کر کے ایک بڑی عیسائی سلطنت قائم کرنا تھا اور وہ اپنے اس مقصد کے حصول میں حیرت انگیز طریقہ پر کامیاب ہوا۔ پپن کی سلطنت میں اُس ملک کا صرف ایک مختصر حصّہ جس کو اب جرمنی کہتے ہیں شامل تھا۔ فریسیا اور بویریا نے مذہب عیسوی قبول کر لیا تھا اور اُن کے دیسی فرمانروا شارلمین کے پیشرووں کی کوششوں اور مبلغین کی سعی سے خصوصاً بونی فیس کی کوشش سے قوم فرینک کی فوقیت اور برتری باقاعدہ تسلیم کرنے لگے تھے۔ ان دونوں نیم خودمختار ملکوں کے درمیان غیر مفتوح قوم سیکسنس رہتی تھی۔ وہ ابتک قدیم مذہب کے پیرو تھے اور ابتک انہیں باتوں اور رسم ورواج کے پابند تھے جو رومی مورخ ٹےسی ٹس نے سات صدی پیشتر ان لوگوں میں دیکھے تھے۔

قوم سیکسنس کو فتح کرنا

سیکسنس اُس حصّہ ملک میں آباد تھے جو کسی قدر رائن کے مشرق میں دریائے ایلب تک اور شمال کی جانب اُس حد تک جہاں برمین اور ہیمبرگ کے بڑے شہر اب آباد ہیں چلا گیا ہے سیکسنی کی موجودہ سلطنت مشکل سے ان حدود کے اندر آسکتی ہے

سیکسنس کے یہاں نہ شہر تھے اور نہ سڑکیں تھیں لہذا اُن کو مغلوب کرنا نہایت مشکل تھا۔ کیونکہ وہ اپنے مختصر سامان کو لے کر فوراً جنگلوں اور دلدلوں کی طرف پسپا ہو سکتے تھے جب وہ کسی حملہ آور کا مقابلہ میدان میں نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اُن کو جبتک مغلوب نہ کیا گیا وہ برابر فرنیک سلطنت کے لئے ایک خطرہ ثابت ہوتے رہے لہذا اُن کے ملک کو فرنیک سلطنت کی حدود درست کرنے کے لئے شامل کرنا ضرور تھا۔ شارلمین نے اپنی سپاہیانہ زندگی میں کوئی دوسرا کام اس قدر بددلی سے نہیں کیا جبقدر کہ سیک سنس کو مغلوب کرنا اور اسی وجہ سے اُس کی توجہ برسوں تک ادھر منعطف رہی۔ متواتر نئی بغاوتوں کو فرو کرنا پڑا اور آخر کار کلیسا کی بدولت نہ کہ شارلمین کی سپاہ کی شجاعت سے یہ عظیم نیک کام انجام کو پہنچا۔

سیک سنس کا عیسائی ہونا

کسی جگہ ہم کو کلیسا کے اقتدار کی اس سے بہتر مثال نہیں ملتی جیسی کہ شارلمین کے اُس کامل اعتماد سے جو اُس نے سیک سنس کے ساتھ برتاؤ کرنے میں کلیسا پر ظاہر کیا۔ کسی قوم کی بغاوت کے بعد اُس نے باغیوں سے کلیسا کا احترام کرانا اور اُن کا اصطباغ لینا اتنا ہی ضروری خیال کیا جتنا کہ اُن کا وفادار اور اطاعت گزار باجگزار ہونا۔ وہ ایسے اور گرجائیں بنانے میں ایسا ہی مصروف تھا جیسا کہ وہ قلعوں کے بنانے میں تھا۔ نو مفتوحہ سیکسنس کی مملکت کے لئے جو قانون اُس نے ۷۷۵ء اور ۷۹۰ء کے درمیان جاری کیا اُس میں "اُس شخص کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی تھی جو اپنے مالک بادشاہ کے خلاف بغاوت کرے یا اصطباغ لینے سے اپنے آپ کو مخفی رکھے یا انکار کرے یا اپنے قدیم مذہب پر رہنا چاہے۔" شارلمین نے سیک سنس کے عیسائی ہونے کو ایسا ضروری فرض منصبی سمجھا کہ اُس نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو شخص گرجا میں زبردستی داخل ہوگا یا کوئی چیز وہاں سے بے جبر لے جائے گا یا چالیس روزوں کے زمانہ میں گوشت کھانے سے پرہیز نہیں کرے گا اُس کو سزائے موت دیجائیگی۔ کوئی شخص قدیم مذہب کے طریقہ پر درختوں یا چشموں پر عہد و پیمان نہیں کر سکتا تھا اور نہ دیوتاؤں کی قدیم دعوتوں میں شریک ہو سکتا تھا (کیونکہ عیسائی قدیم مذہب کے دیوتاؤں کو شیاطین کہتے تھے)

اور نہ اپنے بچوں کو اصطباغ کے لئے پیش کرنے سے باز رہ سکتا تھا بشرطیکہ وہ ایک سال کے ہوگئے ہوں ورنہ اُس کو سخت جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

مقامی گرجاؤں کی امداد کے لئے اُن کے ہمسایوں کو تین سو ایکڑ زمین اور پادری کے لئے ایک مکان مہیا کرنا پڑتا تھا۔

"خدا کے حکم کے بموجب ہم بھی حکم دیتے ہیں کہ سب لوگ اپنی جائداد اور آمدنی کا دسواں حصّہ گرجاؤں اور پادریوں کو دیا کریں۔ تمام امرا اور آزاد اشخاص اور کاشتکاروں کو اپنی آمدنی کے بقدر جو ہر عیسائی کو اللہ تعالیٰ نے عنایت کی ہے ایک حصّہ خدا کو واپس دینا چاہئے۔"

کلیسا اور حکومت کا باہم متفق ہو کر کام کرنا

یہ احکام قرونِ وسطیٰ کے اس نظریہ کی خصوصیات ہیں کہ بادشاہ کی حکومت اور کلیسا دونوں لوگوں پر حکومت کرنے کے لئے متحد رہنی چاہئیں۔ کلیسا سے بے پروائی کرنے کو سلطنت اسی قدر بڑا جرم سمجھتی تھی جس قدر کہ بغاوت کو۔ اگرچہ دونوں شعبوں کے دعاوی میں بعض اوقات اختلاف ہو جاتا تھا لیکن بادشاہ کے افسروں یا پادریوں کے دماغ میں یہ سوال کبھی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ دینی یا دنیاوی حکومتیں دونوں لابد ہیں یا نہیں۔ کوئی طبقہ کبھی خیال نہیں کرتا تھا کہ ایک کا کام دوسرے کی مدد کے بغیر چل سکتا ہے۔

شمالی جرمنی میں شہروں کی بنیادیں پڑنا

فرنیک فتح سے قبل سیک سنس کے یہاں شہر نہ تھے۔ البتہ پادری کے مقام کے گرد یا خانقاہ کے ادھر اُدھر لوگ جمع ہونا شروع ہوئے اور قصبات اور شہر آباد ہونے لگے۔ ان میں سے خاص شہر برمین تھا جو اب تک جرمنی کے نہایت مشہور بندرگاہوں میں سے ہے۔

فنا رلین قوم کا مسبرڈیٹما بادشاہ بنتا ہے

یہ آپ کو یاد ہوگا کہ پین نے پوپ سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اُس کی حفاظت اُس کے دشمنوں کے مقابلہ میں کرتا رہیگا۔ قوم ظہیر ڈ کے بادشاہ نے فنا رلین کی ظاہری مصروفیت سے جو اُس کو جرمن معاملات میں تھی فائدہ اُٹھانا

چاہا اور شہر روما پر پھر حملہ کر دیا۔ شارلمین نے پوپ کی فوری امداد طلب کی جس نے اپنے باپ کے وعدوں کی تکمیل کے لیے تیاری کی۔ اُس نے لمبرڈوں کے فرمانروا کو حکم دیا کہ جو شہر اُس نے پوپ سے لے لیے تھے وہ اُن کو پوپ کے حوالہ کر دے۔ اُس کے انکار کرنے پر شارلمین نے ۷۷۳ء میں ایک بڑی جمعیت کے ساتھ لمبرڈی پر حملہ کیا اور مقام پیویا پر جو دارالسلطنت تھا ایک بڑے محاصرہ کے بعد قابض ہو گیا۔ قوم لمبرڈ کا بادشاہ راہب ہونے کے لیے مجبور کیا گیا اور اُس کا خزانہ فرینک سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا۔ بعد ازاں شارلمین نے نہایت ضروری کام یہ کیا کہ ۷۷۴ء میں اُس نے اپنے آپ کو تمام لمبرڈ وزرا اور امراء سے قوم لمبرڈ کا بادشاہ منوالیا۔

اٹلی ٹین اور بویریا شارلمین کی سلطنت کا جزو بن گئے

اٹلی ٹین اور بویریا کے بڑے صوبے فرینک سلطنت کے اب تک کبھی جزو لاینفک نہیں بنے تھے بلکہ اپنے اپنے دلیسی امرا کے ماتحت شارلمین کے وقت تک نیم خود مختار رہتے تھے۔ اٹلی ٹین جس کے امرا نے پپن کو بہت دق اور پریشان کیا تھا ۷۶۹ء میں فرینک سلطنت سے ملحق کر دیا گیا۔ بویریا کی نسبت شارلمین نے خیال کیا کہ جب تک وہ اپنے امیر کے ماتحت رہے گا، فرینک سلطنت کی حفاظت کیلئے قوم سلاف کے حملوں کے خلاف، جو سرحدوں پر برابر حملے کرتے رہتے تھے اُس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ پس اُس نے بویریا کے امیر کو مجبور کیا کہ وہ اپنے مقبوضات کو اُس کے حوالہ کر دے اور اپنے آپ کو ایک خانقاہ میں بند کرلے۔ اس کے بعد اُس نے اس ریاست کو اپنے امرا میں تقسیم کر دیا۔ اُس نے اسطرح اپنی سلطنت میں وہ ضلع بھی شامل کر لیا جو اُس کے نو مفتوحہ سیکسنوں اور لمبرڈوں کی سلطنت کے درمیان حائل تھا۔

شارلمین کی خارجی حکمت عملی

ابتک ہم نے شارلمین کے اُن تعلقات کا ذکر کیا ہے جو اُس کے اور جرمنوں کے مابین تھے کیونکہ لمبرڈوں کی سلطنت بھی جرمنوں ہی نے قائم کی تھی۔ مگر اُس کو دوسرے لوگوں سے بھی سالقہ پڑا خصوصاً سلاف سے جو جانب مشرق آباد تھے اور جو ایک

دِن پولینڈ، بوہیمیا اور وسیع روسی سلطنت کو قائم کرنیوالے تھے اور سلطنت کی دوسری سرحد پر عربوں سے جو اسپین میں تھے۔ اِن لوگوں کے خلاف سلطنت کی حفاظت کرنا ضروری تھا اور شارلمین کے عہدِ حکومت کا آخری حصّہ اسی امر میں صرف ہوا جسکو ہم اُس کی خارجی حکمت عملی کہہ سکتے ہیں۔ صرف ایک لڑائی جو ۸۰۵ء میں ہوئی قوم سلاف کو مطیع کرنے میں جو سیکسنی کے شمال ومغرب میں رہتے تھے اور بوہیمیوں سے فرینک بادشاہ کی برتری منوانے اور اُسے خراج ادا کرنے میں کافی ثابت ہوئی۔

مارچز اور مارگریوز | فرینک سلطنت کی حفاظت کی ضرورت نے جو اِن غیر جرمن قوموں کی ترقی سے کسی وقت مخاطرہ میں پڑ سکتی تھی، سلطنت کی سرحدوں پر مارچز[1] کے قیام کی ترغیب دی یعنی وہ اضلاع جو مارچ یا مارگریو کے فوجی امراء کے ماتحت رہیں۔ اُن کا یہ کام تھا کہ سلطنت کے اندر مخالفانہ حملوں کو روکیں۔ اِن لوگوں کی قابلیت پر اِس امر کا بہت کچھ انحصار تھا لیکن اکثر صورتوں میں انہوں نے طاقتور خاندان قائم کر لیئے اور بعد ازاں سلطنت کی طوائف الملوکی میں اپنے آپ کو بالکل خود مختار فرمانروا بنا کر مدد دی۔

شارلمین اسپین میں | ایک مجلس میں جو شارلمین نے ۷۷۷ء میں منعقد کی بعض سفیر اُن مسلمانوں کی جانب سے بھی اُس کی خدمت میں پیش ہوئے جو امیر قرطبہ[1] کے خلاف تھے۔ اور شارلمین کی وفادار رعایا بننے کے لئے تیار تھے بشرطیکہ وہ اُن کی امداد کے قصد سے وہاں جائے پس اُس نے اگلے سال اسپین کی مہم کا قصد کیا۔ فرینک نے چند سال کی جنگ کے بعد دریائے ایبرو کا شمالی علاقہ فتح کر لیا اور شارلمین نے اسپین کا مارچ[2] قائم کر دیا۔ اِس طریقہ سے اُس نے

---

[1] مسلمانوں کی سلطنت کا شیرازہ آٹھویں صدی میں منتشر ہو گیا تھا اور فرمانروائے اسپین نے سب سے پہلے خطاب امیر المومنین تقریباً ۷۵۶ء میں اختیار کیا اور بعد ازاں ۹۲۹ء میں خلیفہ کا خطاب اختیار کیا۔ دراصل اِس خطاب سے تمام عرب سلطنت کا سردار مخاطب ہوتا تھا جس کا دار الحکومت پہلے دمشق میں اور بعد ازاں بغداد میں ہو گیا تھا۔ مؤلف۔

[2] یعنی سلطنت کا حفاظتی ضلع۔ مترجم۔

مسلمانوں کا جزیرہ نما سے بتدریج اخراج شروع کر دیا جو رفتہ رفتہ فتوحات کو وسعت دیتے دیتے ۱۴۹۲ء میں تکمیل کو پہنچا جب غرناطہ جو مسلمانوں کا آخری قلعہ تھا فتح ہو گیا۔

شارلمین کو پوپ نے شہنشاہی کا تاج پہنایا | لیکن شارلمین کے تمام کاموں میں سب سے زیادہ مشہور اُس کا مغربی سلطنت کو سنہ ۸۰۰ء میں دوبارہ قائم کرنا ہے۔ یہ اس طرح وقوع میں آیا۔ شارلمین اُس سال روما کو پوپ لیئو سوم اور اُس کے دشمنوں کی ایک بحث طلب بات کو طے کرنے گیا تھا نزاع کا قابلِ اطمینان فیصلہ ہونے پر پوپ نے اس خوشی میں بڑے دن کو سینٹ پیٹر کی گرجا میں نماز پڑھائی۔ جب شارلمین قربان گاہ کے سامنے اس نماز کے درمیان جھک رہا تھا تو پوپ اُس کے قریب آیا اور اُس کے سر پر ایک تاج رکھدیا۔ اور اُسے حاضرین کے نعرہ ہائے خوشی میں "رومیوں کے شہنشاہ" کی حیثیت سے سلام کیا۔

شارلمین خطابِ شہنشاہی کا مستحق تھا | اس غیر معمولی کارروائی نے جس کی وجہ کو شارلمین نے بعدازاں متواتر دہرایا اُس کو متحیر کر دیا۔ وہ فرینک تاریخ موسومہ لارش کی تاریخ میں حسب ذیل طور پر مندرج ہیں:۔

"یونانیوں میں شہنشاہ کا لقب ختم ہو گیا تھا کیونکہ وہ ایک عورت (آئی رین) کے زیرِ فرماں رہتے تھے۔ لہذا لیئو کو جو حواری کا بنایا ہوا پوپ تھا اور مقدس باپوں کو جو لاٹ پادری تھے اور اُس کے مشیر تھے اور نیز تمام عیسائیوں کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ وہ شارلمین کو جو فرینک بادشاہ تھا شہنشاہ کے لقب سے ملقب کریں۔ کیونکہ وہ خود روما پر قابض تھا جہاں قدیم شہنشاہ یا قیصر ہمیشہ رہتے تھے۔ علاوہ ازیں اُس کے مقبوضات میں اٹلی، گال اور جرمنی بھی شامل تھے لہذا خدا نے چونکہ اُسے یہ تمام مملکتیں عطا فرمائی تھیں، سب لوگوں کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ وہ شہنشاہی کا خطاب بھی منظور کرلے جبکہ یہ خطاب تمام عیسائی دنیا کی خواہش پر اُسے پیش کیا گیا تھا۔"

شارلمین نے بہت شان اور خوبصورتی کے ساتھ اس عزت کو جو اُسے بجبر دی جا رہی

بھی منظور کر لیا۔ اگر شہنشاہی کے خطاب کا اُسے حق بھی ہوتا تو ان حالات کے ہوتے ہوئے ایسا کرنے میں ایک قسم کی عمدگی اور ضرورت بھی تھی۔ پوپ کی تاجپوشی سے قبل وہ صرف فرینک اور لمبرڈوں کا بادشاہ تھا لیکن اُس کی فتوحات نے اُس کو ایک ہمہ گیر خطاب کا مستحق بنا دیا تھا جو اُس کی تمام بیرونی ریاستوں کے لئے بھی موزوں ہو۔ نیز مغربی کلیسا کے نقطۂ خیال سے اُسوقت سے جب سے کہ شہنشاہ لیئو نے اپنا فرمان مورتیوں کی تحریم کے خلاف جاری کیا تھا، قسطنطنیہ کے شہنشاہ کی طاقت کافروں کے ہاتھوں میں تھی۔ اِس سے بھی بڑھکر یہ زیادہ خراب بات تھی کہ تخت پر شارلمین کی تاجپوشی سے کچھ ہی پہلے ایک غاصب بیٹھا تھا۔ وہ غاصب بد ذات آئی رین تھی جس نے اپنے بیٹے قسطنطین ششم کو تخت سے اُتار دیا تھا اور اندھا کر دیا تھا۔ لہذا شارلمین کی تاجپوشی محض مغرب کی حقیقی سیاسی حالتوں کو تسلیم کرنا تھا۔

رومی سلطنت کا تسلسل اب مغرب میں جو سلطنت دوبارہ قائم کی گئی وہ اُس رومی سلطنت کے سلسلہ میں شمار کی جاتی ہے جس کی بنیاد آگسٹس نے رکھی تھی۔ شارلمین کو قسطنطین ششم کا جس کو آئی رین نے تخت سے اُتار دیا تھا فوری جانشین سمجھا گیا۔ تاہم اِس مفروضہ تسلسل کی بجائے یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ نئے شہنشاہ کا عہد مارکس آریلیس یا قسطنطین کے عہد سے کچھ بھی مشابہت نہ رکھتا تھا۔ اوّل تو یہ کہ مشرقی شہنشاہ صدیوں تک قسطنطنیہ میں حکمرانی کرتے رہے بلا لحاظ اِس امر کے کہ شارلمین اور اُس کے جانشین کون ہیں۔ دوئم یہ کہ جرمن بادشاہ جنہوں نے تاج شہنشاہی شارلمین کے بعد پہنا وہ عام طور پر جرمنی اور شمالی اٹلی پر حکمرانی کرنے کے لئے بھی کافی طاقتور نہ تھے بقیہ مغربی یورپ کا تو کیا ذکر۔ تاہم مغربی سلطنت جو بارھویں صدی میں مقدس رومی سلطنت کے نام سے موسوم ہوئی ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک قائم رہی۔

خطاب شہنشاہی جرمن حکمرانوں کے لئے ایک مصیبت ثابت ہوا خطاب شہنشاہی کا اختیار کرنا جرمن حکمرانوں کے لئے مصیبتوں کا سامنا تھا۔ اِس خطاب کی وجہ سے انہیں متواتر یہ بیکار کوشش کرنی پڑی کہ وہ اٹلی پر جو اُن کی قدرتی حدود کے باہر تھی اپنا اقتدار قائم رکھیں۔ علاوہ ازیں ان

حالات تے جنھوں نے شارلمین کو تاج شہنشاہی قبول کرایا پوپوں کو بھی یہ دعویٰ کرنے کا استحقاق دیدیا کہ انھوں نے شہنشاہی طاقت کو قدیم شرقی شہنشاہوں کے خاندان سے کیرولنگین خاندان میں منتقل کردی اور یہ اُن کے اِس حق کا کہ جسکو وہ چاہیں شہنشاہ بنادیں ثبوت ہے۔ اِن مشکلات سے جو اِس سے پیدا ہوئیں شہنشاہوں کو بہت سے جی اکتا نیوالے سفر روما کے لئے کرنے پڑے اور بہت سے ناملائم جھگڑے عیسائی دنیا کے دنیادی اور دینی سرداروں میں پیدا ہو گئے۔

شارلمین کا طرز حکومت | اِس وسیع اور مختلف الحال سلطنت پر حکومت کرنے کا کام اِس قدر مشکل تھا کہ اُن تھک اور نہایت ہوشیار شارلمین پر بھی اِس کا اثر پڑا۔ یہ کام اُس کے جانشینوں کے بوتہ کا نہ تھا۔ وہی دقتیں پیش آئیں جن سے چارلس مارٹل اور پپن کو سابقہ پڑا تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ شاہی مالگزاری کم تھی اور افسران نہایت طاقتور تھے جو اپنے بادشاہ کے احکام اور مفاد کی پروا نہ کرتے تھے۔ شارلمین کا مشہور تدبر اتنا اور کسی بات سے واضح نہیں ہوتا جتنا کہ اُن آئین سے جو اُس نے اپنی سلطنت کے دور دراز مقامات تک اپنے قبضہ کو وسیع اور قائم رکھنے کے لیۓ وضع کیۓ تھے۔

شارلمین کے مزرعے | قرونِ وسطیٰ کے دیگر فرمانرواؤں کی طرح اُس کی آمدنی کا ذریعہ اُس کی شاہی جائداد تھی کیونکہ وہ عام ٹیکس رائج نہ تھا جو رومی سلطنت کے زمانہ میں تھا۔ لہٰذا وہ غور اور دیکھ بھال کے ساتھ اپنے کثیر التعداد مزرعوں کو کاشت کراتا تھا اور وہ ایک مولی یا ایک انڈے سے بھی جو اُس کا حق تھا محروم نہ رہتا تھا۔ اُس کے کھیتوں کے قواعد ابتک محفوظ ہیں جو اُس کے زمانہ کی حالت پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

امراء کے خطابات کی اصلیت | وہ افسران جن پر فرینک بادشاہ اعتماد کرنے پر مجبور تھے، زمرۂ امراء میں سے تھے جو بادشاہ کے دست و بازو اور زبان تھے۔ جہاں کہیں وہ خود نہیں جاسکتا تھا وہ امن و امان قائم رکھتے تھے۔ معدلت گستری کے کاموں کو اپنے اپنے ضلع میں دیکھتے بھالتے تھے اور بادشاہ کی ضرورت کے وقت افواج بھرتی کرتے تھے۔ سرحدوں

پر حفاظتی اضلاع کے امراء تھے جن کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے۔ یہ خطابات یعنی کاؤنٹ، مارگریو یا مارکوئس معہ دیگر خطاب ڈیوک کے یورپ میں ابتک شرفا کی ذات سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ اب ان خطابوں سے حکومت کے فرائض متعلق نہیں ہیں بجز اس کے کہ جب یہ خطاب یافتہ دارالامراء میں بیٹھنے کی اجازت حاصل کریں۔

شاہی اہل کمیشن امراء کی نگرانی کے لئے شارلمین نے شاہی اہل کمیشن مقرر کئے جن کو وہ اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں بھیجتا تھا تاکہ وہ تحقیقات کرنے کے بعد رپورٹ کریں کہ مختلف اضلاع میں جہاں وہ بھیجے جاتے تھے کس طرح کام ہو رہا ہے۔ وہ دو دو بھیجے جاتے تھے جن میں سے ایک پادری ہوتا تھا اور ایک غیر پادری تاکہ وہ بھی ایک دوسرے کی نگرانی کرسکیں۔ ان کے حلقے ہر سال بدل دئے جاتے تھے تاکہ وہ امراء سے سازش کرنے کا موقع نہ حاصل کریں جن کے کام کی دیکھ بھال کرنا انکا خاص فرض منصبی تھا۔

مغرب میں رومی سلطنت از سرنو قائم ہونے سے شارلمین کے طرز حکومت میں کوئی فرق نہیں آیا بجز اس کے کہ اس نے اپنی تمام رعایا کو حکم دیا کہ جو شخص بارہ برس سے زیادہ عمر کا ہو وہ اطاعت شہنشاہ کی قسم کھائے۔ امیروں اور پادریوں کی اہم مجالس ہر موسم بہار یا موسم گرما میں منعقد کرتا تھا جن میں سلطنت کے مفاد پر غور کیا جاتا تھا۔ اپنے مشیروں کی صلاح سے اُسنے غیر معمولی سلسلۂ قوانین جاری کیا جن میں سے بعض ابتک موجود ہیں۔ لاٹ پادریوں اور پادریوں سے وہ اخراجات کی ضروریات پر بحث کرتا تھا اور پادریوں اور غیر پادریوں کی عمدہ درسگاہوں کی ضرورت پر اُن سے مشورہ لیتا تھا۔ اُن اصلاحات سے جن کو اُس نے جاری کرنا چاہا ہمیں یہ معلوم کرنے کا موقع ملجاتا ہے کہ یورپ چار صدیوں کی بدامنی کے بعد کس حال کو پہنچ گیا تھا۔

شارلمین سے قبل تاریک صدی شارلمین پہلا نامور بادشاہ تھا جس نے تھیوڈرک کے بعد کتابی تعلیم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی جس کی حالت بوئی تھیس کی وفات کے بعد سے جو تین صدی پیشتر واقع ہوئی تھی، نہایت خراب ہو گئی تھی۔ تقریباً ۶۰۰ء میں کاغذ کی

فراہمی کا سلسلہ عربوں سے مصر کے فتح ہو جانے کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا۔ چونکہ ابتک کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا اس لئے لکھنے کے واسطے بہت قیمتی کھالوں کے ٹکڑے رہ گئے تھے۔ اگرچہ یہ درختوں کی چھالوں سے زیادہ پائدار تھے لیکن ان کی قیمت نے کتابوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے دیا۔ عالم راہبان جو بینی ڈکٹین تھے اپنی فرانسیسی ادب کی بڑی تاریخ میں آٹھویں صدی کو جو شارلمین کی تاجپوشی سے کچھ ہی پہلے گذری تھی نہایت جہالت اور تاریکی کا زمانہ بتاتے ہیں۔ میرو ونگین عہد کی دستاویزات سے اکثر اُس جہالت اور بے پروائی کا پتہ لگتا ہے جو اُن کے کاتبوں میں موجود تھیں۔

دہ عناصر علم جن کو کلیسا نے محفوظ رکھا

لیکن تصویر کے اس تاریک پہلو کے باوجود تصویر کا دوسرا رُخ امید افزا تھا۔ شارلمین کے وقت سے پیشتر بھی یہ بات صریح تھی کہ دنیا لامحدود زمانہ تک جہالت کی شاہراہ پر نہیں چلیگی۔ لاطینی زبان فراموش نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ کلیسا کی زبان تھی اور اُس کی تمام سرکاری مراسلت اسی زبان میں ہوتی تھی۔ مذہب عیسوی کی تعلیمات انجیل اور دیگر لاطینی کتابوں میں مل سکتی تھیں اور کلیسا کی مذہبی کتابوں کا ایک علم ادب علیحدہ بن گیا تھا۔ پس یہ نہایت ضروری تھا کہ کلیسا ایک قسم کی تعلیم کو قائم رکھے تاکہ اُس کی پیچیدہ نمازیں ادا کی جاسکیں اور وہ وسیع فرائض ادا ہوتے رہیں جسکا بارگراں اُس نے اپنے سر پر اُٹھا لیا ہے۔ کلیسا کے عہدہ افسران کے لئے خواہ وہ کسی قسم کے ہوں لاطینی قدیم کتابیں پڑھنے کی قابلیت لازمی تھی کچھ کتابیں قدیم زمانہ کی واقفیت کے لئے بھی پڑھنی پڑتی تھیں جن کا ذکر پیشتر کیا جاچکا ہے اور اگرچہ وہ نہایت ناکافی اور نامکمل تھیں تاہم وہ گذشتہ زمانہ کی یاد دلاتی رہتی تھیں۔ اُن میں کم از کم علم کے مختلف صیغوں کے نام ضرور رہتے اور حساب اور علم فلکیات پر اتنی معلومات ضرور مندرج تھیں کہ کسی دور و دراز مقام کا ایک پادری ہر سال ایسٹر کی تاریخ کا پتہ لگا سکے۔

شارلمین کے دو خطوط پادریوں میں تعلیم کے دقتوں پر

شارلمین پہلا دنیاوی فرماں روا تھا جس نے تعلیم کی عدم توجہی

کو محسوس کیا۔ یہاں تک کہ پادریوں کا طبقہ بھی اِس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اور قبل اِس کے کہ وہ شہنشاہ بنایا گیا اُس نے اِس بارہ میں دو خطوط لکھے۔ ایک بڑے لاٹ پادری کو اُس نے ایک خط میں تحریر کیا:۔

"گزشتہ برسوں میں ہمارے پاس خانقاہوں سے اکثر خطوط آئے کہ تمام راہبین جو وہاں رہتے ہیں مقدس اور متبرک نمازیں ہماری طرف سے ادا کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِن خطوط کے جذبات قابلِ تعریف ہیں لیکن ادائے مطالب کا طریقہ نہایت بھدا ہے کیونکہ حقیقی اطاعت شعاری جو خیالات دماغ میں پیدا کرتی ہے' زبان اُن کی تعلیم کی کمی کی وجہ سے ادا کرنے سے قاصر ہے چنانچہ کوئی خط غلطیوں سے پاک نہیں ہوتا۔ پس اِس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم کو خوف ہوا کہ جب خطوط لکھنے میں ضرورت سے زیادہ علم کی کمی پائی جاتی ہے' کہیں مقدس کتابوں کے سمجھنے میں بھی ضرورت سے زیادہ علم کی کمی نہ ہو۔ یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جہاں گفتگو کی غلطیاں خوفناک ہیں عقل و فہم کی غلطیاں اور بھی زیادہ مہلک ہیں۔ پس ہم آپ سے باصرار کہتے ہیں کہ نہ صرف خطوط کی تعلیم سے بے پروائی نہ کیجائے بلکہ نہایت عاجزی کیساتھ خدا کو خوش کرنے کی غرض سے آپ تحصیل علم کی کوشش میں توجہ سے کام لیں تاکہ آپ زیادہ آسانی اور صحت کے ساتھ مقدس کتابوں کے اسرار سے واقف ہو سکیں۔"

دوسرے خط میں وہ تحریر کرتا ہے "ہم نہایت جوش و خروش کے ساتھ علم کی ترقی میں کوشاں ہیں جو ہمارے آباؤ اجداد کی غفلت سے قریب قریب مفقود ہو گیا ہے اور ہم اپنی مثال قائم کرکے اُن سب لوگوں کو بھی جو ادب و فنون کی تکمیل کے لائق ہوں اسطرف متوجہ کرتے ہیں۔ اسی خیال سے خدا کے بھروسہ پر ہم نے نہایت غور و خوض کے بعد توریت اور انجیل کی تمام غلطیوں کو جو کاتبوں کی جہالت کے باعث ہو گئی تھیں درست کر دیا ہے۔"

شارلمین یہ سمجھتا تھا کہ کلیسا کا یہی فرض نہیں ہے کہ وہ اپنے افسران کی تعلیم کا خیال رکھے بلکہ

اُس کا یہ بھی فرض ہے کہ سب لوگوں کے لئے کم از کم ابتدائی تعلیم کا سامان بہم پہنچائے۔ اسی خیال کی بنا پر اُس نے ۷۸۹ء میں پادریوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آزاد آدمیوں اور کاشتکاروں کے تمام بچوں کو جو اُن کے قرب وجوار میں ہوں جمع کریں اور اسکول قائم کرکے اُن میں طالبعلموں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

خانقاہوں کے مدارس اور شاہی مدرسہ کا قیام

شارلمین کی تجویز کے مطابق پادریوں اور لاٹ پادریوں نے بے انتہا مدارس جاری کر دئے۔ یہ بات یقینی ہے کہ تعلیم کے مشہور مرکز ٹورس، فلڈا، کوربی، آرلیینس اور دیگر مقامات پر اُس کے عہد میں موجود تھے۔ تعلیمی مقصد میں مشہور شاہی محل کے مدرسہ کے قیام سے اور بھی زیادہ کامیابی ہوئی جو شارلمین نے خود اپنے اور اپنے امرا کے بچوں کی تعلیم کے لئے جاری کیا تھا۔ اُس نے ایک انگریز کو جس کا نام ایل کوان تھا اُس کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا اور نامور اشخاص کو اٹلی اور دیگر مقامات سے اُستاد مقرر کرکے طلب کیا۔ اِن میں سے نہایت مشہور پالس ڈائی کونس مورخ تھا جس نے لمبرڈوں کی تاریخ لکھی اور جس کی بدولت لمبرڈوں کے بارہ میں تقریباً تمام واقفیت ہم کو حاصل ہوئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ شارلمین کے دل پر نقلِ کتب میں متواتر غلطیوں کے امکان کا خاص اثر پڑا۔ اور یہ کام اکثر جاہل اور بے پرواشخاص کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ مدرسوں کے قیام کی تجویز کے بعد وہ لکھتا ہے "غور کے ساتھ کتبوں کو درست کرو، نیز اُن نشانات کو جو علم موسیقی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لاطینی قواعد اور مذہبی کتابیں جو ہر خانقاہ یا گرجا میں استعمال کی جاتی ہیں درست ہونی چاہئیں کیونکہ جو لوگ خدا کی عبادت صحیح طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ اکثر غلط طور پر کرتے ہیں کیونکہ کتابیں اغلاط سے پُر ہیں۔ اور اپنے لڑکوں کو نہ غلط لکھنے دو اور نہ غلط پڑھنے دو۔ اگر انجیل مقدس یا بھجنوں کی کتاب یا نماز کی کتاب کی ضرورت ہو تو بالغ آدمیوں سے بڑی محنت کے ساتھ نقل کراؤ۔ یہ حفظ ماتقدم نہایت مناسب تھا کیونکہ گزشتہ زمانہ کے علم ادب کو صحیح صحیح قائم رکھنا بھی ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ تعلیم کی طرف توجہ کرنا۔ یہ بھی قابلِ لحاظ امر ہے

کہ شارلمین نے احیائے علوم یونان و روما کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اُس نے اس بات کو کافی سمجھا کہ پادری صرف اتنی لاطینی زبان سیکھ لیں کہ وہ انجیل مقدس اور نماز کی کتاب کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

شارلمین کے عہد میں جو امید افزا استبدادِ دماغی دلچسپی اور احیائے تعلیم کی خاطر ہوئی وہ اپنے فوری نتائج میں مایوس کُن ثابت ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ نویں صدی میں چند قابل الذکر اشخاص پیدا ہوئے جنہوں نے ایسی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جن سے اُن کی دماغی تربیت اور واقعہ نگاری کا پتہ چلتا ہے لیکن شارلمین کی سلطنت کے حصے بخرے ہونے نے اُس کے جانشینوں کی مابین نزاعات ہونے نے، نئے وحشیوں کی آمد نے اور اُس گڑبڑ نے جو نافرمان امراء کی وجہ سے ہوئی اور جو کسی کو اپنا آقا ماننے کے لئے تیار نہ تھے، ان سب باتوں نے مل کر دنیا کو کم از کم دو صدی پیچھے دھکیل دیا۔ واقعی دسویں صدی اور گیارہویں صدی کا ابتدائی نصف حصہ ایک نظر میں ساتویں اور آٹھویں صدیوں سے کچھ بہتر نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن جہالت اور بدامنی ایسی پھر کبھی نہ پھیلی جیسی کہ وہ شارلمین سے پیشتر یورپ پر طاری تھی۔

--- ✻ ---

شارلمین کی سلطنت کا منتشر ہونا

لوئی مقدس شارلمین کا جانشین ہوتا ہے

اب دنیا کے لئے یہ سوال نہایت اہم تھا کہ شارلمین کی وسیع سلطنت اُس کی وفات کے بعد بدستور قائم رہے یا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاوے۔ اُس کو خود بھی اس کے متحد رہنے کی توقع نہ تھی کیونکہ سنہ ۸۰۶ء میں اُس نے اِس سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں میں اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کر دیا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اپنے عمر بھر کے کام کو صرف اِس غرض سے برباد کر دیا کہ ایک یہ روایت چلی آتی تھی کہ ہر بادشاہ اپنے مقبوضات کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیتا تھا یا یہ وجہ تھی کہ اُس کو یقین تھا کہ اِس قدر وسیع اور مختلف الاقوام سلطنت متفق نہیں ہو سکتی تھی۔ بہرصورت اُس کے دو بڑے بیٹوں کی وفات نے اُس کے اکلوتے بیٹے لوئی کو اپنے باپ کا جانشین بادشاہ اور شہنشاہ دونوں حیثیتوں سے بنا دیا۔

لوئی مقدس کے بیٹوں میں شارلمین کی سلطنت تقسیم ہو گئی

لوئی مقدس بمشکل چند سال تخت نشین رہا تھا کہ اُس نے نہایت ضروری سوال طے کرنا چاہا وہ یہ کہ اُس کے بیٹوں میں سے ہر ایک کو اُس کی وفات کے بعد کون سا حصہ ملنا چاہئے۔ چونکہ وہ اِس قدر حریص تھے کہ اپنے باپ کی مرضی پر کاربند نہیں ہو سکتے تھے اس لئے سنہ ۸۱۷ء سے سنہ ۸۴۰ء تک کم از کم چھ مختلف تقسیمیں ہوئیں۔ ہم اِن پیچیدہ اور عارضی تقاسیم کا پتہ لگانے کے لئے توقف کرنا نہیں چاہتے یا ناخلف بیٹوں کی سرکشی کے حالات پر وقت صرف کرنا نہیں چاہتے جنہوں نے حریص اور سرکش

امراء کے لئے نہایت خراب مثال قائم کردی۔ لوئی مقدس کی وفات کے موقع پر جو ۸۴۰ء میں ہوئی
اُس کا دوسرا بیٹا لوئی جرمن، بویریا پر قابض تھا اور مختلف موقعوں پر سلطنت کے اُن حصوں میں
سے بیشتر کا فرمانروا تسلیم کیا جاچکا تھا جو اب جرمنی میں شامل ہیں۔ سب سے چھوٹا بیٹا چارلس گنجا
فرنیک مقبوضات کے تمام مغربی حصہ پر حکمراں ہوگیا۔ اور لوتھیر جو سب سے بڑا تھا وہ شہنشاہ
بنایا گیا اور اٹلی اور نیز اُس ضلع پر جو دونوں چھوٹے بھائیوں کے مقبوضات کے درمیان تھا
حکومت کرنے لگا۔ چارلس اور لوئی دونوں لوتھیر کی اِن کوششوں کے خلاف کہ وہ اپنی برتری
شہنشاہ کی حیثیت سے قائم کرے فوراً متحد ہوگئے اور اُس کو فان ٹینے پر ۸۴۱ء میں شکست دی۔
وردون کا صلحنامہ جو اس کے بعد ہوا مغربی یورپ کی تاریخ میں نہایت قابل یادگار چیزوں
میں سے ہے۔

صلحنامہ وردون ۸۴۳ء

صلح کی گفتگو سے جو صلحنامہ وردون پر ختم ہوئی تینوں فریق اِس امر پر بالکل
رضامند ہوگئے کہ اٹلی، لوتھیر کے پاس رہے، ایکی ٹین، چارلس گنجے کے قبضہ میں رہے اور بویریا
کا لوئی جرمن مالک رہے۔ لیکن بقیہ سلطنت کو منقسم کرنا کارے دارد کا مضمون تھا۔ اُس وقت یہ
مناسب معلوم ہوا کہ بڑا بھائی شہنشاہ کی حیثیت سے، اٹلی کے علاوہ فرنیک مقبوضات کا درمیانی
حصہ بھی رکھے اور دار السلطنت اکس لاشپیل بھی اُسی کے پاس رہے۔ نہایت مصنوعی قسم کی ایک
سلطنت قائم کی گئی جو روما سے شمالی ہالینڈ تک وسیع تھی اور جس میں کوئی قدرتی اتفاق زبان یا
رواج کے لحاظ سے نہ تھا۔ لوئی جرمن کو بویریا کے علاوہ لمبرڈی کے شمال کا علاقہ اور دریائے
رہائن کے مغرب کا علاقہ بھی دیا گیا۔ چارلس گنجے کی سلطنت میں وہ علاقہ شامل تھا جو آجکل
فرانس کہلایا جاتا ہے اور فلانڈرس اور اسپینش مارچ بھی اُس کے مقبوضات میں داخل تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وردون کی صلح کا بڑا مقصد ایک مغربی اور مشرقی فرنیک سلطنت کے
قیام کا تھا چنانچہ اُن میں سے ایک فرانس اور دوسری جرمنی بنگئی۔ چارلس گنجے کی سلطنت میں
جو زبانیں بکثرت بولی جاتی تھیں وہ تقریری لاطینی سے براہ راست ماخوذ تھیں اور رفتہ رفتہ

فرانسیسی اور پروونیسل ہوگئیں۔ برخلاف اس کے لوئی جرمن کی سلطنت میں آبادی اور زبان دونوں جرمن تھی۔ ان ممالک کے درمیان جو تنگ علاقہ تھا اور لوتھیر کے حصہ میں آیا تھا وہ لوتھاری ریگنم یا سلطنت لوتھیر کہلانے لگا۔ یہ نام بتدریج لوتھارنجیا اور بعد ازاں لورین بن گیا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہ علاقہ وہ درمیانی قابل بحث اراضی ہے جس پر فرانسیسی اور جرمن اب تک باصرار تمام لڑتے رہے ہیں۔

استراس برگ کا عہد و پیمان

استراس برگ کا عہد و پیمان میں (۸۴۲ء) جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے ایک عجیب اور اہم ثبوت اختلاف السنہ کا ہے۔ وردون کی مصالحت سے قبل ہی دونوں چھوٹے بھائیوں نے یہ باہمی عہد و پیمان مناسب تصور کیا کہ وہ ایک خاص مجمع کے سامنے لوتھیر کے دعاوی کے خلاف ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔ اوّل دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے لشکریوں سے خاص ان کی زبان میں مخاطب ہو کر کہا کہ اگر میں اپنے بھائی کی حمایت نہ کروں تو تم سب لوگ میری اطاعت کے فرض سے سبکدوش سمجھے جاؤ گے۔ پھر لوئی نے لنگور ومنا[1] زبان میں جیسا کہ مورخ کہتا ہے قسم کھائی تاکہ اس کے بھائی کے لشکری اس کی بات سمجھ سکیں اور چارلس نے لنگوٹیوڈسکا زبان میں لوئی کے لشکریوں کو سمجھانے کے لئے قسم کھائی۔ خوش قسمتی سے ان دونوں قسموں کی پوری عبارت محفوظ ہے۔ چند الفاظ کے سوا وہ نہایت دلچسپ اور اہم ابتدائی نمونے اس زبان کے ہیں جو بعد ازاں عوام کی زبان ہو گئی اور جس کی تحریر کے رواج کی اس وقت صرف ابتدا ہوئی تھی۔ غالباً اس سے پیشتر جرمن زبان شاذ و نادر تحریر میں آئی ہو گی کیونکہ جو لوگ لکھنا جانتے تھے وہ سب لاطینی زبان میں تحریر کرتے تھے۔ یہی حال رومن زبان کا ہے (جس سے موجودہ فرانسیسی زبان پیدا ہوئی ہے) جو

[1] جو شخص لاطینی اور فرانسیسی سے واقف ہوتا تھا وہ لنگور ومنا زبان کی قسم سمجھ سکتا تھا اور جو جرمن زبان جانتا تھا وہ لنگوٹیوڈسکا آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ (مترجم)

لاطینی زبان سے پہلے ہی سے بہت علیحدہ ہوگئی تھی۔

سلطنت کے منقسمہ حصص فرانس، جرمنی اور اٹلی کے مطابق تھے

جب لوتھیر مرگیا (۸۵۵ء) تو اس کے تین بیٹے اٹلی اور وسطی حصہ سلطنت کے مالک ہوئے۔ ۸۷۰ء تک اِن میں سے دو فوت ہو چکے تھے اور اُن کے چچا چارلس دی بالڈ (گنجا) اور لوئی جرمن نے وسطی سلطنت کو صلحنامہ مرسن سے باہمی تقسیم کرنے اور اپنے قبضہ میں لانے کے لئے کچھ تامل نہ کیا۔ اٹلی لوتھیر کے بقیہ اکلوتے بیٹے کے لئے چھوڑ دی گئی اور تاج شہنشاہی بھی اُسی کے پاس رہنے دیا جو آئندہ ایک صدی تک بے نتیجہ رہا۔ اس کا یہ اثر ضرور ہوا کہ ۸۴۳ء ہی میں مغربی یورپ تین بڑے علاقوں میں منقسم ہو گیا جو تعجب ہے آجکل کی موجودہ یورپ کی تین بڑی سلطنتوں یعنی فرانس، جرمنی اور اٹلی کے بالکل مطابق تھے۔

سلطنت عارضی طور پر چارلس دی فیٹ (موٹا) کے عہد میں دوبارہ متحد ہوگئی

لوئی جرمن کا جانشین اُس کا بیٹا چارلس دی فیٹ مشرقی فرینک سلطنت میں ہوا۔ ۸۸۴ء میں چارلس دی بالڈ کے بیٹے اور پوتوں کے انتقال کیوجہ سے اسکا کوئی ممبر خاندان بجز ایک پانچ برس کے بچے کے باقی نہ رہا لیس مغربی فرینک سلطنت کے اُمراء نے چارلس دی فیٹ کو اپنا بادشاہ بنانے کی دعوت دی۔ اسطرح یہ واقع ہوا کہ شارلمین کی تمام سلطنت پھر دو یا تین برس تک ایک ہی حکمراں کے زیر فرماں رہی۔

ؔله حسب ذیل شجرہ سے شارلمین کی اولاد کا باہمی تعلق ظاہر ہوگا:۔

- شارلمین (۸۱۴ء میں مرا)
  - لوئی مقدس (۸۴۰ء میں مرا)
    - لوتھیر (۸۵۵ء میں مرا)
    - لوئی دی جرمن (۸۷۶ء میں مرا)
      - کارلومین (۸۸۰ء میں مرا)
        - آرنلف (۸۹۹ء میں مرا)
          - لوئی دی چائلڈ (۹۱۱ء میں مرا)
      - چارلس دی فیٹ (۸۸۷ء میں معزول ہوا)
    - چارلس دی بالڈ (۸۷۷ء میں مرا)
      - لوئی دی اسٹیمرر (۸۷۹ء میں فوت ہوا)
        - لوئی (۸۸۲ء میں مرا)
        - کارلومین (۸۸۴ء میں فوت ہوا)
        - چارلس دی سمپل (۹۲۹ء میں مرا)

چارلس دی فیٹ اور اہل شمال
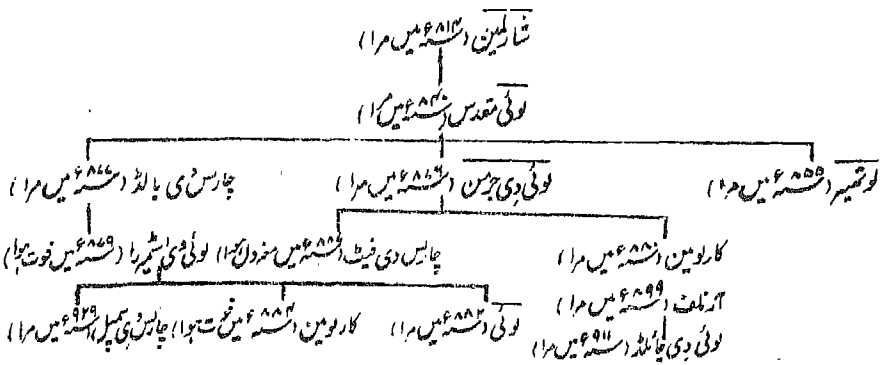
چارلس دی فیٹ بیمار رہتا تھا اور ایک نالائق شہنشاہ ثابت ہوا جو اپنے وسیع ممالک کی حفاظت اور انتظام کرنے کے بالکل ناقابل تھا۔ اُس کی کمزوری خاص طور سے اُس کے کمزور صلحناموں سے پائی جاتی ہے جو اُس نے اہل شمال کے ساتھ کیے۔ جبکہ پیرس اُن کے خلاف اپنے کاؤنٹ اوڈو کی ماتحتی میں ایک دلیرانہ مقابلہ کر رہا تھا تو چارلس نے ایک لشکر کے سردار بننے کی بجائے اور اُس کی معاونت کرنے کی جگہ حملہ آوروں کو سات سو پونڈ وزنی چاندی ادا کرنے کے لئے رضامندی ظاہر کی بشرطیکہ وہ اپنا محاصرہ اٹھالیں۔ بعد ازاں اُن کو خود سلطنت کے اندر یعنی برگنڈی میں موسم سرما بسر کرنے کی اجازت دیدی جہاں وہ حسب منشا لوٹ مار کرتے اور آبادیوں کو پھونکتے جلاتے رہے۔

چارلس دی فیٹ تخت سے معزول کر دیا گیا اور آرنلف اُس کا جانشین ہوا

اس ذلیل صلحنامہ سے مغربی فرینک امرا کو اس قدر نفرت ہو گئی کہ وہ خوشی سے اُس سازش میں شریک ہو گئے جو چارلس کے بھتیجے یعنی کارنتھیا کے بہادر آرنلف نے کی اور جو مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ اپنے نالائق چچا کی جگہ خود سریر آرائے سلطنت ہو۔ چارلس ۸۸۷ء میں معزول کر دیا گیا اور اُس کے سابق رفقا نے بھی کنارہ کشی اختیار کی۔ نپولین کے سوا پھر کوئی شخص شارلمین کی سلطنت کے مشرقی، مغربی اور جنوبی حصوں کو تھوڑے دنوں کے لئے بھی اپنے قبضہ و اقتدار میں نہیں لا سکا۔ آرنلف اگرچہ نام کے لحاظ سے شہنشاہ تھا لیکن فرینک سلطنت کے تمام حصوں میں بادشاہ تسلیم کیے جانے کی بھی مشکل سے توقع کر سکتا تھا۔ برائے نام متحد ہونا بھی ناممکن تھا۔ جیسا کہ اس زمانہ کا ایک مورخ لکھتا ہے "جب آرنلف اپنا وقت گزار رہا تھا بہت سی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہو رہی تھیں"۔

سلطنت برگنڈی یا آرلس کی اصلیت

مغربی فرینک سلطنت میں شمالی حصہ کے امرا نے اوڈو کو جو پیرس کے محاصرہ کا سورما تھا اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ لیکن جنوب میں دوسرا من چلا امیر جس کا نام بوسو آف وائنا تھا پوپ کو یہ ترغیب دینے میں کامیاب ہوا کہ وہ اُس کو

تاج شاہی پہنا کر دریائے رہون کے علاقہ کا بادشاہ بنادے۔ بوسو کی وفات کے بعد جھیل جنیوا کے نواح کا بڑا علاقہ جس کو وہ اپنے لئے حاصل کرنے کی توقع رکھتا تھا اپنے خاص حکمراں کے زیر فرماں علیحدہ سلطنت بن گیا۔ یہ مملکت اور نیز وہ حصہ جس پر جنوب تک بوسو حکمراں تھا بعد ازاں برگنڈی یا جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے آرلس کی متحدہ سلطنت بن گئی۔

چارلس دی فیٹ (فربہ) کے معزول ہونے سے پیشتر بہت سے کاونٹ اور دیگر بڑے زمینداروں نے اپنے بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے اپنے علاقوں کا بادشاہ ہونا شروع کر دیا اگرچہ انہوں نے بادشاہ کا لقب اختیار نہ کیا۔ مشرقی فرینک سلطنت میں مختلف جرمن فرقوں نے جن پر شارلمین نے قابو پالیا تھا خصوصاً اہل بویریا اور سیکسنس نے اپنی قدیم قومی آزادی کو از سر نو حاصل کرنا شروع کر دیا۔ اٹلی میں سلطنت کی شکستگی شمال کی نسبت زیادہ نمایاں تھی۔

وجوہات افتراق سلطنت | جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے ظاہر ہے کہ کسی حکمراں نے بھی جس کے ہاتوں میں شارلمین کی سلطنت کی عنان حکومت رہی اپنے آپ کو ایک ایسی عظیم الشان مملکت کا جیسی کہ آجکل فرانس یا جرمنی ہے کافی دانشمند اور طاقتور فرماں روا ثابت نہیں کیا تا کہ بخوبی ملک کا انتظام کر سکے۔ لفظ کے موجودہ معنی میں ایک منتظم سلطنت کے قیام کے رستہ میں جو مشکلات حائل تھیں وہ تقریباً ناقابل التسہیل تھیں۔ اول تو یہ قریب قریب یہ ناممکن تھا کہ ایک وسیع سلطنت کے تمام حصوں سے وہ باخبر رہیں۔ عجیب و غریب سڑکیں جو رومیوں نے تیار کی تھیں عام

خراب سڑکیں | طور پر خراب ہو گئی تھیں کیونکہ سلطنت کی جانب سے اب انجنیران کی جماعت اُن کو برقرار رکھنے کے واسطے اور پلوں کی مرمت کے لئے نہیں رکھی جاتی تھی۔ شارلمین کے مقبوضات کے اُن حصص میں جو قدیم رومی سلطنت کی حدود کے باہر تھے ذرائع سفر گال اور علاقہ رہائن کی نسبت اور بھی خراب ہوں گے کیوں کہ وہاں رومی سڑکوں کی ہوا تک بھی نہ تھی۔

سرکاری افسروں یا فوجوں کے قیام کے لئے روپیہ کی کمی

سفر کے وقت کے علاوہ بادشاہ کو قرونِ وسطیٰ میں روپیہ کی قحط سالی سے بھی سابقہ پڑتا تھا جس کی وجہ سے وہ تنخواہ دار افسروں کی ایک بڑی جماعت کی خدمات حاصل کرنے سے محروم رہتا تھا اور جس کو آجکل ہر سلطنت ضروری سمجھتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسی وجہ سے مستقل فوج بھی نہیں رکھہ سکتا تھا جو اُس کے افسران اور نیز طاقتور اور بےچین امرا کی (جن کا شعار زندگی جنگ و جدل تھا) مسلسل نافرمانی کی سزا کے لئے ضروری تھی۔

نارتھمین (اہل شمال) سلاف اہل ہنگری اور عربوں کے حملے

فرینک سلطنت میں تمام جوانب سے متواتر حملوں نے جلد طوائف الملوکی قائم کردی۔ شمال کی جانب سے یعنی ڈنمارک، ناروے اور سویڈن کی طرف سے اسکینڈی نیویا کے لٹیرے جو نارتھمین کہلاتے تھے آئے۔ وہ ہوشیار اور جانباز جہاز راں تھے جنہوں نے نہ صرف بحیرۂ شمال کے سواحل کی آبادی کو دق اور پریشان کیا بلکہ وہ دریاؤں میں بھی آنے لگے اور خشکی کے اندر پیرس تک شہروں کو لوٹنے اور اُن کو جلاکر خاکِ سیاہ کرنے لگے سلطنت کی شرقی سرحد پر جرمن قوم سلاف سے مسلسل جنگ میں مصروف رہنے پر مجبور رکئے گئے۔ اِس کے بعد اہل ہنگری جو ایک وحشی قوم تھی اپنے جہانسوز حملے وسط جرمنی اور شمالی اٹلی میں کرنے لگے۔ جنوب کی جانب سے اہلِ عرب آئے جنہوں نے سسلی پر ۸۲۷ء میں قبضہ کرلیا اور جنوبی اٹلی اور فرانس کو خود روما پر بھی حملہ کرکے خوفزدہ بنادیا۔

بڑے بڑے زمینداروں کی روز افزوں طاقت اور خودمختاری

ایک ایسے طاقتور بادشاہ کی عدم موجودگی میں جس کے پاس باقاعدہ اور قواعدداں فوج ہو ہر ضلع اپنی آپ حفاظت کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ بلاشبہ بہت سے کاؤنٹ، مارگریو، لاٹ پادری اور دیگر بڑے زمینداروں نے جو بتدریج خودمختار شہزادے بنگئے تھے اپنے اردگرد کے لوگوں کی وفاداری، ملک کو حملہ آوروں سے بچانے اور قلعوں کو جائے پناہ کے طور پر (جبکہ اہل ملک سخت مصیبت میں گرفتار ہوں) بنانے کی وجہ سے حاصل کرلی تھی۔ یہ حالات اس امر کی توجیہ کرتے ہیں کہ کیوں ایسی حکومت جیسی کہ

رائج تھی چارلس دی فیٹ (فربہ) کے عزل کے بعد صدیوں تک بادشاہ اور اُس کے افسران سے نہیں بلکہ بڑے بڑے زمینداروں کی بدولت ضرورتاً چلتی رہی۔ قرونِ وسطیٰ کے امرا کے مضبوط قلعے جو ہر ایک مناسب موقع پر تقریباً تمام مغربی یورپ میں موجود تھے ہرگز بادشاہ کی خوشنودی اور مرضی پر قائم نہ رہتے اگر وہ اُن کی تاخت وتاراج کے لئے کافی طاقتور ہوتا۔ اِن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مالکان عملی طور پر خود مختار فرمانروا تھے۔

جب کوئی سیاح جرمنی یا فرانس میں قرونِ وسطیٰ کے کسی قلعہ کے کھنڈر کو دیکھتا ہے جو کسی چٹان پر گھونسلہ کی طرح بنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جس میں صرف ایک طرف سے جانے کا راستہ ہوتا ہے اور جہاں سے قرب وجوار کا ملک نظر آتا ہے وہ بجز اس کے اور کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا کہ وہ مضبوط دیواریں اور اُن کے گنبد اور پشتے اور اُن کی خندقیں اور ٹوٹنے والے پل کسی امن پسند شہری کے آرام دہ مسکن نہیں تھے بلکہ وہ کسی فرمانروا کے محفوظ شاہی محل تھے۔ ہم بڑے کمرہ کو مسلح سپاہیوں سے بھرا ہوا تصور کرسکتے ہیں جو اپنے مالکوں کی خاطر جب وہ کسی ہمسایہ امیر پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لڑنے کے لئے آمادہ رہتے تھے اور جو یہ بھی جانتے تھے کہ اگر وہ اُس سے بغاوت کرنے کی جرات کریں گے تو اُن کا آقا اُن کو وہیں کے زیریں، دوزخ تنگ وتاریک قید خانوں میں ڈالدیگا۔

زمیندار اور اُس کی اراضی | قرونِ وسطیٰ کے امیر کی حیثیت اور فیوڈلزم[1] کی اصلیت سمجھنے کے لئے ہم کو بڑے بڑے زمینداروں کی حالت پر غور کرنا چاہئے۔ مغربی یورپ کا حصۂ اعظم شارلمین کے عہد میں بڑی بڑی ریاستوں میں جو رومی قریہ سے مشابہ تھیں منقسم پایا جاتا ہے۔ یہ ریاستیں کس طرح پیدا ہوئیں اس کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ یہ ریاستیں یا جاگیریں جیسا کہ اُن کو کہا جاتا ہی زیادہ تر ایسے کاشتکاروں سے بوئی جاتی تھیں جو زمین سے متعلق ہوتے تھے اور اراضی کے مالک کے تحت میں رہتے تھے۔ وہ جائداد کے ایسے حصہ کو بھی کاشت کرتے تھے جس کو مالک اپنے

---

[1] دیکھو باب نہم۔ مترجم۔

لئے خاص کر لیتا تھا اور اپنی اور نیز اُن کی ضروریات کو باہر سے زیادہ خرچ کیے بغیر پورا کرتا تھا۔
جب ہم قرونِ وسطیٰ کے کسی زمیندار کا ذکر کریں تو ہمارا اُس شخص سے مطلب ہوتا ہے جو ان اراضیات[1]
میں سے ایک یا دو کا مالک ہوتا تھا اور جو اُس کی معاش کے لئے کافی تھی اور اُس کو اتنا آزاد
بنا دیتی تھی کہ وہ اپنے جیسے دوسرے زمینداروں یا روسا سے نبرد آزمائی کرتا رہے۔

معافیات | عہد شارلیمین سے بھی قبل یہ رواج جاری تھا کہ خانقاہوں، گرجاؤں اور بعض
خاص خاص لوگوں کو ایک غیر معمولی حق عطا کر دیا جاتا تھا جس سے اُن کی اراضیات سرکاری افسران
کی آمد و شد سے بری کر دی جاتی تھیں۔ کوئی سرکاری افسر، جس کو مقدمات سننے، جرمانہ
وصول کرنے، بادشاہ اور اُس کے توابعین کے لئے جبکہ وہ دورہ پر ہو سامان رسد بہم پہنچانے
یا اور کسی قسم کی ضروریات حاصل کرنے کا اختیار ہوتا تھا اُن اراضیات یا قریوں سے جو کسی خانقاہ
سے یا ایسے شخص سے جو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے متعلق ہوتی تھیں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ بظاہر یہ
مستثنیات بادشاہ کے افسران کی تعدی سے بچنے اور مختلف جرمانے اور فیس ہضم کرنے کی غرض
سے بڑی سر گردانی اور کوشش سے حاصل کی جاتی تھیں اور ان سے اُن کا یہ مقصد نہ تھا کہ ہم اسطرح
حکومت کے حقوق کو غصب کر لیں لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ خانقاہوں اور اُن اشخاص نے جو حکومت
کے واجبات سے اسطرح مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے اپنے اپنے اختیارات کو برتنا شروع کر دیا مگر
ابتک وہ اپنا حق سمجھکر نہیں بلکہ بادشاہ کے قائم مقام بنکر اُن اختیارات کو استعمال کرتے تھے۔
یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ وہ افراد جن کو یہ حقوق حاصل تھے مرکزی طاقت کے کمزور ہونے پر بالکل
خود مختار ہو جاتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ کثیر التعداد مالکان اراضی جو بادشاہ کے افسران کی حدود
اختیارات سے باہر تھے اور خود بادشاہ کے اکثر افسران خصوصاً کاؤنٹ اور مارگریو بتدریج اپنے
بادشاہوں کے قبضہ واقتدار سے باہر ہو جاتے تھے اور اپنے اپنے علاقوں کے فرمانروا بن جاتے تھے۔

---

[1] اس قسم کی اراضیات یا ریاست کا ذکر باب ۱۷ میں بعد ازاں کیا جائے گا۔ مؤلف۔

وراثتِ مناصب کا میلان

امرا اور کاؤنٹ کو خصوصاً ایسے مواقع حاصل تھے کہ وہ اُن اختیارات کو جن کو وہ بادشاہ کی طرف سے استعمال کرتے ہوئے سمجھے جاتے تھے اپنے خاص فوائد کے لئے بھی کام میں لا سکتے تھے۔ شارلمین نے اپنے کاؤنٹوں اور مارگریووں کو اپنی سلطنت کے متمول اور ممتاز خاندانوں میں سے منتخب کیا تھا۔ چونکہ اُس کے پاس روپیہ نہ تھا وہ عام طور پر اُنکی خدمات کے صلہ میں اُن کو جاگیریں عطا کرتا تھا جن سے اُن کی خودمختاری میں اور اضافہ ہوجاتا تھا۔ [ف] رفتہ رفتہ اپنے عہدہ یا منصب کو اور اپنی جاگیر کو نجی جائداد سمجھنے لگے اور وہ طبعاً اپنے بعد اپنے بیٹوں کو اپنا جانشین بنانے لگے۔ شارلمین اپنے تابعین پر پیغام رسانوں یا شاہی کمشنروں کے ذریعہ سے قبضہ واقتدار قائم رکھتا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا یہ طریقہ متروک ہوگیا اور کسی ناقابل یا باغی افسر کو برخاست کردینا نہایت دشوار کام ہوگیا۔

وہ طاقتیں جنہوں نے افتراقِ سلطنت کے خلاف کوشش کی یعنی شاہی اقتدار کا جزوًا از سرِ نو قائم ہونا اور فیوڈلزم

لیکن ہم کو یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیئے کہ بدامنی کی صدیوں میں جو شارلمین کی سلطنت کے منتشر ہونے کے بعد گزریں حکومت بالکل مفقود ہوگئی تھی یا یہ چھوٹی چھوٹی مقامی حکومتوں میں منقسم ہوگئی تھی جو ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق اور خودمختار تھیں۔ اوّل تو بادشاہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ قدیم شان وشوکت کا مالک ہوتا تھا خواہ وہ کیسا ہی کمزور ہو یا اُن ذرائع کے بغیر ہو جن سے [ف] اپنے حقوق حاصل کرسکے اور اپنی زیادہ طاقتور رعایا کو وفاشعار رہنے کے لئے مجبور کرسکے۔ تاہم آخرکار وہ بادشاہ ہی ہوتا تھا جس کے سر پر کلیسا تیل ڈالکر اُس کو خدا کا مقبول بادشاہ بنادیتی تھی اور کلیسا دنیا میں خدا کی قائم مقام سمجھی جاتی تھی۔ وہ ایک فیوڈل لارڈ سے کچھ نہ کچھ زیادہ ہوتا تھا۔ بادشاہوں کی قسمت میں آخرکار حاوی ہونا لکھا تھا اور وہ انگلستان، فرانس اور اسپین اور بالآخر اٹلی اور جرمنی میں غالب آئے اور انہوں نے اُن قلعوں کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ ڈالا جنکی دیواروں

ف دیکھو باب نہم سیکشن چہارم۔

کے اندر اُن کے متعدد بیشتر امرا وقتاً فوقتاً شاہی طاقت سے سرکشی کرتے رہتے تھے۔

فیوڈلزم

دوسری بات یہ تھی کہ کثیر التعداد خودمختار مالکانِ اراضی فیوڈلزم کے طریقہ سے جکڑ بند کر دیئے گئے تھے جس شخص کے پاس اُس کی ضرورت سے زائد زمین ہوتی تھی اُس کا ایک جزو دوسرے شخص کو اس شرط پر دیدیتا تھا کہ وہ شخص جو زمین لیتا تھا اس بات کا عہد و پیمان کرے کہ وہ اپنے معطی کا وفادار رہے گا اور چند خاص خدمات ادا کرے گا مثلاً اُس کی طرف سے جنگ و جدل کرنا اُس کو مشورہ دینا اور اُس کو اُس کی خاص مصیبتوں میں امداد دینا۔ اس طریقہ سے آقا اور خدمتگزار کا تعلق پیدا ہوا۔ تمام مالکانِ اراضی یا بادشاہ کے یا دوسرے مالکانِ اراضی کے خدمتگزار ہوتے تھے اور نتیجتاً سب لوگ اپنے عہد و پیمان کی وجہ سے ایک دوسرے سے وفادار رہنے کے پابند تھے اور ایک دوسرے کے مفاد کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہ طریقہ جس کو فیوڈلزم کہتے ہیں سلطنت کی بجائے قائم ہو گیا اور اُس کا قائم مقام بن گیا۔ نجی معاہدوں نے جو ایک مالکِ اراضی اور دوسرے مالکِ اراضی کے مابین ہوتے تھے اُس کمزور تعلق کی جگہ لے لی جو رعایا اور بادشاہ کے درمیان تھا۔

حکومت کا فیوڈل انداز اور اراضی حاصل کرنے کا فیوڈل طریقہ کچھ ایسے غیر مانوس اور بلاتشبیہ ہیں کہ ہمارے لئے انکو سمجھنا دشوار ہے۔ لیکن جب تک ہم اُن کو نہ سمجھیں یورپ کے گزشتہ ہزار برس کی تاریخ کا جزو اعظم قریب بے معنی رہجائیگا۔

فیوڈلزم

اُس زمانہ کے حالات اور قدیم رسم ورواج سے فیوڈلزم پیدا ہوا

فیوڈلزم اُن خاص حالتوں کا قدرتی نتیجہ تھا جو مغربی یورپ میں نویں اور دسویں صدیوں میں پائی جاتی تھیں۔ مگر اُس کے خاص عناصر اُس زمانہ میں نہ دریافت کئے گئے تھے اور نہ ایجاد کئے گئے تھے بلکہ وہ صرف جمع ہوگئے تھے تاکہ وقتی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ لہٰذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن رسم ورواج پر اختصار کے ساتھ غور کیا جائے جو گزشتہ سلطنتِ روما میں موجود تھے اور حملہ آور ان جرمنوں میں پائے جاتے تھے اور جن سے حسب ذیل امور اخذ کئے جا سکتے ہیں:-

(۱) قرونِ وسطیٰ کے مالکانِ اراضی کا اپنی زمین کو اس طریقہ سے دوسروں کو دیدینے کا رواج کہ برائے نام ملکیت تو مالک اراضی کی رہی لیکن تمام مقاصد واغراض کے لئے اراضی حاصل کرنے والے حقیقی مالک بن گئے اور

(۲) آقا اور خدمت گزار کا تعلق۔

گزشتہ سلطنتِ روما میں اراضی حاصل کرنے کے شرائط

ہم بیان کرچکے ہیں کہ وحشیوں کے حملوں سے قبل سلطنتِ روما کے اکثر چھوٹے چھوٹے زمینداروں نے اپنے لئے یہ بہتر سمجھا کہ اپنی اراضی کی ملکیت کو قرب وجوار کے زیادہ طاقتور مالکانِ اراضی کے نام منتقل کردیں۔ مزدوروں اور محنتیوں کی تعداد میں اس قدر کمی ہوگئی تھی کہ نیا مالک اگرچہ زمین پر اپنا نام درج کرالیتا تھا لیکن بخوشی پہلے مالک کو اجازت دیدیتا تھا کہ وہ بلا لگان اُس کو کاشت کرتا رہے گویا وہ اب تک

اُس زمین کا مالک ہے۔ وحشیوں کے حملوں نے غیر محفوظ چھوٹے زمیندار کی حالت سقیم کر دی تھی لیکن خانقاہیں اُس کے لئے نئی جائے پناہ بن گئی تھیں۔ رہبان خوشی سے غیر منقولہ جائداد کو قبول کر لیتے تھے جسکو اصل مالک اپنی عاقبت کی بہتری کے لئے اور اُس ولی کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے جسکے نام پر خانقاہ منسوب ہوتی تھی اس امر کی مجبوری پر دے دیتا تھا کہ پادری پہلے مالک کو اراضی کاشت کرنے کی اجازت دیئے رہیں اور اُس کا یہ حق برقرار رکھے۔ اگرچہ وہ اب مالک اراضی نہیں ہوتا تھا لیکن وہ اُس کی پیداوار سے متمتع ہوتا تھا اور ہر سال خانقاہ کی ملکیت تسلیم کرنے کی غرض سے بہت ہی تھوڑا لگان ادا کرتا تھا۔ اراضی کا استعمال یا اُس کی پیداوار جو خانقاہ اراضی کے پہلے مالک کو عطا کر دیتی تھی اُس کا نام بینی فی سیم تھا۔ یہی لفظ اُن مختلف جاگیروں کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا جن کو گرجا اُن اپنے وسیع مقبوضات میں سے لوگوں کو محدود وقت تک اور مختلف شرائط پر دیدیتی تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فرینک بادشاہوں اور دوسرے بڑے تعلقہ داروں نے بھی اپنی اراضیات کو اسی قسم کے طریقہ پر دیدیا تھا۔ قرون وسطیٰ کی زمینداری کی ترقی کا پہلا زینہ بھی یہی طریقہ ہے۔

آقا اور خدمت گزار کے تعلق کی اصلیت

بینی فی سیم کے ساتھ ساتھ ایک اور صیغہ جاری ہو گیا جس سے مالکان اراضی (آقا) اور خدمت گزار کا آیندہ تعلق بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ گزشتہ سلطنت روما میں آزاد شدہ آدمی جو کسی زمین کا مالک نہیں تھا اور اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں رہتا تھا کسی مالدار اور طاقتور ہمسایہ کے متوسلین میں ہو جاتا تھا جو اُس کے کھانے، کپڑے اور اُس کی حفاظت کا اقرار اس شرط پر کرتا تھا کہ وہ اپنے مربی کا وفادار رہیگا اور "اُن سب سے محبت کرے گا جن سے اُس کا مربی محبت رکھتا ہے اور اُن سب سے نفرت کرے گا جن سے آخر الذکر نفرت کرتا ہے۔"[۱]

---

[۱] اس بات سے کہ رومی سلطنت نے اس رواج کی ممانعت کر دی تھی اور خلاف ورزی کے لئے سخت سزائیں (دیکھو صفحہ آئندہ)

سپاہی کا عہد و پیمان اپنے سردار سے

حملہ آور جرمنوں میں ایک رواج تھا اور وہ اس رومی رواج سے اسقدر مشابہ تھا کہ بڑے بڑے فاضلوں نے یہ طے کرنا دشوار سمجھا کہ ہم اسے رومی صیغہ یا جرمن صیغہ کا جس نے فیوڈلزم کی ترقی میں مدد دی زیادہ اثر بتائیں۔ ٹےسی ٹس لکھتا ہے کہ نوجوان جرمن جنگجو کسی ناموَر سردار کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا عادی تھا جو اپنے وفادار تابعین کی امداد اس شرط پر کرتا تھا کہ وہ اس کے ہمراہ لڑیں گے۔ اس عہد و پیمان کو جس کو ٹےسی ٹس، کومی ٹےٹس کہتا ہے جرمن معمولی بات نہیں سمجھتے تھے بلکہ نہایت اہم اور محترم جانتے تھے جو سردار اور سپاہی کے لئے باعث افتخار تھی۔ گزشتہ تعلق کی طرح جو آقا اور خدمتگزار میں ہوتا تھا یہ بھی خاص اہتمام کے ساتھ انجام پذیر ہوتی تھی اور وفاداری کا رشتہ قسم سے مضبوط کر دیا جاتا تھا۔ باہمی امداد اور استعانت کی ذمہ داریاں جو کسی سردار اور اسکے توابعین میں قائم ہوتی تھیں نہایت مستحکم اور متبرک خیال کی جاتی تھیں۔

آقا اور خدمتی اور سردار اور سپاہی کے دونوں صیغے ملکر فیوڈلزم پیدا کرتے ہیں۔

اگرچہ بھوکے اور بے خانماں شخص میں جو کسی متمول رومی زمیندار کا عاجز خدمتی ہو جاتا تھا اور کسی شریف نوجوان جنگجو میں جو کسی ممتاز فوجی سردار کے شریک حال رہتا تھا بہت بڑا فرق تھا لیکن یہ دونوں صیغے آئندہ فیوڈل طریقہ کو سمجھانے میں مدد دیتے ہیں جس سے ایک شخص دوسرے کا "آدمی" یا وفادار اور معزز متوسل ہو جاتا تھا۔ جب شارلیمین کی وفات کے بعد آدمی کومی ٹےٹس اور بےنی فی سیم کے خیال کو باہم ملانے لگے اور اپنی اراضی کے کسی جزو کی پیداوار کو اس شرط پر عطا کرنے لگے کہ معطی لہٗ اُن کا وفادار اور صادق مددگار رہے یعنی اُن کا باجگزار ہو جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اراضی کی ملکیت کا فیوڈل طریقہ وجود میں آرہا تھا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۴) مقرر کر دی تھیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی عائدین اپنے اپنے خدمتیوں کو شاہی ٹیکس فراہم کرنے والوں اور دوسرے سرکاری افسروں کے خلاف آزادی حاصل کرنے میں استعمال کرتے تھے۔ — مؤلف۔

فیوڈلزم کی تدریج ترقی فیوڈلزم کسی بادشاہ کے فرمان یا کسی عام معاہدہ کے مطابق جو تمام مالکانِ اراضی میں باہم ہوگیا ہو جاری نہیں ہوا۔ یہ بقاعدہ طور پر رفتہ رفتہ کسی خاص شخص کی غور کردہ تجویز کے بغیر ترقی پذیر ہوتا گیا صرف اس وجہ سے کہ یہ طریقہ اُن حالات و واقعات کے لحاظ سے آرام دہ اور فطری معلوم ہوا۔ وسیع ریاست کے مالک نے اپنی اراضی کو اپنے باجگزاروں میں منقسم کرنا اپنے لئے مفید سمجھا جو جنگ میں اُس کی سعادت کا اقرار کرتے تھے، اُس کے دربار میں حاضر ہوتے تھے، ضرورت کے وقت اُس کے قلعہ کی حفاظت کرتے تھے اور روپیہ سے اُس کی امداد کرتے تھے اگر کسی غیر معمولی خرچ کا بار اُس پر پڑ جاتا تھا۔

فیف یا جاگیر جو اراضی ان شرائط مذکورہ پر دی جاتی تھی اُس کو فیف کہتے تھے۔ وہ شخص جو فیف پر قابض ہوتا تھا خود بھی آقا بن جاتا تھا اگر وہ اُس کا کوئی جزو اپنے کسی باجگزار کو انہیں شرائط پر دیدیتا تھا جن شرائط پر وہ اپنے آقا یا مربی سے اُس کو لیتا تھا۔ اس قسم کی اراضی کو ماتحت فیف کہتے تھے اور باجگزار کا باجگزار ایک ماتحت خدمتگزار یا ٹھکی کاشتکار کہلاتا تھا۔ ایک اور بھی صورت تھی جس کی وجہ سے باجگزاروں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مالک عام طور پر غیر محفوظ حالت میں تھے اور اپنے آپ کو بڑے بڑے امرا کی دست و برد سے محفوظ رکھنے کے ناقابل تھے۔ لہذا انھوں نے اپنے لئے یہ مناسب سمجھا کہ اپنی اراضی کو کسی ہمسایہ امیر کے ہاتوں میں دیدیں اور پھر اُس کو اُس سے بطور فیف کے واپس لے لیں۔ وہ اس طرح اُس کے باجگزار بن جاتے تھے اور اُسکی حفاظت میں آجاتے تھے۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں فیوڈلزم ترقی پذیر رہا گویا سر سے پاؤں تک اور دہر تک ایک ساتھ ترقی کرتا رہا۔

(۱) بڑے بڑے زمینداروں نے اپنے اپنے علاقوں میں نئی نئی جاگیریں یا فیف قائم کیں اور اُن کو نئے باجگزاروں کے حوالے کر دیا۔

(۲) وہ لوگ جن کے پاس چھوٹے چھوٹے قطعات تھے اُن کو فیوڈل تعلق سے اس

طرح باہم رشتہ کر دیا کہ اُن کو کسی مربی یا خانقاہ کے حوالے کر کے خود اُن کے باجگزار بن گئے۔

(۳) کوئی رئیس اپنی ریاست کے حصوں کو تقسیم کر کے ماتحت فیف قائم کر سکتا تھا اور اُن لوگوں کو جن کی خدمات اور وفاداری حاصل کرنے کا وہ خواہشمند ہوتا تھا جاگیروں کے طور پہ دے سکتا تھا۔

تیرہویں صدی تک فرانس میں یہ قاعدہ ہوگیا تھا کہ "کوئی اراضی بغیر کسی مالک کے نہ رہے"۔ یہ حالت قریب قریب اُنہی حالتوں کے مطابق تھی جو اُس زمانہ میں تمام مغربی یورپ میں موجود تھیں۔

جاگیروں کا موروثی طرز عمل اور اُس کے نتائج

یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جاگیر بینی فیسیم کے برخلاف کچھ مدت تک عطا نہیں کی جاتی تھی یا معطی لہٗ کی زندگی بھر کے لئے نہیں ہوتی تھی کہ اُس کی وفات کے بعد پھر اصلی مالک کی طرف عود کرے۔ برعکس اس کے یہ باجگزار کے خاندان میں ورثتہً پہنچتی رہتی تھی اور سب سے بڑے بیٹے کو نسلاً بعد نسلٍ ملتی رہتی تھی۔ جب تک باجگزار اپنے آقا کا وفادار اور امین رہتا تھا اور خدمات معہودہ بجا لاتا تھا اور اُس کے جانشین اطاعت گزار رہتے تھے اور اُن شرائط پر عمل درآمد کرتے رہتے تھے جن پر فیف یا جاگیر دراصل عطا کی گئی تھی تو نہ آقا اور نہ اُس کے ورثا اراضی پر باضابطہ قابض ہو سکتے تھے۔ کوئی خاص تاریخ جس پر یہ رواج ہوگیا کہ جاگیروں کو بطور میراث سمجھا جائے مقرر نہیں کی جا سکتی۔ تاہم یہ کہنا ٹھیک ہے کہ دسویں صدی میں یہ قاعدہ جاری ہوگیا تھا۔

بادشاہوں اور بڑے بڑے اُمرا نے اپنی اراضی پر اپنا قبضہ نہ رکھنے کے نقصان کو جو اُن کے باجگزاروں کے خاندانوں میں موروثی جائداد کی طرح منتقل ہوتی رہتی تھی صریح طور پر محسوس کیا۔ لیکن یہ احساس کہ جس چیز سے باپ منتفع ہوتا رہا ہے وہ اُس کے بچوں کو ملے ورنہ عام طور پہ وہ بھوکوں مر جائیں گے اس قدر عالمگیر تھا کہ آقا کی مخالفت کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی اور ابتک برائے نام جاگیر کے مالک کے پاس کچھ نہ رہا بجز اُن خدمات اور واجبات کے جن کی

ادائیگی عملی تصرف یعنی باجگزار نے جاگیر حاصل کرتے وقت اپنے ذمّے عائد کرلی تھی۔ مختصر یہ کہ فیصف درحقیقت باجگزار کی ملکیت ہوگئی اور آقا کے ہاتھ میں اُس کی پہلی ملکیت صرف ایک خواب وخیال رہگئی۔ آجکل کسی زمین کا مالک یا تو خود اُس کو اپنے استعمال میں لاتا ہے یا مقررہ وقت تک مقررہ لگان پر بطور ٹھیکہ کے دیدیتا ہے لیکن قرون وسطیٰ میں زیادہ تر اراضی اُن لوگوں کے قبضہ میں تھی جو درحقیقت نہ اس کے مالک تھے نہ باقاعدہ لگان ادا کرتے تھے تاہم اصلی مالک یا اُس کے جانشین اس پر بھی اُن کو اراضی سے محروم نہیں کرسکتے تھے۔

بادشاہ کے ماتحت باجگزار اُس کے قبضہ میں نہیں ہوتے تھے

ظاہر ہے کہ بڑے بڑے باجگزار جو اپنی اپنی جاگیریں بادشاہ سے براہ راست حاصل کرتے تھے قریب قریب خود مختار ہوگئے جب انکی جاگیریں اُن کو ابدالاباد تک مل گئیں۔ اُن کے باجگزار بھی چونکہ وہ بادشاہ سے کوئی معہودہ تعلق نہ رکھتے تھے شاہی اقتدار سے بالکل علیحدہ تھے۔ نویں صدی سے تیرہویں صدی تک شاہ فرانس یا شاہ جرمنی بڑے حصّہ سلطنت پر جس میں وہ رہا یا آباد تھی جو ایک قانونی بادشاہ کی حیثیت سے اُس کی اطاعت گزار تھی حکومت نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ وہ اُس کو ٹیکس ضرور ادا کرتی تھی اور سلطنت کے سردار کی حیثیت سے اُس کے جھنڈے کے نیچے لڑنے کے لئے پابند تھی۔ ایک فیوڈل مالک اراضی کی حیثیت سے بادشاہ خود بھی بعض خدمات اور اُن کی وفاداری اپنے باجگزاروں سے طلب کرنے کا حق رکھتا تھا لیکن لوگوں کی بڑی جماعت جن پر وہ برائے نام حکمران تھا خواہ وہ امرا میں سے تھے یا نہ تھے براہ راست بادشاہ کو کچھ نہ دیتے تھے کیونکہ وہ دیگر فیوڈل مالکان اراضی کی زمینوں پر رہتے تھے اور وہ کم وبیش بادشاہ کی اطاعت سے آزاد تھے۔

یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ فیوڈل رواج میں کلّی یگانگت یہاں تک کہ ایک چھوٹی سلطنت کی حدود کے اندر بھی اور مغربی یورپ کے تمام ممالک کا تو کیا ذکر مشکل سے ہوسکتی تھی فیوڈلزم کی تدریج اور بے قاعدہ ترقی کے بارہ میں کافی لکھا جاچکا ہے۔ تاہم فرانس، انگلستان اور جرمنی کی حکومت کے سیتوں میں ایک قابل الذکر مماثلت ومشابہت تھی یہیں فرانس کے فیوڈلزم کی

خاص خاص خصوصیات کے بیان سے جہاں پہ نہایت زور دن پرتھا اُن عام حالتوں کا اندازہ ہو سکے گا جو تمام ممالک میں جن کا حال ہمارے زیر مطالعہ ہے پائی جاتی تھیں ۔

فیف، فیوڈلزم کا مرکزی صیغہ تھا

فیوڈلزم کا مرکزی شعبہ فیف تھی اور اسی سے اُس کا نام نکلا ہے ۔ لفظ کے معمولی معنوں میں فیف اُس زمین کو کہتے ہیں جس کا استمراری استعمال اُس کے مالک یا قابض نے کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دیدیا ہو کہ اُس کا لینے والا اُس کے مالک یا قابض کا باجگزار ہوجائے گا ۔ جو شخص باجگزار بننا چاہتا تھا اپنے آقا کے سامنے جھکتا تھا

احترام

اور اُس کا احترام اپنے ہاتوں کو اپنے آقا کے ہاتوں میں دیکر کرتا تھا اور اپنے آپ کو اپنے آقا کا " آدمی " فلاں فلاں فیف یا جاگیر کے لئے ظاہر کرتا تھا ۔ بعد ازاں آقا اپنے باجگزار کو بوسۂ امن و امان دیتا تھا اور اُس کو نیچے سے اٹھاتا تھا ۔ پھر باجگزار وفاشعاری کا حلف انجیل پر اُٹھاتا تھا یا کسی مقدس یادگار پر اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے آپ کو اُن تمام فرائض کے ادا کرنے کا جو اُس کے آقا کے ہیں پابند بناتا تھا ۔ یہ احترام کرنے کا عمل جو اپنے ہاتوں کو اپنے آقا کے ہاتوں میں دیکر وفاشعاری کا حلف اٹھانے سے ظاہر کیا جاتا تھا ہر باجگزار کی سب سے پہلی اور نہایت ضروری خدمت تھی جو فیوڈل تعلق پیدا کرتی تھی ۔ اگر کوئی باجگزار اپنی جاگیر کے لئے وقتِ انتقالِ جائداد اُس احترام سے انکار کرتا تھا تو وہ بغاوت اور خودمختاری کے اعلان کے برابر سمجھا جاتا تھا ۔

باجگزار کی خدمات

فوجی خدمت

باجگزار کی خدمات بیحد مختلف تھیں ۔ احترام سے بعض اوقات اس سے زیادہ مراد نہ ہوتی تھی کہ باجگزار اپنے آپ کو صرف اس قدر پابند کرے کہ وہ اپنے آقا کی عزت یا جائداد پہ کوئی حملہ نہ کرے گا اور نہ نقصان پہنچائیگا یا اُس کے مفاد کے خلاف کسی دوسرے طریقہ سے کوئی کوشش نہ کرے گا ۔ باجگزار سے امید کیجاتی تھی کہ وہ اپنے آقا کے شریک حال ہوگا جب کوئی مہم درپیش ہوگی ۔ اگرچہ یہ بھی عام طریقہ تھا کہ کوئی باجگزار چالیس روز سے زائد اپنے صرفے سے خدمت کرنے کے لئے مجبور نہ تھا ۔ اُس مدت

کے تعین کے لحاظ سے بھی جو کسی باجگزار کو اپنے آقا کی قلعہ کی حفاظت کرنی ہوتی تھی قواعد بالکل مختلف تھی۔ فوجی خدمات کا کم زمانہ آقا کے لئے بیحد تکلیف دہ ثابت ہوتا تھا لہذا تیرہویں صدی میں یہ عام رواج ہو گیا کہ بادشاہ اور بڑے امرا لشکریوں کی ایک جماعت ملازم رکھنے لگے جنہیں وہ ہر وقت اور کسی مدت تک بھروسہ کر سکتے تھے اور اُن کو روپیہ کی جاگیریں دیدیتے تھے۔ ایک نائٹ (سردار لشکر) کو کچھ آمدنی اس شرط پر دیجاتی تھی کہ معطی لہٗ نہ صرف اپنے آقا کا باجگزار رہے گا بلکہ اُس کے واسطے جب کبھی ضرورت ہوگی وہ لڑنے کے لئے تیار رہے گا۔

روپیہ کی جاگیریں

دیگر فیوڈل خدمات

اُس فوجی خدمت کے علاوہ جو باجگزار کو اپنے آقا کی کرنی پڑتی تھی اُس سے یہ بھی توقع کی جاتی تھی کہ بروقت طلبی وہ آقا کے دربار میں حاضر ہو۔ وہاں وہ دیگر باجگزاروں کے پاس بیٹھتا تھا تاکہ اُن معاملات پر جن میں اُن جیسے دیگر باجگزار غور و فکر کر رہے تھے اپنی رائے دے اور دوسروں کی رائے سنے[1]۔ علاوہ ازیں جب کبھی اُس کا آقا اُس سے صلاح لے اُس کو مشورہ دینا پڑتا تھا اور خاص خاص موقعوں پر حاضر ہونا پڑتا تھا۔ بعض صورتوں میں باجگزار اپنے آقا کو روپیہ بھی پیش کرتے تھے اور اُن کو بذات خود اُس کی خدمت کرنی پڑتی تھی۔ مثلاً جب جاگیر کسی آقا یا باجگزار کے مرنے پر منتقل ہوتی تھی یا جاگیر فروخت کی جاتی تھی یا آقا کو اپنے سب سے بڑے بیٹے کو نائٹ (سردار لشکر) بنانے میں غیر معمولی خرچ کی ضرورت ہوتی تھی یا اپنی لڑکی کو جہیز دیتا تھا یا جب وہ قید ہو جاتا تھا تو اُس کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہوتا تھا۔ اور سب سے آخر یہ کہ باجگزار اپنے آقا کی دعوت کرتا تھا اگر اُس کا آقا اُسکی طرف سے گذرے۔ بعض فیوڈل معاہدوں میں نہایت مضحکہ خیز تفصیل درج ہے

ادائیگی زر

---

[1] فیوڈل دربار خصوصاً بڑے امرا اور خود بادشاہ کے دربار بعد ازاں حقیقی حکومت کے مرکز ہونے والے تھے جن میں باقاعدہ عدالتی، مالی اور انتظامی جماعتیں سیاسی خدمات بھی انجام دیتی ہیں۔ مؤلف۔

مثلاً یہ کہ ڈیوک کتنی مرتبہ آقا آسکتا ہے اور کتنے ہمراہی اپنے ساتھ لاسکتا ہے اور اُس کو کیا کیا خوراک دی جائے گی۔

جاگیروں کی مختلف قسمیں ہر قسم اور ہر درجہ کی جاگیریں ڈیوک اور کاؤنٹ سے لیکر جو براہ راست بادشاہ سے اپنی جاگیر حاصل کرتے تھے اور عملی طور پر خود مختار شہزادہ کے اختیارات رکھتے تھے ایک معمولی نائٹ کی اراضی تک جس کے قطعات زمین کو کاشتکار یا سرف جوتتے بوتے تھے اور جو اُسکے گزر اوقات اور اُس کے گھوڑے کے خرچ کے لیئے بمشکل کافی ہوتی تھی جس پر سوار ہو کر وہ اپنے آقا کی فوجی خدمت ادا کرتا تھا اُس وقت موجود تھیں۔

اُمرا قرون وسطیٰ کے زمرۂ امرا میں شریک ہونے کے لئے عام طور پر یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی ایسی جاگیر پر قابض ہو جس کے متعلق صرف معزز خدمات ہوں اور وہ خدمات نہ ہوں جو کسی کاشتکار یا سرف کے لئے رائج تھیں۔ علاوہ ازیں ایک امیر آزاد بھی ہو اور اُس کے پاس کم ازکم اُس کے گزر اوقات اور اُس کے گھوڑے کے خرچ کے لئے کافی آمدنی ہو تاکہ اُس کو کسی قسم کی محنت نہ کرنی پڑے۔

اُن کے حقوق بعض خاص حقوق سے امرا مستفید ہوتے تھے جو اُن کو غیر امرا طبقہ سے ممتاز کرتے تھے۔ اِن میں سے اکثر حقوق فرانس میں انقلاب فرانس تک قائم رہے اور براعظم میں بھی اور مقامات پر جاری رہے اور اٹلی اور جرمنی میں انیسویں صدی تک بدستور برقرار رہے۔ ٹیکس سے جزواً مستثنیٰ ہونے کا سب سے بڑا حق تھا۔

اُمرا کے طبقات قائم کرنے کی دشواری امرا کے درجے قائم کرنے کی خواہش قدرتاً ہوتی ہے اور مثلاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈیوک (وزیر) ، کاؤنٹ (امیر) اور مارکوئس (امیر) میں کیا فرق تھا۔ بدقسمتی سے کم ازکم تیرہویں صدی سے قبل خاص مقررہ درجے نہ تھے۔ مثال کے طور پر ممکن ہے ایک کاؤنٹ بہت ہی غیر معروف شخص ہو اور اُس کی جاگیر عہد شارلمین کے ضلع (کاؤنٹی) سے زائد نہ ہو یا وہ بہت سے قدیم اضلاع کا مالک ہو اور اُس کی طاقت ایک ڈیوک کے

برابر ہو مگر عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈیوک، کاؤنٹ، اسقف اور ایبٹ اعلیٰ طبقہ میں شمار ہوتے تھے جو بادشاہ سے بلا واسطہ جاگیریں حاصل کرتے تھے۔ اُن کے بعد درجہ دوئم کے امرا کا درمیانی طبقہ تھا جو عام طور پر بادشاہ کے ماتحت باجگزار ہوتے تھے اور ان کے نیچے کے طبقہ میں نائٹ (سردار لشکر) ہوتے تھے۔

فیوڈل رجسٹران | شرائط اراضی اور فیوڈل طریقہ کی پیچیدگی نے فیوڈل آقاؤں کے لئے اپنے مقبوضات کے باقاعدہ رجسٹران رکھنے کو لازمی کر دیا۔ ان رجسٹروں میں سے بہت کم موجود ہیں۔ لیکن ہم کو خوش قسمتی سے شیمپین کے کاؤنٹ کا رجسٹر مل گیا ہے جو تیرہویں صدی کے آغاز کا ہے۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ فیوڈلزم عملی طور پر درآمل کیا تھا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فیوڈل زمانہ میں کسی ملک کا قابل اطمینان نقشہ تیار کرنا ناممکن تھا۔

شیمپین کے امرا کے مقبوضات کی ترقی اُس عہد کی حالت کو ظاہر کرتی ہے | دسویں صدی کے افتتاح پر اُس عہد کی تاریخوں میں ہم کو ایک حریص ٹرائیز کے کاؤنٹ کا حال معلوم ہوتا ہے جس کا نام رابرٹ تھا اور جو ۹۲۳ء میں فوت ہوا جب وہ چارلس دی سمپل سے فرانس کا تاج شاہی چھیننے کی کوشش میں تھا۔ اُس کا علاقہ اُس کے داماد کو پہنچا جس کے دیگر مقبوضات میں پیشتر ہی سے چیٹیوتری اور میئو کے علاقے شامل تھے۔ اُس کے بیٹے نے اپنے ورثہ میں ان تینوں علاقوں کو پایا اور دانشمندانہ طریقہ سے غصب کر کے اپنے علاقے کو روز افزوں ترقی دی۔ یہ بتدریج ہڑپ کرنے کا طریقہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رہا یہاں تک کہ ایک مکمل علاقہ امرائے شیمپین کے قبضہ میں آ گیا جنھوں نے یہ نام بارہویں صدی کے افتتاح پر اختیار کر لیا تھا۔ یہ طریقہ تھا جس سے فرانس اور جرمنی میں فیوڈل ریاستیں قائم ہوئیں۔ فیوڈل امرا کے بعض خاندان قابل ثابت ہوئے کچھ تو چالاکی اور جبر سے اور کچھ بلاشبہ خوش قسمتی سے ایک معتد بہ علاقہ اسی طریقہ سے دبا بیٹھے جس طرح کہ شاہ فرانس بعد ازاں خود فرانس کے اجزا کو یک جا کر کے اُس پر قابض ہو گیا۔

امرائے نشیم پین کے رجسٹر سے فیوڈل تعلق کی پیچیدگی نمایاں ہے

رجسٹر متذکرہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ امرائے نشیم پین کے مقبوضات چھتیس اضلاع پر منقسم تھے جن میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک مستحکم قلعہ بنا ہوا تھا - ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ تقسیم اصلی علاقوں کے تقریباً مشابہ تھی جن کو امرائے نشیم پین یکجا اور متحد کرنے میں کامیاب ہوئے تھے - یہ تمام قسمتیں یا اضلاع دیگر رؤسا کی جاگیریں تھیں کیونکہ اپنی بہت سی جاگیروں کے واسطے امیر نشیم پین نے شاہ فرانس کا باقاعدہ احترام کیا تھا لیکن وہ بادشاہ کے علاوہ کم از کم نو دیگر رؤسا کا باجگزار تھا - اپنی جاگیر کا ایک جزو جس میں غالباً اس کا شہر ٹرائیز بھی شامل تھا اس نے برگنڈی کے ڈیوک سے حاصل کیا تھا - چیٹی لن - لے پرنے اور بعض دیگر قصبات اس نے ریمس کے اسقف اعظم کا "آدمی" بنکر لئے تھے - وہ سینس کے اسقف اعظم کا، چار دوسرے ہمسایہ اسقفوں کا اور اور سینٹ ڈینس کی بڑی خانقاہ کے ایبٹ کا بھی باجگزار تھا - اس نے ان تمام اشخاص سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ اُن کا وفادار اور خالص مددگار رہے گا اور جب اس کے مختلف آقا ایک دوسرے سے لڑنے لگے ہونگے تو اس امر کا پتہ لگانا نہایت ہی مشکل ہوگا کہ وہ کس کی امداد کرے - تاہم اس کی حالت دیگر بڑے فیوڈل رؤسا کی حالت کے مطابق تھی -

لیکن رجسٹر کا خاص مقصد یہ ظاہر کرنا نہیں تھا کہ کاؤنٹ کے کیا کیا فرائض تھے بلکہ یہ مقصد تھا کہ خاص اس کے کثیر التعداد باجگزاروں کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں - اس رجسٹر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی جاگیروں کو ماتحت باجگزاروں میں تقسیم کر دیا تھا اور اپنی مختلف ذرائع آمدنی کو کم از کم دو ہزار باجگزار نائیٹوں پر تقسیم کر رکھا تھا - اس رجسٹر میں وہ تمام شرائط درج تھیں جن پر ان نائیٹوں میں سے ہر ایک کو اراضی دی گئی تھی - بعض تو صرف کاؤنٹ کا احترام ہی کرتے تھے - بعض نے یہ اقرار کیا تھا کہ ہر سال ایک مدت معینہ تک جنگ میں اس کی خدمت کریں گے - بعضوں کو ایک مقررہ زمانہ تک اس کے قلعہ کی حفاظت کرنی پڑتی تھی - اس کاؤنٹ کے بہت سے باجگزار دوسرے رؤسا سے بھی زمین لے چکے تھے

کیونکہ ایسا کوئی قاعدہ نہیں تھا کہ جس سے ماتحت باجگزار براہ راست بادشاہ سے یا کسی دوسرے قرب وجوار کے بڑے زمیندار سے جاگیر نہ حاصل کر سکے۔ پس یہ بھی ہوتا تھا کہ شیمپین کے کاؤنٹ کے چند باجگزار انہی اشخاص سے زمین حاصل کر لیتے تھے جن سے خود کاؤنٹ نے اراضی حاصل کی تھی۔

اراضی کے علاوہ دیگر اشیا کو بھی فیوڈل طریقہ پر دیا گیا

یہ ظاہر ہے کہ امرائے شیمپین باجگزاروں کی اُس تعداد پر قانع نہ تھے جو انہوں نے اپنی اراضی کو ماتحت باجگزاروں میں تقسیم کر کے حاصل کی تھی۔ جس طرح اراضی کے استعمال کے لیے آقا کا احترام کیا جاتا تھا اُسی طرح یہ احترام مقررہ آمدنی کے لیے یا چند سیر غلہ کے لیے بھی جو آقا ہر سال مرحمت کیا کرتا تھا وہی احترام حاصل کیا جا سکتا تھا۔ پس روپیہ، مکانات، گیہوں، جوار، شراب، چونے حتیٰ کہ نصف شہد کی مکھیاں جو کسی خاص جنگل میں ہوں یہ سب فیوڈل طریقہ پر تقسیم ہوتی تھیں۔ یہ طریقہ ہم کو زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو تنخواہ پر نوکر رکھ لیا جائے لیکن تیرہویں صدی میں فیوڈلزم کی روایات لوگوں کے دل و دماغ پر اتنا اثر کئے ہوئے تھیں کہ اُنہیں جتنے امداد درکار ہو اُن کو باجگزار بنا لینا فطری معلوم ہوتا تھا۔ روپیہ کے ادا کرنے کا صرف وعدہ باجگزار کو کافی طور پر پابند نہیں کر سکتا تھا۔ خدمت کرنے کا حلف اُٹھانا معاہدہ کو سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم بنا دیتا تھا جو کسی اور طرح پختہ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔

لہٰذا اس سے ظاہر ہے کہ کوئی وارثوں کی باقاعدہ جماعت نہیں تھی جیسا کہ بعض مورخوں نے خیال کیا ہے جس میں بادشاہ سے لے کر ادنیٰ نائٹ بھی شامل ہوں جو فیوڈل امرا میں سے تھے۔ بلکہ اس بات نے کہ باجگزار اکثر مختلف روسا سے اراضی حاصل کرتے تھے فیوڈل تعلقات کو بجد پیچیدہ بنا دیا۔ جو خاکہ حسب ذیل درج ہے اگرچہ یہ کسی مقررہ وقت کی حالت کے مطابق نہیں ہے لیکن اس سے فیوڈل تعلقات کی پیچیدگی ظاہر ہو جائے گی۔

نوٹ - تیر کے نشان سے زمین ظاہر ہوتا ہے جس سے باجگزار ایک یا ایک سے زائد جاگیر حاصل کرتے تھے۔

فیوڈل سسٹم (مشروطہ زمینداری کا طریقہ) صرف بہ جبر قائم رہا

اگر کوئی شخص اُن قواعد کو پڑھے جو فیوڈل مقننوں نے بنائے ہیں اور باجگزار کے کل فرائض کے حالات غور سے پڑھے جو اُس زمانہ کے معاہدوں میں مذکور ہیں تو وہ یہ نتیجہ نکالیگا کہ ہر شے اس قدر باریک بینی اور سختی کے ساتھ مقرر کی جاتی تھی کہ امن و امان اور آزادی قائم رکھنے کے لئے فیوڈل تعلق کافی تھا۔ لیکن اصلی حالت معلوم کرنے کے لئے صرف اُس زمانہ کی کسی تاریخ کو پڑھکر دیکھئے تو یہ ظاہر ہو جائیگا کہ کلیسا کو چھوڑ کر تقریباً ہر کام میں جبر اور زور در کار ہوتا تھا۔ فیوڈل ذمہ داریاں کبھی پوری نہیں کی جاتی تھیں البتہ اُس وقت اُن کی تکمیل ہوتی تھی جب آقا کافی طاقتور ہوتا تھا اور اپنے باجگزاروں سے بہ جبر خدمت لے سکتا تھا۔ باجگزار ہونے کا معاہدہ اور اطاعت شعاری کا تعلق جو اس طرق کا اصلِ اُصول تھا ہمیشہ ٹوٹتا رہتا تھا اور عہد و پیمان کے پابند نہ باجگزار رہتے تھے اور نہ آقا۔

فیوڈل رشتہ کا ٹوٹنا

یہ اکثر ہوتا تھا کہ ایک باجگزار اپنے آقا سے مطمئن نہیں رہتا تھا اور وہ اپنی

وفاداری کو دوسرے رئیس کے یہاں منتقل کر دیتا تھا۔ بعض صورتوں میں اُس کو ایسا کرنے کا حق حاصل تھا مثلاً ایسے موقع پر جب اُس کا آقا اپنے دربار میں اُس کے ساتھ انصاف کرنے سے انکار کر دے۔ لیکن ایسی تبدیلیاں عام طور پر اُن فوائد کی غرض سے عمل میں آئی لگیں جن کے حاصل کرنے کی بیوفا باجگزار کو توقع ہوتی تھی۔ اُس زمانہ کی تحریرات انکارِ احترام سے پُر ہیں جو سب سے زیادہ معمولی طریقہ فیوڈل تعلق کو قطع کرنے کا تھا۔ جس قدر جلد کسی باجگزار کو یہ محسوس ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے آقا کی ناخوشی کا مقابلہ کرنے کے قابل ہے یا اُس کا آقا ایک بیکس نابالغ ہے وہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتا تھا اور اُس کی فیوڈل برتری کو تسلیم نہیں کرتا تھا جس سے اُس نے زمینداری حاصل کی تھی۔

فیوڈل دنیا کا قانون جنگ تھا

ہم کہہ سکتے ہیں کہ فیوڈل دنیا کا قانون اپنی تمام شکلوں میں جنگ تھا۔ بیچین امرا کا شغل لڑائی تھی جو زمین پر قابض رہتے تھے اور اپنی حکومت کے اقتدار سے کام لیتے تھے۔ کسی جنگجو قوم کی سخت وشدید عادات اور نا اتفاقی جو بیجا تعریفات حقوق یا خود غرضی اور طمع سے پیدا ہوتی تھی اِن سب سے ہمیشہ خون آشام لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں جن میں ہر آقا اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اپنے تمام باجگزاروں کو لڑاتا تھا۔ ایک حوصلہ مند باجگزار کو کم از کم ایک مرتبہ ضرور لڑائی کرنی پڑتی تھی۔ اوّل اپنے ہر ایک آقا سے دوسرے پادریوں اور ایبٹوں سے جن سے اُسے سابقہ پڑتا تھا اور جن کے اقتدار کو وہ خاص طور سے ناپسند کرتا تھا۔ تیسرے اپنے جیسے باجگزاروں سے اور سب سے آخر میں خود اپنے باجگزاروں سے۔ فیوڈل تعلقات صلح اور اتفاق کی ذمہ داری پیدا کرنے کی بجائے باہمی سخت مجادلے کے مستقل سبب ہو گئے۔ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی عارضی یا مستقل کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا متمنی رہتا تھا۔ یہ فرمستہ نا اتفاقی ایک ہی خاندان کے افراد میں بھی اپنا اثر کئے ہوئے تھی۔ بیٹا میراث کے ایک جزو سے فوراً متمتع ہونا چاہتا تھا اور اپنے باپ سے لڑتا تھا، چھوٹے بھائی بڑے بھائیوں سے لڑتے تھے اور بھتیجے اپنے چچاؤں سے جنگ و جدل کرتے تھے

جو اُن کو حقوق سے محروم کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔

خیالی طور پر ایک آقا اپنے باجگزاروں کو اپنی عدالت میں بہ جبر طلب کر کے اُن کے تنازعات کو باقاعدہ اور ایمانداری کے ساتھ طے کر سکتا تھا لیکن اکثر تو وہ اس قابل نہ ہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو وہ صلح کرانے کی طرف مائل نہ ہوتا تھا اور اگر ایسا کرتا بھی تھا تو اکثر اُس کو اپنے فیصلوں کے نفاذ کے لیئے دقت اُٹھانی پڑتی تھی پس باجگزاروں کو اپنے اپنے معاملات خود طے کرنے کے لئے آزادی حاصل تھی اس لیئے اُن کی زندگی کا خاص مقصد باہمی جنگ وجدل ہو گیا قانون نے گویا عملاً جنگ کی اجازت دے رکھی تھی۔ تیرھویں صدی کے بڑے ضابطۂ فرانس میں اور گولڈن بل (طلائی گوسالہ) میں جو ۱۳۵۶ء میں جرمنی کے واسطے مجموعۂ قوانین بنایا گیا تھا قرب وجوار کی لڑائی ممنوع نہیں تھی۔ البتہ اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ لڑائی عمدہ اور شریفانہ طریقہ پر ہونی چاہیئے۔

کھیل اور بازیاں

کھیل اور بازیاں فوجی ورزشیں تھیں یعنی کھیل کی لڑائیاں تھیں تاکہ اُس بے لطف زمانہ کو جو اکثر حقیقی لڑائیوں کے مابین آتا رہتا تھا دلچسپی کے ساتھ گزارا جاسکے۔ دراصل یہ کھیل اور بازیاں بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی تھیں جن میں بعض اوقات مخالف امرا کی تمام سپاہ شامل ہوتی تھی۔ ان خراب کھیلوں کو پوپوں، کونسلوں اور بادشاہوں نے بھی حقارت سے دیکھا اور بُرا کہا لیکن آخرالذکر خود بھی کھیلوں کے ایسے شائق تھے کہ خود اپنے احکام کو جو ان کھیلوں کی ممانعت کے بارہ میں صادر کیئے جاتے تھے فوراً فراموش کر دیتے تھے۔

باہمی جنگ وجدل کے عظیم نقصانات عام طور پر تسلیم کیئے گئے۔

متواتر باہمی جنگ وجدل کا نقصان عظیم اور امن وامان کی ضرورت گیارھویں صدی کے آغاز ہی سے نمایاں ہو گئی تھی۔ تمام شور وشغب کے باوجود بنی نوع انسان ترقی کر رہی تھی۔ تجارت اور روشن خیالی قدیم شہروں میں روزافزوں تھی اور نئے شہروں کی ترقی کے لیئے شاہراہ تیار ہو رہی تھی۔ وہ

اشخاص جو سکون بخش پیشوں اور کاموں میں مصروف تھے مروجہ بدامنی کو ناقابل برداشت سمجھتے تھے۔
کلیسا جیسا کہ اس کے لئے مناسب تھا امن وامان قائم رکھنے میں اَن تھک کوشش کر رہی تھی۔
اور پادریوں کے لئے کوئی چیز ٹروس آف گاڈ (خدا کی عارضی صلح) سے زیادہ قابل تعریف نہیں
تھی۔ اس فرمان کی رو سے تمام مخالفین اور جھگڑے ہر پنجشنبہ کی رات سے ہر دوشنبہ کی صبح تک
بند رہنے چاہئیں اور کثیر التعداد روزوں کے دنوں میں بھی یہ شور وشغب نہ ہونا چاہیئے۔ کلیسا کی
کونسل اور تمام پادری فیوڈل آقاؤں سے ہفتہ وار صلح کو قائم رکھنے کا حلف لیتے تھے اور خوفناک
سزائے اخراج کے ذریعہ سے انہوں نے کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ ۱۰۹۵ء میں صلیبی لڑائیوں کے
شروع ہوتے ہی پوپوں نے عام صلح کے قیام میں کوشش کی تاکہ ترکوں کے خلاف لوگوں کی
جنگجویانہ عادت سے کام لیا جاسکے۔

اسی کے ساتھ ساتھ کم از کم فرانس اور انگلستان میں بادشاہ کی طاقت امن وامان
قائم رکھنے میں با اثر ہوگئی تھی۔ بادشاہ نے کوشش کی کہ ہر قسم کی پیچیدگی کو جو مخالف باجگزاروں میں
پیدا ہو اسلحہ کے ذریعہ سے مروجہ طریقہ پر دور نہ کی جائے۔ اپنی فوجی طاقت کو بڑھا کر جو اُس کی
فرمانبرداری تھی بادشاہ نے مجبور کیا کہ تمام نزاعی معاملات عدالتوں سے طے کرائے جائیں لیکن
سینٹ لوئی (جو ۱۲۷۰ء میں فوت ہوا) اور جس نے عام امن وامان قائم کرنے میں سب سے
زیادہ کوشش کی اپنے مقصد کو درجہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب نہ ہوا۔ ان حالات کا بتدریج
بہتر ہونا عام ترقی اور تجارت وصنعت وحرفت کی گرم بازاری پر موقوف رہا جن کی وجہ سے جنگجو
امرا روز بروز ناقابل برداشت سمجھے گئے۔

موجودہ یورپین سلطنتوں کے ابتدائی مدارج کے مطالعہ کی اہمیت

قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کا کوئی حصّہ اسقدر دلچسپ یا اہم نہیں ہے جسقدر کہ وہ حصّہ جس میں موجودہ قومی حکومت کی بتدریج ترقی کا ذکر ہے اور جو فیوڈل بدامنی سے جس میں شارلمین کی سلطنت اُس کی وفات کے بعد کی صدی میں مبتلا ہو گئی تھی نجات پانے کے بعد حاصل ہوئی۔ کسی شخص کو یہ دعویٰ نکرنا چاہیئے کہ وہ مغربی یورپ کی تاریخ کے عناصر کو بخوبی سمجھتا ہے جب تک کہ وہ اس قابل نہ ہو کہ ان سلطنتوں کے مختلف مدارج کو صاف طور پر بیان کر سکے جو آج کل یورپ کے نقشہ پر نظر آتی ہیں یعنی جمہوری سلطنت فرانس، جرمن سلطنت، آسٹریا ہنگری، اٹلی، برطانیہ عظمیٰ اور اسپین کی سلطنتیں کس طرح نویں صدی کے یورپ کی بدنظمی سے نکلکر منظم سلطنتیں بنیں۔

گذشتہ ابواب میں جو کچھ بیان کیا جاچکا ہے اُس سے یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ چارلس دی فیٹ (فربہ) کے معزول ہونے کے بعد دو تین صدیوں تک مغربی یورپ کی سیاسی تاریخ درحقیقت صرف کثیر التعداد فیوڈل رؤسا کی تاریخ تھی۔ اگرچہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ کے بادشاہ بعض اوقات اپنے قوی باجگزاروں سے کم طاقتور ہوتے تھے تاہم اُن کی تاریخ اُن کے باجگزاروں کی تاریخ سے زیادہ اہم ہے کیونکہ آخر کار یہ بادشاہ ہی تھے نہ کہ اُنکے مخالف ڈیوک اور کاؤنٹ جنہوں نے کامیابی حاصل کی اور موجودہ معنی کے لحاظ سے قومی حکومتیں قائم کیں۔ یہ اُنہی کی بدولت ہوا کہ یورپ کی بڑی سلطنتیں خصوصاً فرانس، اسپین اور

انگلستان پیدا ہوگئیں ۔

خاندانِ کیرولنگین اور خاندانِ اوڈو کے مابین نزاع

جیساکہ ہم بیان کرچکے ہیں مغربی فرینک سلطنت کے شمالی حصّے کے امرا نے ۸۸۸ء میں ناقابل چارلس دی فیٹ (فربہ) کی بجائے شجاع اوڈو کو جو پیرس، اپولائے اور آرلینس کا کاونٹ تھا اپنا بادشاہ منتخب کرلیا ۔ وہ ایک طاقتور امیر تھا اور اُس کے قبضہ میں علاوہ اُن مملکتوں کے جن پر وہ بحیثیت کاونٹ حکمرانی کرتا تھا وسیع مقبوضات تھے لیکن اپنی اس عمدہ حیثیت کے باوجود اپنی سلطنت کے جنوبی حصّے میں کسی عملی اختیار کو برتنے میں ناکام رہا ۔ شمال میں بھی اُسے متواتر مخالفت سے سابقہ پڑا کیونکہ وہ امرا جنہوں نے اُس کو منتخب کیا تھا اُس کو اپنی آزادی میں مخل ہونے کی اجازت دینے کا خیال نہ رکھتے تھے ۔ آخرکار چارلس دی سمپل جو چارلس دی بالڈ کا اکلوتا باقی پوتا تھا اوڈو کی بجائے بادشاہ منتخب کیا گیا ۔

ہیو کیپیٹ کا انتخاب جو کیپیٹین میں سب سے پہلا بادشاہ تھا ۹۸۷ء ۹۹۶ء

سو برس تک تاج شاہی شارلمین اور اوڈو کے خاندان میں گھومتا رہا ۔ پیرس کے امرا لائق اور متمول اشخاص تھے اور پچھلے کیرولنگین بادشاہ غریب اور بدقسمت تھے ۔ بالآخر آخرالذکر اپنے طاقتور رقیبوں کا شکار ہوگئے جنہوں نے ۹۸۷ء میں تخت پر واقعی قبضہ کرلیا اور ہیو کیپیٹ اہل گال، بریٹنس، نارمنس، ایکی ٹینیس، گاتھس، اسپینیارڈس اور گیسکنس مختصر یہ کہ اُن تمام لوگوں کا بادشاہ منتخب کیا گیا جو ہیو کے جانشینوں کے زمانہ میں ایک بڑی فرانسیسی قوم بن گئے ۔

مغربی فرینک سلطنت فرانس کہلائی جانے لگی

ہیو نے فرانس کے ڈیوک کا خطاب ورثتاً پایا تھا جس کو اُس کے مورثوں نے بادشاہ کے فوجی نمایندوں کی حیثیت سے پچھلے کیرولنگین شاہانِ فرانس سے جو دراصل دریائے سین کے شمال میں ایک ضلع تھا حاصل کیا تھا ۔ رفتہ رفتہ لفظ فرانس کا اطلاق اُن تمام مقبوضات پر ہونے لگا جن پر فرانس کے ڈیوک بادشاہوں کی حیثیت سے حکومت کرنے لگے ۔ پس ہم آیندہ مغربی فرینک سلطنت کو فرانس لکھینگے ۔

شاہی طاقت قائم کرنے کی دشواری

لیکن یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئیے کہ ہیو کی تخت نشینی کے

بعد دو صدیوں سے زائد عرصہ شاہانِ فرانس کو آجکل کے فرانس سے نصف علاقہ کی ایک حقیقی سلطنت بنانے میں صرف کرنا پڑا۔ کیونکہ تقریباً دو برس تک۔ خاندانِ کیپیٹ نے اصلی شاہی طاقت کی طرف کچھ بھی ترقی نہ کی۔ درحقیقت صورتِ معاملات بد سے بدتر ہوگئی یہاں تک کہ جس علاقہ پر وہ بحیثیت کاؤنٹ قابض تھے اور وہ اُن کا مقبوضہ کہا جاتا تھا وہ بھی اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہر جگہ ناصب حکمرانوں کے موروثی خاندان پیدا ہوگئے جنکو جڑ بنیاد سے اکھاڑنا جبکہ وہ ایک مرتبہ قدم جما چکے تھے ناممکن تھا۔ کیپیٹ کے علاقے میں مخالفوں کے قلعے موجود تھے جو بڑے شہروں کی تجارت کے لیے مستقل رُکاوٹ تھے اور دیہاتی لوگوں کے لئے ناقابلِ برداشت طاعون کی مانند تھے۔ مختصر یہ کہ شاہ فرانس اپنے شاہی اقتدار کے باوجود اپنے محدود علاقہ میں بھی نقل و حرکت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ شخص جو نہایت طاقتور جاگیرداروں کا آقا تھا پیرس سے باہر نکلنے کی ہمت قلعوں کی افواج سے مقابلہ کئے بغیر نہیں کر سکتا تھا جنکو جابجا امراء نے تعمیر کیا تھا اور جو پادری، سوداگر اور مزدور کے لئے یکساں وحشتناک تھے۔ روپیہ یا سپاہ کے بغیر بادشاہ اپنی محدود وراثت میں وقت ضائع کیا کرتا تھا۔ دور و دراز جاگیروں میں جو حدودِ سلطنت پر واقع تھیں اور نیز غیر ممالک میں بادشاہ کا وقار قائم تھا لیکن اندرونِ ملک اُس کی اطاعت اور عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دار السلطنت کے فوراً باہر دشمن کی جاگیر شروع ہو جاتی تھی۔

فرانس میں چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں کی پیدائش

دسویں صدی میں نارمنڈی، برٹنی، فلانڈرس اور برگنڈی کی جاگیروں نے ایک شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ اور وہ جاگیریں جن میں ایکی ٹین کی پرانی ریاست منقسم ہوگئی تھی ترقی کرتے کرتے چھوٹی چھوٹی قومیں بن گئیں جن میں سے ہر ایک قابل حکمرانوں کے خاندان کے ہاتھ میں تھی۔ ہر ریاست اپنے خاص رواج اور رسوم رکھتی تھی جن کے بعض نشانات کا کھوج ایک سیاح اب بھی فرانس میں لگا سکتا ہے۔ اِن چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی بنیاد اُمراء کے بعض خاندانوں نے

ڈالی تھی جن میں غیر معمولی طاقت پائدار تھا۔ فتوحات، خریداری یا شادی سے انہوں نے اپنی جاگیروں میں اضافہ کرلیا تھا۔ جو لوگ نافرمان ہو گئے اُن کے قلعے انہوں نے فوراً تاخت و تاراج کر دیئے اور اس طرح اپنے باجگزاروں پر انہوں نے اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ روپیہ یا اراضی کی جاگیریں ماتحت باجگزاروں کو عطا کرکے انہوں نے نئے وابستگان دولت حاصل کرلیے۔

نارمنڈی | ان ماتحت قوموں میں نارمنڈی سے زیادہ اہم اور دلچسپ اور کوئی قوم نہ تھی۔ نارتھمین عرصہ تک اُن لوگوں کے لیے جو جزیرۂ شمال کے قرب و جوار میں رہتے تھے قہر خدا یا ایک بلائے عظیم ثابت ہوتے رہے جب تک کہ اُن کے سرداروں میں سے ایک شخص رولو یا رولف نے چارلس دی سمپل (سادہ لوح) سے سنہ ۹۱۱ء میں ایک ساحلی ضلع برٹینی کے شمال میں نہ لے لیا جہاں کہ وہ اور اُس کے توابعین آرام سے سکونت اختیار کرسکیں۔ رولو نے ڈیوک آف نارمنس کا خطاب اختیار کرلیا اور مذہب عیسوی اپنی قوم میں جاری کر دیا ایک معتدبہ وقت تک ان نئے آنیوالوں نے اپنی اسکینڈی نیویا کی روایات اور زبان قائم رکھی پھر رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے ہمسایوں کی شائستگی اختیار کرلی اور بارھویں صدی تک اُن کا دارالحکومت رُوان یورپ کے نہایت روشن خیال شہروں میں شمار ہونے لگا۔ نارمنڈی شاہان فرانس کے لیے بیحد تکالیف کا سرچشمہ بنگئی تھی۔ جب کہ سنہ ۱۰۶۶ء میں ڈیوک ولیم فاتح نے انگلستان کو اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا تھا کیونکہ وہ اس قدر طاقتور ہو گیا تھا کہ اُس کا آقا اب مشکل سے یہ توقع کرسکتا تھا کہ وہ اپنے نارمن ڈیوکوں پر اپنا اقتدار قائم رکھ سکے گا۔

برٹینی | جزیرہ نمائے برٹینی جس میں کیلٹک لوگ آباد تھے جو برطانیہ کے ابتدائی باشندوں کی قوم سے تھے اور اسکینڈی نیویا کے لیٹروں کے حملوں کے خاص طور پر ہدف رہے تھے ایک وقت ایسا آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ضلع نارمنڈی کا ضمیمہ بن جائے گا۔ لیکن سنہ ۹۳۸ء میں ایک دلیر ایلین نامی جس کی ڈاڑھی بَل کھائے ہوئے رہتی تھی اجنبیوں کے ظلم و تعدی

سے اسے محفوظ رکھنے کے لئے پیدا ہوا۔ چنانچہ نارمنوں کو نکال دیا گیا اور فیوڈلزم نے قدیم انتظام فرقہ کی جگہ لے لی۔ اور بعد ازاں یہ علاقہ برٹینی کہلانے لگا۔ سولھویں صدی کے افتتاح تک یہ اسی طرح رہا اس کے بعد فرانس کی سلطنت کا جزو بن گیا۔

بلدانِ فلمیش کی اصلیت

دریائے سوم اور شیلٹ کے درمیانی زیریں علاقہ پر اہلِ شمال کے دباؤ کا ایک اہم اثر پڑا۔ وہاں کے باشندے قدیم رومی قلعوں میں پناہ گزیں ہونے لگے اور اُن کی مرمت کرنے لگے۔ وہ اس طریقہ سے مل جلکر رہنے کے عادی ہو گئے اور اسطرح بلدانِ فلمیش مثلاً گھینٹ، بروجیس وغیرہ آباد ہو گئے جو رفتہ رفتہ صنعت وحرفت اور تجارت کے مشہور مرکز بن گئے۔ اس ضلع کے اونچے گھرانوں کے باشیوں نے اپنا اقتدار اسکینڈنیویا کے غارتگروں سے ملک کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے حاصل کیا۔ فلانڈرس کے کاؤنٹ اس علاقہ پر حکمرانی کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن چھوٹے چھوٹے کاؤنٹ جو اندرونِ ملک میں رہتے تھے وہ اُن سے بالکل آزاد تھے لہذا انکی لڑائیاں اکثر خونریزیوں کا باعث ہوتی تھیں۔

برگنڈی

برگنڈی مشتبہ لفظ ہے کیونکہ یہ نام اُس علاقہ کے مختلف حصوں سے منسوب ہے جو برگنڈیوں کی سلطنت میں شامل تھا اور جس کو کلووس نے اپنی فرینک سلطنت کی توسیع کے وقت اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ نویں صدی کے خاتمہ کے قریب ہم پہلے پہل ڈیوک آف برگنڈی کا نام سنتے ہیں جو بادشاہ کا فوجی نمائندہ تھا (جیسا کہ شروع شروع میں تمام ڈیوک تھے) برگنڈی کے ڈیوک اپنے باجگزاروں کو اپنے قابو میں اس حد تک نہ رکھ سکے کہ وہ خود مختار ہو جاتے۔ لہذا وہ فرانس کے بادشاہوں کی اطاعت پر ہمیشہ کمربستہ رہے۔ ہم برگنڈی کا ذکر بعد ازاں کریں گے۔

ایکی ٹین کے ڈیوک اور ٹولوس اور سپٹمین کے کاؤنٹوں کے مقبوضات

ایکی ٹین کی قدیم ریاست (جو بعد ازاں گین کہلانے لگی) جس میں موجودہ وسطی اور جنوبی فرانس کا جزو اعظم شامل

تھا۔ ۸۵۶ء میں ناپید ہوگئی تھی لیکن خطاب ڈیوک آف اکی ٹین فیوڈل باجگزاروں کے ایک خاندان کو بادشاہ مرحمت کرتا رہتا تھا جنہوں نے بتدریج اپنی طاقت کو گیسکنی اور اس کے شمالی علاقہ تک وسعت دیدی تھی۔ جانب جنوب و مشرق ٹولوس کے کاؤنٹوں نے ایک چھوٹی ریاست کو جو عشقیہ[1] شاعری کے غیر معمولی علم ادب کا مرکز ہونیوالی تھی مستحکم کرنا شروع کردیا تھا۔ شیمپین کے علاقہ کا ذکر فیوڈلزم کی بحث میں پیشتر آچکا ہے۔

جن ملکوں پر ہیوکیپیٹ اور اُس کے فوری جانشینوں نے حکمرانی کرنے کی کوشش کی اُن سب کا ذکر اوپر کردیا گیا ہے۔ دریائے سون اور رہون کے مشرقی اضلاع جو اب فرانس میں شامل ہیں ۱۰۳۳ء میں آرلس کی سلطنت کا جزو بنائے گئے تھے جس کو برگنڈی[2] بھی کہتے تھے اور جو ۱۰۳۲ء میں جرمن بادشاہ کے قبضہ میں آگئی تھی۔

کیپیٹین بادشاہوں کی
پیچیدہ حیثیت

کیپیٹین فرمانرواؤں کی حیثیت پیچیدہ تھی۔ پیرس اور آرلینس وغیرہ کے کاؤنٹوں کی حیثیت سے وہ ایک فیوڈل امیر کے تمام معمولی حقوق سے مستفید ہوتے تھے؛ فرانس کے ڈیوکوں کی حیثیت سے دریائے سین کے شمالی ضلع پر اپنا مستقل اقتدار قائم رکھ سکتے تھے، بڑے فیوڈل شہزادوں مثلاً نارمنڈی کے ڈیوک فلانڈرس اور شیمپین کے کاؤنٹوں اور دیگر امرا کے آقاؤں کی حیثیت سے وہ اُن سے اپنا احترام کرا سکتے تھے اور ان عائدین سلطنت سے فیوڈل خدمات لے سکتے تھے لیکن علاوہ ان تمام حقوق کے جو اُن کو بحیثیت فیوڈل آقاؤں کے حاصل تھے وہ دیگر حقوق شاہانہ بھی رکھتے تھے۔ اُن کی تاج پوشی کلیسا کے ذریعہ سے پپن اور شارلیمین کی طرح مقدس بنادی جاتی تھی۔ پس وہ اس طرح سے خدا کی جانب سے کلیسا کے محافظ اور تمام مصیبت زدہ اور مظلومین سلطنت کے لئے عدالت گستری

[1] اصل کتاب میں لفظ ٹروبے ڈور ہے یعنی وہ طبقۂ شعرا جو اقسام کے عشق و محبت پر نظمیں لکھتے تھے۔ مترجم

[2] یہ برگنڈی اُس برگنڈی سے جس کا ابھی ذکر ہوا مختلف ہے۔ مؤلف۔

کے صحیح مخزن تھے۔ لہٰذا وہ لوگوں کی نظر میں بڑے سے بڑے باجگزاروں سے زیادہ بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ اپنے باجگزاروں کی بیعت کے علاوہ وہ اُن سب سے جہاں تک اُن کی رسائی تھی حلف وفاداری بھی لیتے تھے۔

برخلاف اس کے بڑے بڑے باجگزار اس نظریہ پر عمل کرتے تھے کہ بادشاہ صرف اُن کا فیوڈل آقا ہے۔ بادشاہ خود بھی اپنی حیثیت کے دونوں نقطۂ خیال کو تسلیم کرتا تھا اور اُس نے بادشاہ کے قدیم نظریہ سے اور اپنی فیوڈل سرداری کے خیال سے یکساں فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور اپنے مقبوضات پر جن میں المقدور اپنا روز افزوں قابو برقرار رکھا۔ تین سو برس سے زائد تک براہ راست خاندان کیپیٹین کی اولاد ذرینہ برابر بادشاہ ہوتی رہی۔ علاوہ ازیں ایسا بھی شاذ و نادر ہوا کہ کسی بچے کے کمزور ہاتوں میں تاج شاہی چھوڑا گیا ہو۔ چودھویں صدی کے افتتاح پر اس میں کبھی کوئی شک باقی نہ رہا تھا کہ آخر کار بادشاہ فیوڈل امرا پر غالب آئیگا۔

لوئی دی فیٹ (دی فیٹ)	فرانس کے بادشاہوں میں سب سے پہلے لوئی فربہ (۱۱۰۸ء تا ۱۱۳۷ء)
۱۱۰۸ء - ۱۱۳۷ء	نے اپنی خاص ریاست کے فتح کرنے کی اہم مہم کو کامیابی کے ساتھ

انجام دیا۔ وہ ایک چست و چالاک سپاہی تھا اور اُس نے ذرائع مراسلت کو جو اُس کے منتشر فیوڈل مقبوضات کے مابین تھے آزاد رکھنے کی کوشش کی اور غاصب قلعہ داروں کی طاقت کو توڑنے کا ذمہ داری کی لیکن اُس نے صرف ابتدا کردی تھی۔ یہ بات اُس کے مشہور پوتے فلپ آگسٹس (۱۱۸۰ء تا ۱۲۲۳ء) کے لئے مقدر ہوچکی تھی کہ وہ فرانس کی ریاست کو ایک حقیقی

سلطنت بنا دے۔

فلپ آگسٹس فرانس میں	فلپ کو اپنے خاندان کے پیشرو بادشاہوں سے زیادہ سخت مشکل
ہنری دوئم	کام کرنا پڑا۔ اُس کی تخت نشینی سے قبل اُن شاہی شادیوں کے

سلسلہ نے جو انگلستان کی تاریخ پر بڑا اثر ڈالتی رہی ہیں وسطی مغربی اور جنوبی فرانس کی اکثر جاگیریں نکلیں ہوئی کو شاہ انگلستان ہنری دوئم کے ہاتوں میں دیدیا تھا جو اب مغربی

یورپ کی سب سے زیادہ وسیع سلطنت پر فرمانروا تھا۔ ہنری دوئم، ولیم فاتح کی پوتی میٹیلڈا کا بیٹا تھا جس نے فرانسیسی بادشاہوں کے بڑے باجگزاروں میں سے ایک سے شادی کر لی تھی جو آنژو اور مین کا کاؤنٹ تھا۔ لہذا ہنری نے اپنی ماں کی طرف سے انگلستان کے نارمن بادشاہوں کے تمام مقبوضات یعنی انگلستان، ریاست نارمنڈی، اقتدار برٹینی اور باپ کی طرف سے مین اور آنژو کی ریاستیں ورثہ میں پائی تھیں۔ اور نیز اپنی شادی کی بنا پر، جو اس نے ایلینر سے کی اور وہ گیین (اس وقت اس کا نام ایکی ٹین تھا) کے ڈیوکوں کی وارثہ تھی، یہ ریاست بھی پائی تھی۔ اس طریقہ سے وہ جنوبی فرانس پر مع پوآئے ٹو اور گیسکنی کے قابض ہو گیا۔ ہنری دوئم تاریخ انگلستان میں اپنی بڑی اہمیت کے باوجود پیدائش اور ہمدردی دونوں کے لحاظ سے اسی قدر فرانسیسی تھا جس قدر کہ انگریز لہذا وہ نصف سے زائد وقت اور توجہ اپنے فرانسیسی مقبوضات پر صرف کرتا تھا۔

فلپ اور پلان ٹے جی نٹس

پس اس طرح شاہ فرانس کو یکایک ایک نئی مخالف ریاست سے سابقہ پڑا جو ایک قابل اور محنتی حکمراں کے ماتحت تھی اور اس کے مغربی حدود سے ملحق تھی۔ جس علاقہ کا وہ بادشاہ تھا اس کا نصف سے زائد حصہ اس ریاست میں شامل تھا۔ فلپ کی زندگی کا خاص مقصد پلان ٹے جی نٹس[1] سے نبرد آزمائی تھا جس میں اس کو زیادہ تر امداد اپنے دشمنوں کی باہمی جنگ وجدل سے ملی۔ ہنری دوئم نے اپنے فرانسیسی مقبوضات کو اپنے تین بیٹوں جافری، رچرڈ اور جان پر تقسیم کر دیا اور جو حکومت اس کو اس وقت حاصل تھی انہی تفویض میں کر دی۔ فلپ نے بھائیوں اور باپ کے باہمی متواتر تنازعات سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے رچرڈ شیر دل کی طرفداری اس کے باپ کے مقابلہ میں کی۔ جان لیک لینڈ (بلا اراضی) کی جو سب سے چھوٹا بھائی تھا رچرڈ کے خلاف حمایت کی وقس علیٰ ہذا۔ اگرچہ

---

[1] دیکھو شجرہ صفحہ ۱۴۰ مترجم۔

خاندانی نزاعات نہ ہوتے تو پلان ٹےجی نیٹ کی طاقتور بادشاہت فرانس کے شاہی خاندان کو تباہ و برباد کر دیتی جس کے محدود مقبوضات ہر سمت سے ان کی ریاست سے گھرے ہوئے تھے اور ہر طرف سے اُن پر حملہ ہو سکتا تھا۔

رچرڈ شیر دل

ہنری دوئم کی زندگی تک پلان ٹےجی نیٹس[1] کو فرانس سے خارج کرنے یا اُن کی طاقت کو بہت کمزور بنانے کا کوئی موقع نہ تھا لیکن جب اُس کا بے پروا بیٹا رچرڈ اوّل جس کو شیر دل بھی کہتے ہیں تخت نشین ہوا تو فرانسیسی بادشاہ کی امیدیں تعجب خیز طریقہ پر سرسبز ہوتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ رچرڈ نے اپنی سلطنت اُس کے حال پر چھوڑ کر مقدس سرزمین کی جانب صلیبی لڑائیوں میں شریک ہونے کے لئے رُخ کیا۔ اُس نے فلپ کو اپنے شریکِ حال بننے کی ترغیب دی لیکن رچرڈ کا برتاؤ ناقابلِ برداشت اور حاکمانہ تھا اور فلپ نہایت حوصلہ مند تھا اس لئے دونوں زیادہ عرصہ تک متحد نہیں رہ سکتے تھے۔ شاہِ فرانس جو جسمانی لحاظ سے کمزور تھا بیمار پڑ گیا اور اُسے اپنی واپسی کے لئے یہ اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ پس وہ گھر واپس آیا اور اپنے طاقتور باجگزار کے لئے مصیبتیں اور دقتیں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ جب رچرڈ خود چند سال کی بہادرانہ لیکن بے نتیجہ جنگ کے بعد واپس آیا تو اُس نے اپنے آپ کو فلپ کے ساتھ جنگ میں مبتلا پایا جس کے دوران میں وہ مر گیا۔

جان کے ہاتھ سے اُسکے خاندان کے مقبوضات نکل گئے

رچرڈ کے چھوٹے بھائی جان نے جو انگلستان کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہونے کی شہرت رکھتا ہے فلپ کے لئے فوراً ایسا عمدہ حیلہ مہیا کر دیا کہ جس سے اُس نے پلان ٹےجی نیٹ مقبوضات کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ جان کی طرف یہ شبہ کیا جاتا تھا کہ اُس نے اپنے بھتیجے آرتھر کے بیرحمانہ قتل میں چشم پوشی سے کام لیا جو جافری کا بیٹا تھا اور مین، آنژو اور ٹورین کے امراء اُس کے

[1] دیکھو نقشہ نمبر … صفحہ ۱۴۰ … ۔

باجگزار ہو چکے تھے۔ علاوہ انہیں وہ اس سے کم درجہ کے ایک گستاخانہ کا بھی مرتکب ہو چکا تھا یعنی اُس نے
ایک شریف عورت کو جو اُس کے ایک باجگزار سے منسوب ہو چکی تھی بھگا کر اُس سے خود شادی
کر لی تھی۔ فلپ نے جو جان کا آقا سمجھا جاتا تھا اُس کو فرانس کی عدالت میں آخر الذکر فعل کی جوابدہی
کے لئے طلب کیا۔ جان کے اس انکار پر کہ نہ وہ عدالت میں آئے گا اور نہ اپنے بر اعظم کے مقبوضات
کے لئے فرانسیسی بادشاہ کا احترام کرے گا اور نہ حلف وفاداری اٹھائے گا فلپ نے اپنی عدالت
کو حکم دیدیا کہ وہ تقریباً تمام پلان ٹیجی نیٹ کے مقبوضات کو ضبط کرنے کا فرمان جاری
کرے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ انگلستان کے قبضہ میں صرف گوشہ جنوب مغرب
فرانس رہ گیا۔

فلپ کو نہ صرف وادئی لوائر پر بلکہ خود نارمنڈی پر قبضہ کرنے میں کچھ بھی دقت نہ ہوئی۔
کیونکہ نارمنڈی نے پلان ٹیجی نیٹس کی بجائے اُس کو اپنا سردار ماننے میں کچھ عذر نہ تھا
اس کی وجہ یہ ہے کہ نارمن سے متواتر جیسے شاہ انگلستان روپیہ وصول کرتا رہا تھا۔ ہنری دوم کی
وفات کے چند برس بعد انگریزی بادشاہ بر اعظم کی اپنی تمام جاگیروں سے بجز گین کے ہاتھ
دھو بیٹھے۔ سب سے پہلی مرتبہ کیپیٹن مقبوضات فرانس کی بڑی فیوڈل ریاستوں میں کیا
بلحاظ وسعت اور کیا بلحاظ ملوک خاص الخاص ہو گئے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فلپ برخلاف
اپنے بزرگوں کے اپنی نئی فتوحات کا نہ صرف بادشاہ تھا بلکہ خود نارمنڈی کا ڈیوک اور
آنژو اور مین وغیرہ کا کاؤنٹ تھا۔ اُس کے مقبوضات کی حدود یعنی وہ اراضیات جن پر وہ
براہ راست بحیثیت فیوڈل آقا کے حکمران تھا اب سمندر تک وسیع ہو گئی تھیں۔

فلپ شاہی طاقت کو مستحکم کرتا ہے اور نیز شاہی مقبوضات میں اضافہ کرتا ہے

فلپ نے شاہی مقبوضات کو نہ صرف وسعت دی بلکہ اپنے اقتدار و
حکومت کو بھی اپنی رعایا کے تمام طبقوں پر مضبوط و مستحکم کر دیا۔ نیز وہ
شہروں کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے جو ایک صدی
پیشتر سے ترقی کر رہے تھے۔ اُن اضلاع میں جن کا الحاق اُس نے کیا چند اہم شہر تھے۔

وہ خاص طور سے اِن کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھتا تھا۔ اُس نے اُن کی حفاظت خود اپنے ہاتھ میں لے لی اور اپنے اختیارات کو اُن پر قائم کر دیا اور اِس طرح سے اُن فیوڈل رؤسا کے اقتدار اور ذرائع کو کم کر دیا جنکی ریاستوں میں شہر آباد تھے۔

شاہی جاگیریں

فلپ کے بیٹے لوئی ہشتم کی خاص ایجاد شاہی جاگیروں کی پیدائش تھی۔ یہ جاگیریں اُس نے اپنے چھوٹے بیٹوں کو مرحمت کیں جن میں سے ایک آرٹو اسکا کاؤنٹ کر دیا گیا دوسرا آنژو اور مین کا کاؤنٹ اور تیسرا آورجین کا کاؤنٹ بنا دیا گیا۔ مورخ عام طور پر اِس ایجاد کو فیوڈل خیالات کا دوبارہ اجراء اور نہایت بُرا اجراء سمجھتے ہیں۔ اِس سے نہ صرف سلطنت کے استحکام میں نقص پیدا ہوا بلکہ شاہی خاندان کے خود افراد میں باہمی تنازع کا بیج بو یا گیا۔

لوئی نہم ۱۲۲۶ء سے ۱۲۷۰ء تک

فلپ کے پوتے لوئی نہم یا سینٹ لوئی ۱۲۲۶ء سے ۱۲۷۰ء کی دراز سلطنت بہت سے نقطۂ خیال سے نہایت دلچسپ ہے۔ فرانس کے بادشاہوں کے تمام سلسلہ میں سینٹ لوئی غالباً خود سب سے زیادہ شجاع اور ہر دلعزیز شخص ہے اور اُس کی نیکیاں اور مہمات اپنے پیشروؤں کی نسبت بہت زیادہ تحریک کیگئی ہیں لیکن ہم کو فی الحال اُس کے اُن کارِ نمایاں سے تعلق ہے جو اُس نے فرانسیسی بادشاہت کے استحکام کے لئے کیا۔ وسطی فرانس کے اُمرا کی بغاوت کے بعد جو انگلستان کے بادشاہ

انگلستان کے بادشاہ کے فرانسیسی مقبوضات کے سوال کا تصفیہ ۱۲۵۹ء

سے متحد ہو کر ہوئی تھی اور جس کو لوئی نے بآسانی فرو کر دیا، اُس نے نہایت فراخ دلی اور عیسائی حمیت کے ساتھ پلان ٹے جی نیٹس سے ایک خاص تصفیہ کرنے میں کوشش کی یعنی شاہ انگلستان گیین، گیسکنی اور پوآئی ٹو کی ریاست کے لئے اُس کی اطاعت کا حلف اُٹھائے اور پلان ٹے جی نیٹس کے گزشتہ لقیتہ مقبوضات سے جو بر اعظم پر تھے دست بردار ہو جائے۔

بیلیس بادشاہ کی طاقت کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں

علاوہ اِن اہم ملکی تصفیوں کے لوئی نہم نے حکومت کے طرق کو بہتر کرنے میں اور بادشاہ کی طاقت کو مستحکم کرنے میں بہت کچھ کیا۔ فلپ آگسٹس نے ایک نیا عہدہ بیلیس کا قائم کر دیا تھا جو شارلیمین کے مسی ڈمنشزا کے عہدہ کے مشابہ تھا۔ یہ حکام تنخواہ دار تھے اور اکثر ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے تھے تاکہ وہ ایک جگہ جڑ نہ پکڑ جائیں اور طاقتور فیوڈل خاندان نہ قائم کر لیں جیسا کہ کاؤنٹ کر لیتے تھے جو ابتدا میں دراصل شاہی افسران تھے۔ لوئی نے بیلیس کے صیغہ کو جاری رکھا اور اُس کو وسعت دی۔ اِس طریقہ سے وہ اپنے مقبوضات پر کافی قبضہ واقتدار رکھتا تھا اور اِس امر کی جانچ پڑتال کرتا رہتا تھا کہ سب کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے اور سرکاری مالگزاری ٹھیک وقت پر ادا ہوتی رہتی ہے۔

لوئی نہم کی حکومت

تیرہویں صدی سے قبل فرانس میں حکومت کے موجودہ معنوں میں کوئی حکومت نہ تھی۔ بادشاہ اپنے معمولی فرائض بحیثیت فرمانروا کے ادا کرنے میں بھی بڑے جاگیرداروں، پادریوں اور دیگر اپنے مصاحبین کی کونسل کی صلاح اور مدد کا محتاج رہتا تھا۔ یہ کونسل کوئی باقاعدہ جماعت نہیں ہوتی تھی اور یہ حکومت کے تمام امور ایک قسم کو دوسری قسم سے ممیز کئے بغیر انجام دیتی تھی۔ لوئی نہم کے عہد میں یہ جماعت تین جماعتوں پر اپنی اپنی مختلف خدمات کے لحاظ سے منقسم کی گئی۔ اوّل جماعت، شاہی کونسل تھی جو بادشاہ کو سلطنت کے جملہ امور طے کرنے میں مدد دیتی تھی۔ دوم محکمہ حساب تھا جس کی تفویض میں مالگزاری کا کام تھا اور تیسری کونسل پارلیمان تھی۔ یہ ایک عدالت العالیہ تھی جس میں قانون داں شامل تھے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ پیچ در پیچ ہوتی گئی۔ بادشاہ کے ہمرکاب رہنے کی بجائے جیسا کہ اب تک ہوتا تھا اس نے اپنا مستقر پیرس میں دریائے سین کے ایک چھوٹے جزیرہ پر بنا لیا جہاں کہ بڑا دار العدالت (پیلےڈی جسٹس) اب تک موجود ہے۔ اپیلوں کا باقاعدہ طریقہ جو فیوڈل عدالتوں کے خلاف شاہی عدالتوں میں کئے جاتے تھے قائم ہو گیا۔ اِس سے بادشاہ کی طاقت

اُس کی سلطنت کے دور دور از حصوں میں بھی مستحکم اور روز افزوں ہوگئی۔ یہ بھی فرمان جاری کیا گیا کہ صرف شاہی سکّے بادشاہ کے مقبوضات میں مروّج رہیں گے اور یہ روپیہ تمام سلطنت میں ہر جگہ قبول کیا جائیگا اگرچہ باجگزاروں کا روپیہ بھی اُن کی علیحدہ علیحدہ ریاستوں میں مستعمل ہوتا رہے گا۔

فلپ دی فیسر (حسین) ۱۲۸۵ء سے ۱۳۱۴ء تک فرانس کا پہلا مطلق العنان بادشاہ تھا

سینٹ لوئی کا پوتا فلپ دی فیسر (حسین) ایک فرانسیسی بادشاہ کا سب سے پہلا نمونہ ہے جو مطلق العنان بادشاہ تھا اور جو اپنے حکم کی تعمیل کرانے کے ذرائع رکھتا تھا۔ اُس نے نہایت عمدہ اور منظم حکومت ورثہ میں پائی تھی جو شارلمین کے زمانہ سے ابتک قائم نہ ہوئی تھی۔ اُس کے اردگرد قانون دانوں کی ایک جماعت رہتی تھی جس نے بادشاہ کے حقوق اور اختیارات کے خیالات رومی قانون سے اخذ کئے تھے۔ وہ قدرتی طور پر ہر اُس شے کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے جو بادشاہ کی اعلیٰ طاقت میں مخل ہو۔ پس انہوں نے بادشاہ کو تمام حکومت اپنے ہاتوں میں بلالحاظ اس امر کے کہ اُس کے باجگزاروں اور پادریوں کو کیا کیا حقوق حاصل تھے لے لینے کی جرأت دِلائی۔

عوام الناس (کامنس) یا تیسرے طبقہ کی عام کونسل میں طلبی ۱۳۰۲ء

فلپ کی اِس کوشش نے کہ پادریوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی آمدنی میں سے حکومت کی امداد کے لئے ایک حصہ دیا کریں پوپ سے مناقشہ خرید لیا جس کی تفصیل کسی آیندہ باب میں کی جائیگی۔ کلیسا کے سردار کے خلاف تمام قوم کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے بادشاہ نے اپنی سلطنت کی بڑی کونسل ۱۳۰۲ء میں طلب کی۔ اُس نے پہلی مرتبہ شہروں کے نمایندوں کو بھی امرا اور پادریوں کے علاوہ جن سے بادشاہ ابتک مشورہ لینے کے عادی رہے تھے طلب کیا۔ اُس وقت جبکہ فرانسیسی عام کونسل[1] یا قومی جماعت عوام الناس کے

[1] عام کونسل اس وجہ سے کہلاتی پائی تھی کہ سلطنت کی تین کونسلوں کے قائم مقام اس کے عام اجلاس میں آتے (دیکھو صفحہ آیندہ)

قائم مقاموں کی شرکت سے ایک صورت اختیار کر رہی تھی، انگلستان اپنی پارلیمنٹ بنانے میں مصروف تھا۔ اگرچہ دونوں جماعتوں کی تاریخ ایک دوسرے سے بہت مختلف رہی جیسا کہ آئندہ چلکر معلوم ہوگا۔

ان عاقلانہ ذرائع سے جن کا ذکر کیا گیا ہے فرانسیسی بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو فیوڈل بدامنی سے بچایا اور مغربی یورپ کی سب سے زیادہ طاقتور بادشاہت کی بنیاد رکھی لیکن یہ سوال کہ ہمسایہ بادشاہ جو چینل کے اُس پار تھا کہاں تک اپنی طاقت کو برّاعظم پر وسعت دے سکتا ہے جواب کے بغیر ہی رہا۔ فرانس اور انگلستان کی حدود اب تک پورے طور پر طے نہ ہوئی تھیں لہٰذا چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں نہایت بربادکن لڑائیاں ہوئیں جن سے فرانس نے آخر کار فتحیابی کے ساتھ نجات پائی۔ اب ہم کو اُس کے انگریزی رقیب کی ترقی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۱) ممیز کر سکیں۔ اس امر کے بھی کچھ خفیف اور دھندلے نشانات پائے جاتے ہیں کہ فلپ نے چند شہریوں کو ۱۳۰۲ء سے قبل بھی طلب کیا تھا۔ مؤلف۔

باب یازدہم

انگلستان قرون وسطیٰ میں

مغربی یورپ کی تاریخ میں انگلستان کی اہمیت

مغربی یورپ کا وہ ملک جس کی تاریخ انگریزی زبان بولنے والی اقوام کو نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے واقعی انگلستان ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ اور انگلستان کی وسیع نوآبادیوں نے اپنی زبان، خیالات اور رواجات، علم ادب، قوانین اور حکومت کے مختلف شعبوں کی بہت سی خصوصیات کو انگلستان سے ورثہ میں پایا ہے لیکن اس جلد میں یہ ممکن نہیں ہے کہ انگلستان کے حالات مکمل طور پر بیان کئے جائیں۔ صرف اس قدر اُس کا ذکر کیا جائیگا جس قدر کہ اُس کا تعلق یورپ کی عام ترقی سے رہا ہے۔ اِس ترقی میں اُس نے اپنی تجارت وصنعت وحرفت اور نوآبادیوں سے بہت مدد دی ہے اور نیز اِس بات سے کہ اُس نے عوام کو شریک سلطنت بنا کر ایک نمونہ پیش کر دیا۔

وی سیکس کی فوقیت

جزیرۂ برطانیہ کا جرمن اینگلس اور سیکسنوں سے مفتوح ہونا پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ نیز ان قدیم مذہب کے پیروؤں کا کلیسائے روما کے نمائندوں سے مذہب عیسوی قبول کرنے کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ حملہ آوروں نے جو مختلف سلطنتیں قائم کیں اُن سب کو ایگبرٹ جو شارلیمین کا ہمعصر تھا وی سیکس کی جنوبی سلطنت کے ماتحت لے آیا لیکن جرمنوں کے طویل

ڈینس کے حملے۔ آلفریڈ اعظم نے اُن کو شکست دی ۸۷۱ء سے ۹۰۱ء تک

حملے ابھی ختم نہ ہوئے تھے اور ملک جز واً بھی متحد ہوا تھا کہ نارتھمین یا ڈینس نے جیسا کہ انگریز اُن کو کہتے تھے اور جو فرانس کو قتل وغارت کر رہے تھے انگلستان پر بھی حملے کرنے شروع کر دئے۔ بہت جلد انہوں نے

مستقل سکونت اختیار کرلی اور دریائے ٹھیمس کے ایک بڑے شمالی علاقہ کو فتح کرلیا۔ لیکن آلفریڈ اعظم نے ایک بڑی جنگ میں اُن کو شکست دی۔ یہ وہ پہلا انگریزی بادشاہ ہے جس کا حال ہمیں قابلِ اطمینان طریقہ پر معلوم ہے۔ اُس نے ڈینس کو عیسائی بننے کے لئے مجبور کیا اور اُس نے ایک حدِ فاصل اپنی سلطنت و یسیکس اور اُن کے درمیان ایک خط کو قائم کیا جو لندن سے تمام جزیرہ میں ہوتا ہوا چیسٹر تک جاتا تھا۔

آلفریڈ انگریزی زبان کی ترقی میں نمایاں حصّہ لیتا ہے

آلفریڈ تعلیم میں اُتنی قدر دلچسپی لیتا تھا جس قدر کہ شارلیمن کو تعلیم کا شوق تھا۔ اُس نے عالم راہبوں کو برِاعظم اور ویلز سے بطور اُستادوں کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے طلب کیا۔ اُس کی یہ خواہش تھی کہ تمام آزاد اشخاص (شرفاء) جو تعلیم کے بار کے متحمل ہوسکتے ہوں پورے طور پر انگریزی سیکھنے کے لئے مجبور کئے جائیں اور جو لوگ پادری بننا چاہیں اُن کو لاطینی بھی سیکھنی چاہیئے۔ اُس نے خود بوتھیس کی کتاب موسومہ اطمینانِ فلسفہ اور دیگر کتب لاطینی انگریزی میں ترجمہ کیں اور بلاشبہ مشہور کتاب تاریخ اینگلو سیکسنز کی تالیف میں حوصلہ افزائی کی جو موجودہ زبان میں سب سے پہلی تاریخ ہے۔

انگلستان آلفریڈ اعظم کی وفات سے نارمن فتوحات تک سنہ ۹۰۱ء۔ سنہ ۱۰۶۶ء

نویں صدی کے آخر میں ڈنمارک، سویڈن اور ناروے کی سلطنتوں کے قیام سے اسکینڈی نیویا (سویڈن اور ناروے) کے بہت سے ناخوش سرداروں نے قسمت آزمائی کے لئے ملک سے باہر جانا شروع کیا پس آلفریڈ کی وفات (سنہ ۹۰۱ء) کے بعد سے ایک صدی سے زائد عرصہ تک اہلِ ڈنمارک کے حملے ہوتے رہے اور ڈین جلڈ (یہ ایک قسم کا ٹیکس تھا جو لوگوں سے وصول کرکے حملہ آوران کو بوقت ضرورت ادا کردیا جاتا تھا تاکہ وہ رخصت ہو جائیں) کا ذکر بہت کچھ سننے میں آتا ہے۔ آخر کار ایک ڈنمارک کا بادشاہ جس کا نام کینیوٹ تھا سنہ ۱۰۱۶ء میں انگلستان کا بادشاہ ہونے میں کامیاب ہوا۔ ڈنمارک کا خاندان صرف چند برسوں تک انگلستان میں حکمراں رہا۔ اس کے بعد ایک آخری کمزور سیکسن بادشاہ ایڈورڈ دی کنفیسر

(اقراری) بیس برس تک حکومت کرتا رہا۔ اُس کے مرنیکے بعد ۱۰۶۶ء میں ولیم ڈیوک آف نارمنڈی تاج انگلستان کا مدعی بنا اور انگلستان کا بادشاہ ہوگیا۔ نارمن حملے سے انگلستان کی تاریخ کا وہ زمانہ جس کو عہد سکسین کہتے ہیں ختم ہوجاتا ہے۔ یہ وہ عہد تھا جس میں انگریزی قوم ایک صورت اختیار کررہی تھی۔ قبل اس کے کہ ہم ولیم فاتح کے کارناموں کا ذکر کریں ہم کو ایک نظر انگلستان کی اُس حالت پر جس میں کہ اُس نے اُس کو پایا ڈالنی چاہئے۔

برطانیہ اعظم ولیم فاتح کی تخت نشینی کیوقت

ولیم فاتح کی تخت نشینی کے وقت بھی برطانیہ اعظم انہیں تین بڑے حصوں پر منقسم تھا جو ابتک موجود ہیں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں غائب ہوگئی تھیں اور انگلستان جانب شمال دریائے ٹوائیڈ تک پھیلا ہوا تھا جو اُس کو سلطنت اسکاٹلینڈ سے، جیساکہ اب بھی، علیحدہ کرتی تھی۔ مغرب کی جانب ویلز تھا جس میں اُسوقت اصلی باشندگان برطانیہ آباد تھے جیساکہ ابتک ہیں اور جو جرمنوں کے حملوں کے وقت اُن کی تیغ خون آشام سے بچ رہے تھے۔ ڈینیس (اہل ڈنمارک) آبادی کے بڑے حصہ کا جزو بن گئے تھے اور تمام انگلستان ایک بادشاہ کی حکومت میں آگیا تھا۔ بادشاہ کی طاقت جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ترقی پذیر رہی۔ اگرچہ وہ اہم معاملات کو صرف کونسل (ویٹی نیج موٹ) کے مشورہ سے طے کرنے کا پابند تھا جس میں بڑے شاہی افسران، پادری اور اُمرا شریک ہوتے تھے۔ سلطنت شائرس[1] (اضلاع) میں تقسیم تھی جیسی کہ ابتک ہے اور ان میں سے ہرایک میں مقامی مجلس ہوتی تھی جو ایک قسم کی پارلیمنٹ تھی تاکہ مقامی معاملات طے کرتی رہے۔

وہٹ بی کی کونسل میں پوپ کی جماعت کی فتحیابی کے بعد کلیسا کا نظام باقاعدہ مرتب

---

[1] شائرس (اضلاع) کا پتہ کم ازکم آلفریڈ اعظم تک ملتا ہے اور اُن کے بہت سے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق ابتدائی سلطنتوں سے بھی تھا مثلاً اسکس، ایسکس، کینٹ اور نارتھمبرلینڈ پیش کئے جاسکتے ہیں۔

مؤلف

کیا گیا اور پادریوں کے باہمی ارتباط نے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں انگلستان کو براعظم سے بالکلیہ علیحدہ نہیں ہونے دیا۔ اگرچہ یہ جزیرہ یورپ کے بعض دیگر حصص سے تہذیب میں بہت پیچھے تھا لیکن انگریزوں نے ایک بڑی قوم بننے کی اور ایک قابلِ تعریف طرزِ حکومت کی بنیادیں رکھدی تھیں۔

فیوڈلزم انگلستان میں

انگلستان بھی فیوڈلزم کے اثر سے نہ بچ سکا۔ نارمنس قدرتاً اپنے ساتھ اپنے فیوڈل خیالات بھی لائے لیکن اُن کی آمد سے قبل بھی بہت سی باتوں سے فیوڈلزم کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ علیحدہ علیحدہ مجموعۂ اضلاع اَرلس (امرا) کی حکمرانی میں تھے جو بادشاہوں کے خوفناک رقیب ہو گئے اور پادریوں کو اُن لوگوں پر جو اُن کی وسیع ریاستوں میں رہتے تھے حکمرانی کرنے کا حق عطا کرنے کی عادت فرینک سلطنت کی اُن حالتوں کو یاد دلاتی ہے جو اُس زمانہ میں اُس کی تھیں۔ انگلستان کے بڑے بڑے زمیندار قریب قریب وہی اختیارات رکھتے تھے جو فیوڈل آقاؤں کو چینل کی دوسری جانب حاصل تھے۔

تاجِ انگلستان کے لئے ارل ہیرلڈ اور ڈیوک ولیم آف نارمنڈی کے مابین جنگ

جیسا کہ پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے ولیم آف نارمنڈی نے دعویٰ کیا کہ وہ تاجِ انگلستان کا مستحق ہے۔ اُس نے یہ بھی فرض کر لیا کہ جو اشخاص انگلستان میں اُس کے بادشاہ ہونے سے منکر ہیں وہ باغی ہیں۔ بہر حال اُس کے دعوے کی بنیاد کے بارہ میں ہم کو کچھ آگاہی نہیں ہے۔ یہ ایک قصہ مشہور ہے کہ وہ ایڈورڈ دی کنفیسر (اقراری) کے دربار میں آیا تھا اور اس شرط پر اُس کا یا جھگڑا ہو گیا تھا کہ اگر ایڈورڈ لاولد مرا تو وہ ولیم کو اپنا جانشین مقرر کر دیگا۔ لیکن ہیرلڈ ارل آف ویسیکس نے، جس نے ایڈورڈ کی وفات سے قبل اپنی طاقت کو اس طرح مستحکم کر لیا تھا کہ دوسری تین بڑی ریاستیں اپنے بھائیوں کے قبضہ میں کر دی تھیں، تاجِ انگلستان پر قبضہ کر لیا اور ولیم کے اس مطالبہ کی طرف کہ وہ تاج کو اُس کے حوالہ کر دے مطلق توجہ نہ کی۔

پوپ ولیم کے دعوے کی تائید کرتا ہے۔

پس ولیم نے پوپ سے اپیل کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ انگلستان

یقینی ہوگیا تو وہ انگریز پادریوں کو رومی لاٹ پادری کا ماتحت بنا دیگا۔ لہٰذا پوپ الیگزانڈر دوم (سکندر ثانی) نے ہیرلڈ پر خدا کی لعنت بھیجی اور ہر اُس مہم پر پیشتر ہی سے خدا کی رحمت بھیجی جو ولیم اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے انگلستان پر کرے۔ اِس لحاظ سے انگلستان کی فتح ایک مذہبی لڑائی ہوگئی اور چونکہ یہ مہم بخوبی مشہور ہو گئی تھی بہت سے جانباز ولیم کے جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو گئے۔ نارمن تیر انداز اور سوار، انگریزی سپاہیوں سے برتر ثابت ہوئے جو پیدل تھے اور اپنے ہتھیاروں سے ایسے مسلح تھے کہ بجز دست بدست کی لڑائی کے اور کسی طرح فائدہ میں نہیں رہ سکتے تھے۔ ہیرلڈ یادگار جنگ سینلاک[1] میں مارا گیا اور اُس کی فوج کو شکست ہوئی۔ چند مقتدر با اثر امرا اور چند پادریوں نے ولیم کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور لندن نے اپنے دروازے اُس کے لئے کھول دئے۔ اُس کی تاجپوشی بمقام ویسٹ منسٹر ۱۰۶۶ء میں بڑے دن کو ہوئی۔

جنگ سینلاک ۱۰۶۶ء
ولیم اوّل کی تاج پوشی لندن میں

اگلے چند برسوں میں ولیم کو بڑے امرا کی جس مخالفت اور جن بغاوتوں سے سابقہ پڑا اُس کی تاریخ کا ہم کھوج نہیں لگا سکتے۔ اُس کو اپنا اقتدار قائم رکھنا دوہرا مشکل ہو گیا کیونکہ براعظم پر بحیثیت ڈیوک آف نارمنڈی کے اُس کو وہاں کی مشکلات کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ کہنا کافی ہے کہ وہ اپنے تمام دشمنوں کے مقابلے میں آخر کار کامیاب رہا۔

ولیم کی حکمتِ عملی دربارہ انگلستان سے نہایت تدبّر ظاہر ہوتا ہے۔ اُس نے نارمن فیوڈلزم جاری کر دیا جس کا وہ عادی تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھا کہ اِس سے اُس کی طاقت کمزور نہ ہو جائے۔ وہ انگریز جنہوں نے جنگ سینلاک پر اُس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا باغی قرار دئے گئے لیکن اُن کی جاگیریں اِس شرط پر برقرار رہنے کی اجازت دیگئی کہ وہ اُن کو بادشاہ سے بطور رئیس کے باجگزار

ولیم کی عقلمندانہ حکمتِ عملی انگلستان میں

---

[1] یہ جنگ اکثر جنگ ہسٹنگز کے نام سے مشہور ہے جو اسی نام کا ایک …شہر ہے۔ مؤلف۔

سے حاصل کرلیں۔ اُن لوگوں کی جاگیریں جنہوں نے اُس کا مقابلہ مسلح ہوکر سینلاک پر کیا تھا یا پچھلی بغاوتوں میں شریک ہوئے تھے اور خاندان ہیرلڈ کی بڑی جاگیریں ضبط کرلی گئیں اور اپنے وفادار تابعین میں اُن کو تقسیم کر دیا خواہ وہ نارمن تھے یا انگریز اگرچہ قدرتاً نارمنوں کی تعداد انگریزوں سے بہت زیادہ تھی۔

انگریزی رواجات میں مداخلت کئے بغیر وہ تاج کی فوقیت سب سے منواتا ہے

ولیم نے اعلان کیا کہ وہ انگریزی رواجات کو بدستور قائم رکھیگا اور جس طرح ایڈورڈ دی کنفیسر جو آخری سیکسن بادشاہ تھا حکومت کرتا تھا اُسی طرح وہ بھی کرے گا۔ اُس نے انگریزی حاصل کرنے کی کوشش کی، وٹینیج موٹ (مجلس ملّی) کو قائم رکھا اور انگریزی رواجات پر کاربند رہا۔ لیکن وہ اس قدر مضبوط آدمی تھا کہ وہ اپنی رعایا کے بس میں نہیں آسکتا تھا۔ جہاں اُس نے کاؤنٹ یا ارل بعض شائرس (اضلاع) میں مقرر کئے (جنکو اب کاؤنٹی کہتے ہیں) وہاں اُس نے دیگر شاہی افسران کو جن کو شریف کہتے تھے اُن کا نگران حال بنایا۔ اُس نے کسی ایک شخص کو بہت سی ریاستیں کسی ایک حصۂ ملک میں نہیں دیں تاکہ وہ ناقابلِ علاج طریقہ پر طاقتور نہ ہو جائے۔ چھوٹے چھوٹے زمینداروں کی امداد حاصل کرنے کے لئے اور بڑے زمینداروں کا باہمی اتفاق اپنے خلاف روکنے کے لئے اُس نے انگلستان کے ہر زمیندار سے حلفِ وفاداری براہِ راست اٹھوایا۔ تاریخ اینگلو سیکسن (۱۰۸۶ء) میں یہ الفاظ درج ہیں "اس کے بعد

ولیم حلفِ وفاداری اپنے ماتحت جاگیرداروں سے بھی لیتا ہے

وہ اِدھر اُدھر گھومتا رہا یہاں تک کہ وہ یکم اگست کو سالسبری پہنچا اور وہاں اُس کے دانشمند آدمی (یعنی مشیران) جمع ہوئے اور تمام انگلستان کے زمیندار وہاں اکھٹے کئے گئے خواہ وہ کیسے ہی آدمی تھے اور تمام اُس کے سامنے جھکے اور اُس کے متوسلین بن گئے اور اُس کی وفاداری کا حلف اٹھایا کہ وہ باقی تمام آدمیوں کے خلاف اُس کے ساتھ وفاداری کرینگے"۔

ڈومسڈے بک

ولیم کو اپنی تمام مملکت کا کُل حال معلوم کرنے کا جس قدر شوق تھا وہ اُس کی

تاریخی کتاب اور قابل یادگار "ڈومسڈے بک" سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ انگلستان کی کل اراضیات کا ایک رجسٹر تھا جس میں ہر قطعہ اراضی کی قیمت، نام کاشتکاران اور اُس کا حلیہ وغیرہ، اُس کے موجودہ قابض کا نام اور اُس شخص کا نام جو فتح انگلستان سے قبل اُس پر قابض تھا درج ہوتا تھا۔ یہ سلطنت کی دستاویز وسیع معلومات سے پُر تھی جو ولیم کے ٹیکس وصول کنندگان کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوتی تھی۔ مورخ کے لئے یہ اب بھی بیش بہا چیز ہے اگرچہ بدقسمتی سے اُس کے بعض الفاظ بآسانی سمجھ میں نہیں آتے۔

ولیم فاتح اور کلیسا

ولیم کی حکمت عملی دربارہ کلیسا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُس کے مقاصد کو اپنے مفاد سے وابستہ کرکے اُن کی ترقی میں کوشاں تھا۔ اُس نے لین فرینک ایک باشندہ اٹلی کو جو نارمنڈی کی مشہور خانقاہ بیک کا افسر اعلیٰ رہ چکا تھا طلب کیا اور اُس کو کینٹربری کا لاٹ پادری مقرر کیا۔ بادشاہ نے پادریوں کو اپنے خاص معاملات خود طے کرنے کی اجازت دیدی اور پادریوں کی عدالتیں مقرر کردیں جو مختلف قسم کے مقدمات طے کرتی تھیں۔ لیکن اسقفوں سے بھی حلف وفاداری اُسی طرح لیا جاتا تھا جس طرح کہ کسی غیر پادری جاگیردار سے اور ولیم نے پوپ کو انگریزی معاملات میں اُس کی اجازت کے بغیر دخل دینے کی ممانعت کردی تھی۔ کوئی قاصد یا نائب جو پوپ نے بھیجا بادشاہ کی اجازت کے بغیر انگلستان کی سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ پوپ کا کوئی فرمان اُس کی منظوری کے بغیر انگریزی کلیسا میں وصول نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اُس کے ملازمین اُس کی منشاء کے بغیر مذہب سے خارج کئے جاسکتے تھے۔ جب گریگری ہفتم نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اُس اراضی کا جو اُس نے پوپ کی حمایت میں فتح کی تھی پوپ کا باجگزار بن جائے تو ولیم نے ایسا کرنے سے فوراً انکار کردیا۔

نارمن فتح کے عام نتائج

یہ ظاہر ہے کہ نارمن فتح سے صرف خاندان کی تبدیلی عمل میں نہیں آئی انگریزوں میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہوگیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر نارمن لوگ چینل کو پار کرکے انگلستان میں آ بسے لیکن بظاہر وہ معتدبہ تعداد میں آئے اور اُن کا اثر اور

اقتدار انگریزی دربار اور حکومت پر بہت زیادہ تھا۔ ولیم کی آمد سے ایک صدی بعد جملہ امرا، اُسقف، ایبٹ اور حکومت کے افسران کلی طور پر سب نارمن ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ صناع اور معمار جو قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے اور گرجائیں، قبرستان اور دار الغربا بناتے تھے جو اُس زمانہ میں انگلستان میں بکثرت تعمیر ہوتے تھے وہ سب نارمنڈی کو خیرباد کہکر انگلستان میں آرہے تھے۔ سوداگر نارمن شہروں رُوان اور کین سے لنڈن اور دیگر انگلستان کے شہروں میں آباد ہونے کے لئے چلے آئے تھے اور فلانڈرس کے کپڑا بننے والے مختلف شہروں یہانتک کہ دیہاتی اضلاع میں آکر بس گئے۔ کچھ عرصہ تک یہ نئے آنیوالے ایک علیحدہ جماعت رہے لیکن بارہویں صدی سے قبل وہ انگریزوں کی بڑی جماعت میں ایسے جذب ہو گئے کہ اُن میں اور انگریزوں میں جن کے درمیان وہ رہنے کے لئے آئے تھے کوئی امتیاز ہی نہ رہا۔ تاہم انہوں نے اُس قوم کو زیادہ مضبوط، زیادہ محنتی، زیادہ عاقل بنادیا اور مختلف پیشوں اور دلچسپیوں میں مصروف کر دیا۔

ولیم روفس ۱۰۸۷ء — ۱۱۰۰ء اور ہنری اول ۱۱۰۰ء — ۱۱۳۵ء

ولیم فاتح کے جانشین اُس کے دو بیٹے ولیم روفس اور ہنری اوّل ہوئے۔ آخر الذکر کی وفات پر ملک میں سخت خانہ جنگی ہو گئی کیونکہ بعض امرا نے فاتح کے نواسے اسٹیفن کی حمایت کی اور بعض نے اُس کی پوتی میٹلڈا کی طرفداری کی۔

زمانہ جنگی کا خاتمہ ہنری دوم کی تخت نشینی سے ہوا ۱۱۵۴ء — ۱۱۸۹ء

اسٹیفن کے بعد جب ہنری دوم جو میٹلڈا کا بیٹا تھا[ط] مسلمہ بادشاہ ۱۱۵۴ء میں ہوا تو اُس نے سلطنت کو نہایت خراب حالت میں پایا۔ امرا نے موجودہ بدمستی سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ کی بغیر اجازت
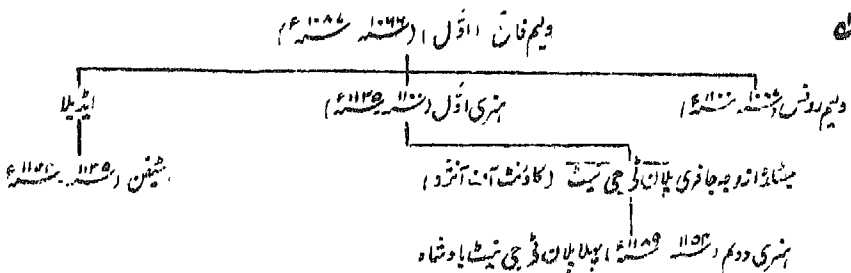
قلعے بنانے شروع کر دیئے اور خود مختار فرمانروا بن گئے۔ برّاعظم سے تاج کے مدعیوں نے تنخواہ دار سپاہیوں کو بُلایا جو قومی طاعون ہو گئے۔

هنری کی مشکلات اور اُس کا اُن پر غالب آنا

ہنری نے فوراً سخت تدابیر اختیار کیں۔ اُس نے اُن قلعوں کو جو بغیر اجازت بنا لیے گئے تھے جسٹر بنیاد سے اُکھڑوا دیا۔ تنخواہ دار فوجی سپاہیوں کو علیحدہ کر دیا اور بہت سے اُمراء کے خطابات چھین لیے جو اسٹیفن اور میٹلڈا نے اُن کو دیئے تھے ہنری دوئم کا کام مشکل تھا۔ اُس کو ضرورت تھی کہ وہ اپنی اَن تھک طاقت اور عقل کی تیزی سے کام لیکر انگلستان میں امن و امان قائم کرے اور نیز برّاعظم کی وسیع مملکتوں پر جو اُسے ورثہ میں ملی تھیں یا گنی کے ڈیوکوں کی وارثہ سے شادی کرنے کی وجہ سے اُس کے ہاتھ آ گئی تھیں حکمرانی کرے۔ اگرچہ اُس نے اپنی سلطنت کا زیادہ زمانہ چینل کے اُس پار گزارا تاہم وہ انگلستان کے تمام بڑے فرمانرواؤں کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔

طرز معدلت گستری میں اُسکی اصلاحات

اپنی رعایا کے تمام نزاعات کو طے کرنے کا حق قائم رکھنے اور نجی جنگ وجدل کے بہانہ کو دور کرنے کے لئے (اور یہ برائی تمام برّاعظم میں اُسوقت موجود تھی) اُس نے شاہی عدالتوں کے طرز عمل میں اصلاح اور ترقی کرنے کی فکر کی۔ اُس نے یہ انتظام کیا کہ جج ملک میں باقاعدہ دورہ کیا کریں تاکہ وہ ہر سال کم از کم ایک مرتبہ موقع پر مقدمات طے کر سکیں۔ اُس نے مشہور و معروف شاہی عدالت قائم کی جو بقیہ دیگر مقدمات کو جو بادشاہ کے اختیار سماعت کے اندر آتے تھے طے کرتی تھی۔

عدالت العالیہ

اس میں پانچ جج کچہری کرتے تھے جو اُسکی کونسل سے لئے جاتے تھے اور جن میں دو پادری اور تین غیر پادری ہوتے تھے۔ ہم اپنی بڑی عدالت کی شروعات ہر مقام کی ایک جماعت میں پاتے ہیں جس کے ممبران باقاعدہ حلف اُٹھاتے تھے اور ایسے بدمعاشوں کے خلاف جو اُن کے علم میں آتے تھے الزام قائم کرتے تھے۔

سماعت مقدمہ بذریعہ جوری

چھوٹی اور خفیف جوری کی ابتدا اور تاریخ جو در اصل ملزم کے مقدمہ کی

سماعت کرتی تھی لاپتہ ہے۔ ہنری دوئم نے اس کی بنیاد نہیں ڈالی البتہ اس کو ایک باقاعدہ طرز سماعت بنا دیا جو پہلے خاص حالتوں میں رعایتاً کسی ملزم کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا تھا کسی جماعت کے بارہ ممبران کو جن سے غیر جانبداری کا حلف لیا جاتا تھا کسی مشتبہ شخص کی بیگناہی یا جرم کو تجویز کرانے کی خدمت سپرد کر دینے کا طریقہ پہلے طریقوں سے بہت مختلف تھا۔ نہ یہ طریقہ رومی سماعت مقدمہ کے مشابہ تھا جہاں جج اپنا فیصلہ دیتے تھے۔ نہ یہ قرون وسطیٰ کے طریقہ ابتلا کی مانند تھا جہاں کہ خیال کیا جاتا تھا کہ خدا اپنا فیصلہ دیگا ہنری کے ججوں کے فیصلے تمام معاملات میں ایسے عمدہ اور باہم دگر متفق تھے کہ وہ دیوانی کے قانون کی بنیاد بن گئے جو ابتک اُن تمام ممالک میں جہاں انگریزی بولی جاتی ہے استعمال ہوتے ہیں۔

ہنری دوئم اور تھامس لے بیکیٹ ہنری کی سلطنت میں تھامس لے بیکیٹ کے مشہور جھگڑے نے درہمی و برہمی پیدا کر دی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے بادشاہ پادریوں پر کسقدر اعتماد رکھتے تھے اور اُن کی سلطنت کا کس قدر انحصار اُن پر تھا۔ بیکیٹ لندن میں پیدا ہوا تھا وہ ابتدا میں کلیسا کے معمولی عہدہ داروں میں تھا لیکن بتدریج تاج کی حمایت کرنے کی وجہ سے اُس کا اقتدار بڑھتا گیا۔ اُس نے ہنری کو تخت دلانے میں مدد دی۔ لہذا نئے بادشاہ نے اُس کو اپنا چانسلر مقرر کیا۔

بیکیٹ بحیثیت چانسلر بیکیٹ ایک قابل وزیر ثابت ہوا اور بادشاہ کے دعاوی کی حمایت کلیسا کے خلاف بھی کرتا رہا حالانکہ وہ کلیسا کا ایک عہدہ دار تھا وہ شکار اور جنگ کا شائق تھا اور بہت سی گرجاؤں کی آمدنی کے ذریعہ سے جو اُس کے قبضہ میں تھیں ایک شاندار دربار رکھتا تھا۔ ہنری نے خیال کیا کہ انگریزی پادریوں کے لئے اُس کے دانشمند اور دنیاوی چانسلر سے بہتر کوئی سردار نہیں ہو سکتا۔ لہذا اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ بیکیٹ کو کنٹربری کا لاٹ پادری کر دیا جائے۔ اُس زمانہ کے بادشاہ اکثر اپنے عہدہ افسروں کو پادریوں میں سے منتخب کیا کرتے تھے مثلاً لینفرینک فاتح کا خاص وزیر رہ چکا تھا۔ اس رواج کی بہت سی وجوہ تھیں۔ پادری غیر پادریوں سے

نہ صرف زیادہ بہتر تعلیم یافتہ ہوتے تھے بلکہ وہ عام طور پر ایسے خطرناک بھی نہ ہوتے تھے جیسے کہ فوجی افسران اور نیز اُن کے عہدے بھی موروثی نہیں ہو جاتے تھے۔

بیکیٹ کینٹربری کا لاٹ پادری بنگیا تو اُسنے کلیسائی حمایت بادشاہ کے خلاف کی

بیکیٹ کو کینٹربری کا لاٹ پادری مقرر کرکے ہنری کا ارادہ تھا کہ وہ کلیسا پر اپنا ذاتی کامل اقتدار قائم کرلے۔ اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ پادری مجرموں کے مقدمات کی سماعت شاہی عدالتیں کیا کریں اور اُن کو شل دیگر مجرموں کے سزائیں دیں نیز وہ تمام فیوڈل خدمات ادا کرنے کے لئے مجبور کئے جائیں اور اُن کے اپیل پوپ کے یہاں نہ ہوا کریں۔ لیکن بیکیٹ نے اپنی چانسلرشپ سے فوراً استعفا دیدیا، اپنی عیش و عشرت کی زندگی کو ترک کردیا اور کلیسا کی آزادی برقرار رکھنے میں بادشاہ کی ہر تجویز کی مخالفت کی۔ دنیوی سلطنت پر روحانی طاقت کی فضیلت کا بڑے زور شور سے وعظ کرکے تھامس غضبناک اور مایوس بادشاہ کے خوف سے فرانس بھاگ گیا اور پوپ کی حفاظت میں چلا گیا۔

بیکیٹ کا قتل اور ہنری کی پشیمانی

بادشاہ کی ظاہری مصالحت کے باوجود بیکیٹ بعض بڑے انگریزی پادریوں کو مذہب عیسوی سے خارج یا اُن کو معطل کرتا رہا اور جبکہ ہنری کو یقین تھا وہ اُس کے بیٹے کو تاج سے محروم رکھنے کی سازش کرتا رہا۔ اپنے تابعین کی جماعت میں ایک مرتبہ ہنری نے غصے کی حالت میں کہا "کیا کوئی شخص نہیں ہے جو مجھے اِس کمبخت پادری سے نجات دلائے؟" بدقسمتی سے بعض سرداروں نے اِن الفاظ کے لفظی معنی لئے اور بیکیٹ کو کنٹربری کے بڑے گرجا میں جہاں وہ واپس چلا گیا تھا قتل کرڈالا۔ بادشاہ دراصل جبر کا استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا اور اُس کا رنج اور پشیمانی جبکہ اُس نے اِس خوفناک واقعہ کی خبر سُنی اور اُس کا نتائج بد سے خوف کھانا واقعی اصلی اور سچا تھا۔ پوپ نے بادشاہ کو عیسائیت سے خارج کرنے کی تجویز کی لیکن ہنری نے پوپ کے نمایندوں سے بحلف یہ وعدہ کرکے صلح کرلی کہ وہ تھامس کی مرگ کا ہرگز خواہاں نہ تھا اور وہ کنٹربری کی تمام جائداد

جو اُس نے ضبط کرلی تھی واپس کر دیگا اور یروشلم کے مقدس شہر کو حاصل کرنے میں روپیہ سے امداد دیگا اور خود بھی صلیبی جنگ میں شریک ہونے کا قصد کریگا۔

رچرڈ شیر دل ۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۹ء

ہنری کی عمر کے آخری سال فرانس کے فلپ آگسٹس کی چالبازیوں اور خود اُس کے لڑکوں کی سازشوں اور جھگڑوں سے جن کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے بے لطف ہو گئے تھے۔ اُس کا جانشین اُس کا بیٹا عجیب و غریب رچرڈ شیر دل ہوا جو قرونِ وسطیٰ کے نہایت عجیب اشخاص میں سے ہے۔ لیکن وہ ایک کمزور حکمران تھا جس نے اپنی دہ سالہ حکومت کے صرف چند ماہ انگلستان میں گزارے۔ وہ ۱۱۹۹ء میں مرگیا اور اُس کی جگہ

جان ۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۶ء

اُس کا بھائی جان تخت نشین ہوا جو تمام بادشاہوں میں متفقہ طور پر نہایت قابلِ نفرت بادشاہ ہوا ہے۔ تاہم اُس کا عہدِ سلطنت انگلستان کی تاریخ میں قابل الذکر ہے۔ سب سے پہلے اُس کے قبضے سے براعظم پر جو اُس کے خاندان کے مقبوضات نارمنڈی، برٹینی، آنژو وغیرہ تھے نکل گئے۔ بعد ازاں رعایا کی بغاوت پر جس نے اُس کے استبداد کو اور زیادہ برداشت کرنے سے انکار کردیا وہ مجبور ہوا کہ گریٹ چارٹر (منشورِ عملِ عظمیٰ) عطا کرے۔ چینل کے ادہر جو مقبوضات اُس کے قبضے سے نکل گئے اُس کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے۔ اب صرف انگریزوں کی آزادی کے بڑے منشورِ عمل کا بیان کرنا باقی رہگیا ہے۔

آزادی کے منشورِ عمل کا عطا کرنا ۱۲۱۵ء

جب ۱۲۱۳ء میں جان نے اپنے انگریزی باجگزاروں کو سمندر پار اپنے گم شدہ مقبوضات کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے طلب کیا تو انہوں نے اُس کی معیت سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اُن کی فیوڈل خدمات اُن کے ملک کے اندرون تک محدود ہیں اور وہ بیرونِ ملک لڑنے کے لئے پابند نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایک نمایاں بےچینی کا اظہار کیا جو جان کے استبداد اور شاہی طاقت کی حدود سے متجاوز کرنے پر اُن میں پیدا ہو گئی تھی۔ حالانکہ ابتدائی نارمن بادشاہ برابر اُن حدود کا خیال کرتے رہے۔ ۱۲۱۴ء میں اُمرا کی ایک جماعت کا جلسہ ہوا جنہوں نے حلف اُٹھایا کہ وہ بادشاہ کو اگر ضرورت ہو اسلحہ کے

استعمال سے مجبور کریں گے کہ وہ ایک ایسے منشور عمل کا پابند ہو جائے جس میں وہ سب باتیں درج ہوں جو انگریزی روایات کے مطابق بادشاہ کو نہ کرنی چاہئیں۔ جان کے خلاف نبرد آزمائی کرنا لابد ہو گیا اور یہ باغی امرا مقام رنی میڈ پر جو لندن سے دور نہیں ہے اُس کے مقابلہ میں آکر جمع ہو گئے۔ یہاں ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو انہوں نے بادشاہ کو یہ حلف اٹھانے کے لئے مجبور کیا کہ وہ قوم کے حقوق کی نگہداشت کریگا جن کو انہوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنی فہم کے مطابق قلمبند کر دیا تھا۔

منشور عمل کی شرائط اور انکی اہمیت

حکومت انگلستان کی تاریخ میں غالباً نہایت مشہور دستاویز یہی بڑا منشور عمل ہے۔ اس زمانہ کے اہم اور دلچسپ حکومت کے سوالات کا یہ مختصر اور جامع بیان ہے۔ درحقیقت کل قوم نہ صرف چند امرا نے یہ بڑا عہدنامہ ایک ظالم بادشاہ سے کیا تھا۔ عوام الناس کے حقوق کی بھی امرا کے حقوق کے ساتھ حفاظت کی گئی ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے جاگیرداروں کی رسوم اور آزادیوں کا لحاظ کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور اپنے حقوق کو بیجا استعمال کرنے سے محترز ہوتا ہے اُسی طرح جاگیرداران بھی اپنے ماتحت جاگیرداروں اور آدمیوں کے حقوق کو ملحوظ رکھنے کا حلف اُٹھاتے ہیں۔ تاجر کا مال چھوٹے چھوٹے قصوروں کی بنا پر ضبط نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ کاشتکار کے آلات کشاورزی اور گاڑی پر کسی چھوٹے قصور کی وجہ سے بجبر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ بادشاہ کوئی ٹیکس سوائے تین[1] تحریر شدہ فیوڈل امداد کے وصول کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ البتہ قوم کی بڑی کونسل کی منظوری سے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس کونسل میں پادری اور بڑے بڑے امرا اور نیز

---

[1] یہ تین فیوڈل امداد حسب ذیل تھیں:۔

(۱) بادشاہ جب اپنے بڑے بیٹے کو ولیعہد مقرر کرے (۲) بڑی لڑکی کی شادی کرے (۳) نیز خود بادشاہ کا فدیہ ادا کیا جائے اگر وہ دشمنوں کے پنجہ میں گرفتار ہو جائے۔ مؤلف۔

وہ باجگزار جو اپنی جاگیریں براہ راست بادشاہ سے حاصل کر چکے ہوں شامل ہو سکتے تھے۔
اس منشور عمل میں کوئی نمبر اس نمبر سے زیادہ قابل الذکر نہیں ہے کہ کوئی شخص گرفتار کیا جائے گا نہ قید کیا جائیگا اور نہ اُس کا مال ضبط کیا جائے گا جب تک کہ عدالت امراسے اُس کا فیصلہ نہ ہو لے۔ اس چارٹر (منشور عمل) کی اہمیت سمجھنے کے لیے ہم کو فرانس کے اُس چارٹر کا جو ۱۸۶۵ء میں حاصل ہوا خیال کرنا چاہئے۔ بادشاہ کو اُس وقت یہ غیر محدود اختیارات حاصل تھے کہ وہ جس کو چاہے گرفتار کرا سکتا تھا اور اُس کو جب تک جی چاہے قید خانہ میں اُسکے مقدمہ کی سماعت کے بغیر اور نیز اُس کو اُس کے جرم کی اطلاع کئے بغیر رکھہ سکتا تھا۔
اس بڑے منشور عمل نے یہ بھی شرط لگائی کہ بادشاہ سوداگروں کو ادہر اُدہر آزادی سے گھومنے کی اجازت دے اور مختلف شہروں کے حقوق کی حفاظت کرے اور اُس کے افسران بھی اپنے ماتحتوں پر جابرانہ اختیارات استعمال کرنے سے باز رکھے گئے۔
اسٹبس صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ چارٹر اعظم قوم کا پہلا بڑا پبلک کام ہے جو اُس نے اپنی ایک صورت اختیار کر لینے کے بعد کیا اور اُس کام کا تکملہ ہے جس کے لئے بلا ارادہ بادشاہ، پادری اور مقنّن ایک صدی سے محنت کر رہے تھے۔ اُس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے کسی نسل یا خاندان کا امتیاز کیا جا سکے یا انگریزی اور نارمن قانون کے اختلافات اخذ ہو سکیں۔ یہ ایک لحاظ سے قومی زندگی کے زمانہ کا خلاصہ ہے اور دوسرے لحاظ سے ایک نئے عہد کی ابتدا ہے جو ختم ہونے والے زمانہ سے کچھہ کم پُر از واقعات نہیں ہے۔
جان نے اقرار صلح کرنے کے باوجود اپنی فطری دغابازی کے ساتھہ چارٹر کے شرائط سے گریز کرنے کی ایک بیکار کوشش کی لیکن نہ وہ خود اور نہ اُس کے جانشین اس دستاویز کو بالکل رد کر سکے۔ بعد ازاں وہ وقت بھی آیا جب انگلستان کے بادشاہوں نے اُس کے شرائط سے پہلوتہی کی اور مطلق العنان بادشاہوں کی طرح حکومت کرنا چاہا لیکن عوام الناس ہمیشہ جنگ یا بہ دیر چارٹر کا خیال کرتے تھے اور اس طرح سے یہ منشور عمل مستقل استبداد کے خلاف

انگلستان میں ایک مؤثر رکاوٹ ثابت ہوا۔

ہنری سوئم ۱۲۱۶ء تا ۱۲۷۲ء

جان کے بیٹے ہنری سوئم کے طویل عہد میں انگلستان نے اپنی پارلیمنٹ بنانی شروع کی۔ یہ وہ صیغۂ حکومت ہے جس نے نہ صرف تاریخ انگلستان میں نہایت عظیم کام انجام دیا ہے۔ بلکہ دُنیا کے تقریباً ہر مہذب ملک میں اس قسم کی جماعتوں کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوا ہے۔ ہنری کے اس شوق نے کہ غیر ملکیوں کو عہدے دئے جائیں اور اُس کے اس انتشارِ طبیعت نے کہ وہ اپنے اختیارات کو کام میں لائے جنکو ٹھیک طور پر برتنے کی نہ اُس میں عقل تھی نہ اُن کو بجا طور پر کام میں لانے کی طاقت تھی اور نیز اُس کی رضامندی نے جو اُس نے پوپ کو انگلستان میں ٹیکس وصول کرنے کی دیدی تھی امرا کو تاج کے خلاف مخالفت کرنے پر آمادہ کر دیا۔ امرا اور شہری جو بادشاہ کی مطلق العنان طاقتوں کی روک تھام کرنا چاہتے تھے اُس فوج میں شامل ہوگئے جو جنگ امرا کے نام سے موسوم ہے انہوں نے سائمن ڈی مانٹ فورٹ کو جو ہمدردِ قوم تھا اپنا سردار بنایا اور وہ ایک بہادر اور بے غرض مؤید حقوق قوم ثابت ہوا۔

انگریزی پارلیمنٹ

سیکسنوں کے عہد کی قدیم وائیٹج موٹ نیز نارمن بادشاہوں کی بڑی کونسل، امرا، پادریوں، اور ایبٹوں کی انجمن تھی جس کو بادشاہ وقتاً فوقتاً اپنے مشورہ، امداد اور گورنمنٹ کے اہم کاموں کی منظوری کے لئے طلب کرتا تھا۔ ہنری کے عہد میں اُس کے اجلاس بہت جلد جلد ہوئے اور اُس کے مباحثے نہایت زور شور کے ساتھ ہوئے اور لفظ پارلیمنٹ اُس پر چسپاں ہونے لگا۔

سائمن ڈی مانٹ فورٹ عوام کو پارلیمنٹ میں طلب کرتا ہے

۱۲۶۵ء میں ایک مشہور پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا جس میں سائمن ڈی مانٹ فورٹ کے اثر سے ایک نہایت اہم اور نیا طبقۂ ممبران بھی موجود تھا اور جس کی بدولت آئندہ اُس کی عظمت ہوئی۔ امرا اور پادریوں کے علاوہ شریفوں کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ دو سادہ نائٹ ہر کاؤنٹی سے اور دو دو شہری ہر موفقالحال شہر سے پارلیمنٹ میں شریک ہونے اور وہاں کے مباحثوں میں حصہ لینے کی غرض سے بھیجیں۔

ایڈورڈ اول کی ماڈل پارلیمنٹ

آیندہ بادشاہ ایڈورڈ اول نے اِس ایجاد کو پورے طور پر اختیار کرلیا۔ اُس نے بلاشبہ شہروں کے نمایندوں کو طلب کیا کیونکہ شہری متمول ہوتے جاتے تھے اور وہ یہ چاہتا تھا کہ حکومت کے اخراجات کے لیے اُن سے روپیہ کی منظوری کا موقع مل جائے۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ جب کبھی میں کوئی اہم کام کروں جس کا اثر تمام سلطنت پر ہو تو تمام طبقوں کی پسندیدگی حاصل کرنی چاہیئے۔ ۱۲۹۵ء کی ماڈل (نمونہ) پارلیمنٹ سے عوام یا لوگوں کے نمایندے پادریوں اور امرا کے ساتھ برابر شامل ہوتے رہے جب کبھی انگلستان کی اس قومی جماعت کا اجلاس ہوا۔ ہم آیندہ دکھلائیں گے کہ کس طرح ایڈورڈ کے بیٹے کے عہد میں دارالعوام اور دارالامرا پردۂ ظہور میں آئے۔

انگلستان چودھویں صدی میں

جیسا کہ ایک نامور مورخ گرین صاحب کہتے ہیں "ایڈورڈ اول کے عہد سلطنت سے ہم موجودہ انگلستان کو دیکھتے ہیں۔ بادشاہ، امرا، عوام، عدالت ہائے انصاف، کلیسا اور سلطنت کے تعلقات اور ایک بڑی حد تک خود سوسائٹی کی ساخت ان سب نے اُسی زمانہ میں اپنی وہ شکل اختیار کرلی تھی جو اب تک موجود ہے" علاوہ ازیں انگریزی زبان بھی وہ ذریعۂ اظہار مطالب ہونے والی تھی جسکو ہم آجکل استعمال کرتے ہیں۔

باب دوازدہم

جرمنی اور اٹلی دسویں اور گیارہویں صدی میں

جرمنی اور فرانس کی ترقیات کا مقابلہ

شارلمین کی سلطنت کے مشرقی یا جرمن حصّہ میں بادشاہت کی تاریخ فرانس کی بادشاہت کی تاریخ سے بہت مختلف ہے جس کا ذکر پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ چار صدیوں کی لڑائی کے بعد تیرہویں صدی میں یہ واضح ہو گیا تھا کہ کوئی جرمن (شارلمین کا پوتا) کے جانشین جرمنی کو ایسی سلطنت نہیں بنا سکتے تھے جیسی کہ سینٹ لوئی نے اپنی اولاد کو ورثہ چھوڑی تھی۔ تیرہویں صدی سے نپولین کے زمانہ تک سیاسی لحاظ سے کوئی جرمنی نہ تھی بلکہ وہ عملی خود مختار چھوٹی بڑی ریاستوں کا ایک مجموعہ تھی۔ صرف ایک یا دو نسل گزری ہیں کہ پروشیا کی ماتحتی میں جو ایسی سلطنت ہے کہ شارلمین کے عہد سے صدیوں بعد تک اس کا نام بھی نہیں سُنا گیا، پہلی خود مختار سلطنتیں، صوبے اور آزاد شہر ایک رشتہ سے منسلک کر دیے گئے ہیں جس کا نام اب سلطنتِ جرمنی ہو گیا ہے اور جنگِ یورپ ۱۹۱۴ء سے وہاں بھی جمہوری سلطنت قائم ہو گئی ہے۔

قدیم خود مختار تعلقے

شارلمین کی سلطنت کے مشرقی حصے کے نقشے سے اُس کی وفات کے ایک صدی بعد ظاہر ہوتا ہے کہ کل مملکت چند بڑے علاقوں میں منقسم ہو گئی تھی جس پر ڈیوک حکمران تھے جو کم از کم سیکسنی اور بویریا میں بجز نام کے اور ہر طرح بادشاہ تھے۔ یہ تعلقے کس طرح پیدا ہوئے ایک راز سربستہ ہے لیکن کم از کم دو باتیں صاف اور صریح ہیں جن سے اُن کی پیدائش کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ اوّل تو کوئی جرمن کے کمزور جانشینوں کی ماتحتی میں مختلف قوموں

کی خود مختارانہ اسپرٹ (روح) سے جن کو شارلمین نے یکجا کر رکھا تھا ایک مرتبہ پھر زور کیا اور وہ بطیب خاطر اپنے خاص سرداروں کی سرداری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ دوسرے وہ ایسا کرنے کے لئے بیرونی متواتر حملوں کی بنا پر مجبور ہوئے۔ اوّل نارتھ مین اور میرووِنگس کے حملے ہوئے جو قوم سلاف سے تھے۔ بعد ازاں تکلیف دہ ہنگیرین سواروں نے پریشان کیا جو ایک مرتبہ سے زائد فرانس کے مغرب تک پہنچ گئے تھے۔ چونکہ کوئی مستحکم مرکزی طاقت لوگوں کی حفاظت کے لئے موجود نہ تھی اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ انہوں نے اپنی رہبری اور استعانت کے لئے اپنے مقامی سرداروں پر نظر دوڑائی۔

ہنری اول ۹۱۹ء۔۹۳۶ء | یہ خود مختار تعلقے جیسا کہ جرمن اُن کو کہتے ہیں، جرمن بادشاہوں کی ملک جرمنی پر مضبوط گرفت ہونے میں حائل ہوئے۔ چنانچہ اُن کے امکان میں جو بہتر سے بہتر بات تھی انہوں نے کر ڈالی یعنی انہوں نے ایک قسم کا بھائی چارہ قائم کر دیا لہٰذا جب جرمن امرا نے طاقتور ہنری اوّل کو ۹۱۹ء میں سیکسنی کے ڈیوک خاندان سے اپنا بادشاہ منتخب کیا تو اُس نے دانشمندی سے چند ڈیوکوں کو اُن کی طاقت سے محروم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ اُن کی امداد حملہ آوران کے خلاف جو چاروں طرف سے اُمڈے آ رہے تھے حاصل کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ پس اُس نے قوم سلاف کی آئندہ محکومیت اور ہنگیرینس کی آخری شکست کے لئے شاہراہ بنا دی لیکن حملہ آوران کو ملک سے قطعی نیست و نابود کرنے اور ایک واقعی سلطنت کی بنیاد رکھنے کا کام اُس نے اپنے نامور بیٹے آٹو اوّل کے لئے چھوڑ دیا۔

آٹو اعظم ۹۳۶ء۔۹۷۳ء | جرمنی کی تاریخ میں عہد آٹو اوّل (۹۳۶ء۔۹۷۳ء) جو آٹو اعظم کے

له آرنلف (ارنی جرمن کا پوتا جس نے چارلس دی فیٹ کی جگہ لی تھی ۸۹۹ء میں مر گیا اور اُس نے ایک چھ برس کا بچہ لوئی دی چائلڈ (جو ۹۱۱ء میں مرا) چھوڑا۔ یہ شارلمین کے خاندان کا آخری تاجدار تھا جس نے جرمنوں پر حکومت کی۔ بعد ازاں امرا کی جماعت نے کانرڈ اوّل (۹۱۸ء میں مرا) کو اور ۹۱۹ء میں ہنری اوّل آف سیکسنی کو مشرقی فرینکوں کا بادشاہ منتخب کیا۔ مترجم۔

نام سے مشہور ہے نہایت غیر معمولی ہے۔ اُس نے تعلقہ داران کو برطرف کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن
وہ تمام تعلقے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کے قبضہ میں لے آیا اور ڈیوکوں
کی طاقت گھٹانے میں کامیاب ہوا۔ مثلاً اُس نے اپنے بھائی ہنری کو بویریا کا ڈیوک بنا دیا
اور اُس کی دو بغاوتوں کو معاف کر دیا۔ اُس نے اپنے دغاباز اور نافرمان داماد کونرڈ کی جگہ
جس نے اُس کے خلاف بغاوت کی تھی اپنے عالم بھائی کالون کے لاٹ پادری برونو کو لورین
کا ڈیوک بنا دیا۔ بہت سے قدیم ڈیوکوں کے خاندان یا تو موت کی وجہ سے ختم ہو گئے یا اُن کا
ورثہ ناکام سرکشی کی وجہ سے چھین لیا گیا۔ کسی خاندان میں بھی قابل حکمرانوں کا سلسلہ تا دیر قائم
نہ رہا۔ لہذا تمام تعلقے یکے بعد دیگرے متواتر بادشاہ کے ہاتوں میں آتے گئے جس نے اپنا اس
حق کا ادّعا کیا کہ وہ جسے چاہے انکو دے سکتا ہے۔

دسویں صدی کے درمیان میں جرمنی کی شمالی اور مشرقی حدود اب تک بہت ناکافی طور
پر غیر متعین تھیں سیکسنی کی سرحدوں پر قوم سلاف دریائے ایلب کے اُدھر جن میں سے بہت سے
اب تک قدیم مذہب کے پیرو تھے برابر حملے کرتے رہتے تھے۔ آٹو اول نے ان فرقوں سے جنگ
کے علاوہ اور بھی کچھ کیا۔ اُس نے گرجائیں قائم کیں جیسے برانڈن برگ، ہیولبرگ وغیرہ
یہ گرجائیں اُس ضلع میں قائم کیں جو آجکل سلطنت جرمنی کا سیاسی مرکز ہے اور اُس علاقہ کو نو آباد
کرنے اور عیسائی بنانے میں جو دریائے ایلب اور دریائے اوڈر کے درمیان ہے بیحد مستعدی
ظاہر کی۔

ہنگریوں کی آخری شکست۔
ہنگری اور آسٹریا کی ابتدا

علاوہ ازیں اُس نے ہمیشہ کے لئے ہنگریوں کے حملوں کا خاتمہ کر دیا۔
اُس نے اُن کو آگسبرگ کے قریب ۹۵۵ء ایک بڑی لڑائی
میں شکست فاش دی اور اُن کا تعاقب جرمنی کی حدود تک کیا۔ ہنگیرین اور میگیار جیسا کہ اُن کو
عام طور پر کہا جاتا ہے، اس کے بعد اپنے خاص ملک میں آباد ہو گئے اور اُس قومی ترقی کی
بنیادیں ڈالنی شروع کر دیں جس نے اُن کو آج کل کے یورپ کے مشرقی حصہ میں نہایت

اہم عناصر میں سے بنا دیا۔ وہ علاقہ جو بویرین ڈیوک کی ملکیت میں تھا علیحدہ ضلع آسٹرین مارک یا مارچ (یعنی حفاظتی ضلع) کے نام سے بنا دیا گیا اور سلطنتِ آسٹریا کا بنیادی پتھر ہو گیا۔

آٹو اٹلی کے معاملات میں دخل دیتا ہے

لیکن آٹو کے کارناموں میں نہایت قابل الذکر اٹلی کے معاملات میں اُس کی مداخلت ہے جس کی وجہ سے اُس نے وہ تاجِ شہنشاہی اختیار کیا جس کو شارلمین پہن چکا تھا۔ یورپ کی تاریخ میں کوئی باب اس قدر دھندلا اور افسردہ نہیں ہے جتنا کہ چارلس دی فیٹ (فربہ) کے عزل ۸۸۷ء کے بعد اٹلی اور پوپوں کے تلخ تجربات کا بیان ہے۔ ہم کو اس بارہ میں بہت کم حال معلوم ہے لیکن ہم ڈیوک آف اسپالیٹو کو جو فیرولی کا مارکوئس تھا اور برگنڈین شہزادوں کو جو کوہ ایلپس کے اُدھر تھے مختلف اوقات میں اٹلی کا تاج سر پر رکھتے ہوئے سنتے ہیں۔ مسلمانوں کے حملوں نے اِس ابتری میں اور اضافہ کر دیا تھا یہاں تک کہ جرمنی اور فرانس باوجود اپنی متواتر لڑائیوں کے، اٹلی کی بدامنی کے مقابلہ میں قریب قریب خاموش اور پُر امن نظر آتے ہیں۔ چارلس دی فیٹ کے بعد کی نسل نے پوپ کو تین اٹلی کے بادشاہوں کو تاجِ شہنشاہانہ پہناتے دیکھا۔ بعد ازاں ایک نسل تک مغرب میں خطابِ شہنشاہی بالکل معدوم ہو گیا یہاں تک کہ اُس کو آخرکار جرمنی کے آٹو نے پھر اختیار کیا۔

آٹو شہنشاہ بنایا گیا ۹۶۲ء

ایک حریص تاجدار کے لئے اٹلی ایک دلفریب میدانِ کارزار تھا۔ آٹو نے سب سے پہلے کوہ ایلپس کو ۹۵۱ء میں عبور کیا اور جلد جلد ختم ہونے والے شاہانِ اٹلی میں سے ایک کی بیوہ سے شادی کر لی اور باضابطہ تاجِ شاہی حاصل کئے بغیر وہ عام طور پر شاہ اٹلی تسلیم کیا جاتا تھا۔ اُس کے بیٹے کی بغاوت نے اُسے جرمنی واپس جانے کے لئے مجبور کیا لیکن ایک قرن کے بعد پوپ نے اُسے اپنی امداد کے لئے بلایا۔ آٹو نے اس طلبی کی فوراً تعمیل کی اور پوپ کو اُس کے دشمنوں سے آزاد کیا چنانچہ اس صلہ میں اُس کو روما میں ۹۶۲ء میں شہنشاہ کا تاج پہنایا گیا۔

جرمنی کے لئے آٹو اعظم کی تاجپوشی کے اہم نتائج

عہدِ وسطیٰ کی تاریخ میں شارلمین کی طرح آٹو اعظم کی تاجپوشی بھی نہایت اہم واقعہ ہے۔ شہنشاہی کا تاج اختیار کر کے اس نے اپنے جانشینوں کے کندھوں پر اس قدر عظیم بار ڈال دیا کہ وہ آخر کار اُس کے نیچے دب گئے۔ تین صدیوں تک انہوں نے جرمنی کو متفق رکھنے کی سعی کی اور ساتھ ہی ساتھ اٹلی اور پوپوں پر اپنا اقتدار رکھنا چاہا۔ بہت سی نہ ختم ہونے والی لڑائیوں اور بے شمار قربانیوں کے بعد اُن کے ہاتھ سے سب کچھ نکل گیا۔ اٹلی اُن کے قبضہ سے جاتی رہی پوپوں نے بالکلیہ خود مختاری اختیار کر لی اور جرمنی جو اُن کی جائز جاگیر تھی ایک مستحکم سلطنت ہونے کی بجائے چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔

پوپوں اور اٹلی کے معاملات پر حاوی رہنے میں شہنشاہ کی قوت کی ایک مثال

آٹو کے خود تجربوں سے پوپ کے ساتھ اس کے تعلقات کے بُرے نتائج کی ایک مثال فراہم کی جا سکتی ہے۔ گو اُسے تاج شہنشاہی کے لئے پوپ کا مرہونِ منت ہونا چاہیے تھا۔ اُس نے مشکل سے اپنی پیٹھ پھیری تھی کہ پوپ نے اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ نئے شہنشاہ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ روما کو پھر جلد واپس آئے اور ایک کونسل پوپ کے معزول کرنے کے لئے طلب کرے، جس کے طرزِ عمل نے واقعی اُس کو اس قابل بنا دیا تھا۔ لیکن رومیوں نے آٹو کے منتخب شدہ پوپ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اُس کو پھر روما واپس آنا پڑا۔ اُس نے شہر کا محاصرہ کیا تا کہ اُس کا بنایا ہوا پوپ سب لوگ تسلیم کریں۔ چند برسوں کے بعد تیسری مہم کی اور ضرورت پیش آئی تا کہ شہنشاہ کے پوپوں میں سے ایک اور پوپ کو اُس کی جگہ قائم کر دیا جائے جس کو مقامی ٹکڑیوں نے روما سے باہر نکال دیا تھا۔

اُس کے جانشین شہنشاہوں کو بھی عام طور پر اسی قسم کے خرچیلے اور تکلیف دہ سفر روما کو کرنے پڑے۔ پہلا سفر تاجِ شہنشاہی پہننے کے لئے اور بعد ازاں دوسرے سفر یا تو کسی مخالف پوپ کو معزول کرنے کے لئے یا کسی وفادار پوپ کو قرب و جوار کے رؤسا کے ظلم سے بچانے

کے لئے کئے گئے۔ یہ مہمات بہت تکلیف دہ تھیں خصوصاً ایسے فرمانرواکے لئے جو جرمنی میں اپنے پیچھے ایک سرکش امرا کی جماعت چھوڑ جاتا تھا جو ہمیشہ اُس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے اور بغاوت کرنے کے لئے آمادہ رہتی تھی۔

مقدس سلطنت روما

آٹو کے جانشین اپنا پُرانا خطاب شاہ مشرقی فرنیک فوراً ترک کر دیتے تھے جب وہ پوپ سے روما میں باقاعدہ تاجپوشی کرا لیتے تھے اور نہایت شاندار اور ہمہ گیر لقب "رومیوں کا ابدی مقدس شہنشاہ" اختیار کر لیتے تھے[1]۔ اُن کی "مقدس سلطنت روما" جیسا کہ بعد ازاں اس کا یہ نام ہو گیا اور جو کم از کم نام کے لحاظ سے آٹھ صدیوں سے زائد عرصہ تک قائم رہی شارلمین کی سلطنت کی نسبت قدیم رومیوں کی سلطنت سے اور بھی کم مشابہ تھی۔ جرمنی اور اٹلی کے بادشاہوں کی حیثیت سے وہ عملی طور پر وہ تمام اختیارات رکھتے تھے جو اُن کو بحیثیت شہنشاہ حاصل ہوتے تھے بجز اس مہلک حق کے کہ انہوں نے پوپ کے انتخاب میں حصّہ لینے کا دعویٰ کیا۔ ہم آئندہ دکھلائیں گے کہ گھر پر اپنی رعایا کو مرعوب رکھنے اور ایک بڑی سلطنت قائم کرنے کی بجائے جرمن شہنشاہوں نے اپنی طاقت پوپوں کے ساتھ نامتناہی جنگ میں صرف کی جو آخرکار اُن سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئے اور بالآخر انہوں نے سلطنت کو ایک خواب و خیال بنا کر چھوڑا۔

آٹو اعظم کے فوری جانشینوں کا ذکر کرنے کے لئے ہماری کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] ہنری دوئم (۱۰۰۲ء-۱۰۲۴ء) اور اُس کے جانشینوں نے شہنشاہی کا خطاب خود اختیار کرنے کی جرات نہ رکھکر جب تک اُن کی روما میں تاجپوشی نہ ہو لیکن روما کی بادشاہت کا دعویٰ کرنے کا شوق رکھکر کیونکہ وہ جرمنی کے تاج کا جزو لاینفک تھی اپنے آپ کو اپنی تاجپوشی سے قبل رومیوں کا بادشاہ کہلانا شروع کر دیا تھا۔ یہ طریقہ لوتھر کے زمانہ تک جاری رہا جبکہ میکس میلین اوّل نے اپنی تاجپوشی سے قبل اپنے آپ کو "منتخب شہنشاہ" کہلانے کی اجازت پوپ سے حاصل کر لی تھی اور یہ خطاب اُس کے جانشین بعد ازاں فوراً اپنے انتخاب پر اختیار کر لیتے تھے۔ مؤلف۔

اُن کو بھی اُس کی طرح اندرونی مخالفت اور اپنے بے چین ہمسایوں خصوصاً سلاف کے حملوں سے واسطہ پڑا۔ عام طور پر سلطنت کا عروج کونرڈ دوئم (۱۰۲۴ء۔ ۱۰۳۹ء) اور ہنری سوئم (۱۰۳۹ء۔ ۱۰۵۶ء) کے زمانوں میں خیال کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں فرینکونین خاندان کے پہلے دو بادشاہ تھے اور یہ خاندان سیکسن خاندان کے ختم ہو جانے پر ۱۰۲۴ء میں اُس کی جگہ قائم ہوا تھا۔

کونرڈ دوئم ۱۰۲۴ء۔ ۱۰۳۹ء

سلطنت برگنڈی ایک خوشگوار معاہدہ کی رو سے کانرڈ دوئم کے قبضہ میں ۱۰۳۲ء میں آگئی۔ یہ بڑی اور اہم مملکت عرصہ تک سلطنت کا جزو رہی جس کی وجہ سے جرمنی اور اٹلی کے باہمی ارتباط میں زیادہ آسانی رہی اور یہ جرمنی اور فرانس کے درمیان حدِ فاصل رہی۔ سلطنت کے مشرقی حدود پر دسویں صدی کے پچھلے نصف حصہ میں قوم سلاف نے پولینڈ کی سلطنت باقاعدہ بنالی تھی اور اُس کے بادشاہ اگرچہ وہ اکثر

پولینڈ

شہنشاہ سے نبرد آزمائی کرتے رہتے تھے عام طور پر اُس کو اپنا سردار تسلیم کرتے تھے۔ کونرڈ نے آٹو اعظم کی حکمت عملی کا تتبع کیا اور قدیم خود مختار ریاستوں کو اپنے بیٹے اور جانشین ہنری سوئم کے ہاتھوں میں جس قدر ممکن ہو سکا لے آیا۔ ہنری سوئم فرینکونیا، سوابیا اور بویریا کا ڈیوک بنا دیا گیا۔ یہ طریقہ شاہی طاقت کے لئے نہایت مستحکم بنیادوں میں سے تھا۔

ہنری سوئم (۱۰۳۹ء۔ ۱۰۵۶ء)

کانرڈ دوئم اور ہنری سوئم کی قابلیت اور طاقت کے باوجود بھی یہ بات کہ سلطنت مغربی یورپ کی بڑی طاقت گیارہویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں سمجھی جاتی ہے زیادہ تر اِس وجہ سے ہے کہ کوئی مضبوط رقیب طاقت اُس وقت نہ تھی۔ فرانس کے بادشاہ اُس وقت تک فیوڈل بدامنی پر غالب نہ آئے تھے اور اگرچہ اٹلی شہنشاہ کے اقتدار اور قبضہ کی مخالفت کرتی رہتی تھی لیکن متحد ہو کر کبھی اُس نے اُس کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند نہ کیا۔

ہنری سوئم اور کلیسا

نہایت اہم سوال جس سے ہنری سوئم کو سابقہ پڑا کلیسا کی ایک بڑی اصلاح کا سوال تھا۔ یہ سوال پہلے سے دلوں میں جاگزیں تھا۔ اور اگر اِس پر عمل کیا جاتا تو وہ شہنشاہوں کے اقتدار کو نہ صرف پوپوں پر بلکہ جرمنی کے اسقفوں اور ایبٹوں پر سے بھی ہٹا دیتا

جن کو انھوں نے جاگیریں اور اختیارات عطا کر کے بادشاہت کا خاص طرفدار اور حامی بنا لیا تھا۔ یہ اصلاح خاص طور پر شہنشاہ کے خلاف نہ تھی لیکن جیسا کہ ظاہر ہوگا اُس پر کسی دوسرے یورپین فرمانروا کی نسبت اُن تبدیلیوں سے جو جماعت مصلحین نے پیش کیں زیادہ گہرا اثر پڑا۔

کلیسا کی دولت

اصلاح اور اُس دراز نزاع کے سمجھنے کی غرض سے جو شہنشاہوں اور پوپوں کے درمیان جاری رہا اور جس کا لازمی نتیجہ اوّل الذکر تھی ہم کو ایک لمحہ کے لئے ہنری سوئم کے زمانہ کی کلیسا کی حالت پر غور کرنے کے لئے توقف کرنا چاہئے۔ یہ اپنی تمام طاقت اور عزّ و وقار کو خیسرہ باوکھتی ہوئی اور تنزل پذیر معلوم ہوتی ہے، ٹھیک اُسی طرح جس طرح کہ شارلمین کی سلطنت فیوڈل حصوں میں منقسم ہوگئی تھی۔ یہ حالت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ پادریوں کے قبضے میں بڑی بڑی جاگیریں تھیں۔ بادشاہوں، شہزادوں اور بڑے بڑے تعلقہ داروں نے عرصہ تک یہ ایک قابل تعریف کام سمجھا کہ گرجاؤں اور خانقاہوں کو جاگیریں عطا کی جائیں۔ پس مغربی یورپ میں ایک معتدبہ حصہ اراضی پادریوں کے ہاتوں میں آگیا تھا۔

کلیسا کی اراضی بھی فیوڈل سسٹم کی پابند ہوگئی

جب مالکان اراضی نے اراضی کو لینا اور دینا بحیثیت ایک جاگیر کے شروع کر دیا تو کلیسا کی جائداد بھی فطرتاً فیوڈل تعلقات سے وابستہ ہوگئی۔ ایک بادشاہ یا کوئی اور مالک اراضی پادریوں کو بھی جاگیریں عطا کر سکتا تھا جس طرح کہ وہ غیر پادریوں کو دیتا تھا۔ اُسقف کسی جاگیر کے لئے اُس کی تکریم کرنے اور اُس کے ساتھ وفاشعاری کا حلف اٹھانے سے بادشاہ یا دیگر فیوڈل آقا کے باجگزار بن گئے جس طرح کہ کوئی اور شخص باجگزار بن جاتا تھا۔ بعض اوقات ایک ایبٹ اپنی خانقاہ کو کسی قرب وجوار کے رئیس کی حفاظت میں دے دیتا تھا اس طرح کہ وہ اپنی اراضی کو اُس کے حوالہ کر دیتا تھا اور پھر اُس سے بطور جاگیر کے واپس لے لیتا تھا۔

پادریوں کی جاگیریں موروثی نہ تھیں

لیکن معمولی جاگیروں اور کلیسا کی اراضی میں ایک بڑا فرق تھا۔ کلیسا کے قانون کے مطابق اُسقف اور ایبٹ شادی نہیں کر سکتے

تھے۔ پس اُن کی اولاد بھی نہ ہوتی تھی جس کو وہ اپنی جائداد منتقل کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی زمیندار پادری مرجاتا تھا کوئی نہ کوئی پادری منتخب کیا جاتا تھا تاکہ وہ اُس کی جائداد سے مستفید ہو اور اُس کی خدمات بجا لائے۔ عرصۂ دراز سے کلیسا کا یہ قاعدہ جاری تھا کہ کسی گرجا کی جماعت یا دریان ایک اسقف کو منتخب کرتی تھی اور اُس کی پسندیدگی کی تصدیق لوگوں سے کرائی جاتی تھی۔ جیسا کہ قانونِ کلیسا میں لکھا ہے" لہٰذا ایک اسقف خدا کی کلیسا میں مقرر کیا جاتا ہے جب لوگ اُس کو اس نام سے پکارتے ہیں اور جماعتِ پادریان متفقہ طور پر اُس کا انتخاب کر لیتی ہے"۔ رہے ایبٹ یہ لوگ خانقاہ کے ممبروں سے سینٹ بینی ڈکٹ کے قواعد کی رو سے منتخب کئے جاتے تھے۔

اسقف اور ایبٹ عملی طور پر فیوڈل رؤسا سے منتخب کئے جانے لگے۔

اِن قواعد کے باوجود دسویں اور گیارہویں صدیوں میں اسقفوں اور ایبٹوں کو تمام اغراض و مقاصد کے لحاظ سے مختلف بادشاہ اور فیوڈل رؤسا منتخب کرنے لگے۔ یہ سچ ہے کہ ظاہری شکلیں ایک باقاعدہ انتخاب کی بدستور جاری رہیں لیکن فیوڈل رئیس صاف اور صریح طور پر کہدیتا تھا کہ وہ کس کو منتخب کرانا چاہتا ہے اور اگر اُس کے خلاف کسی کو منتخب کر لیا جاتا تھا تو وہ اپنے یا گرجا کی متعلقہ اراضی کو اُس کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیتا تھا۔ اِس طریقہ سے ایک رئیس پادریوں کی پسندیدگی پر حاوی تھا کیونکہ کسی شخص کو واقعی اُسقف یا ایبٹ ہونے کے لئے نہ صرف منتخب ہونا ہی ضروری تھا بلکہ کسی اسقف یا ایبٹ کے موزوں اختیارات معہ اراضیات بھی حاصل کرنے ضروری تھے۔

با اختیار حوالگی

چونکہ دنیاداروں کے نزدیک کلیسا کے عہدوں سے جو روحانی اختیارات والبستہ تھے کچھ دلفریب نہ تھے اگر کوئی جائداد اُن کے ساتھ نہ ہوتی؛ اِس لیئے فیوڈل آقا دراصل ایسی حالت میں مختارِ کل و جزو تھا۔ اگر اُس کا نامزد شدہ شخص منتخب کر لیا جاتا تھا تو وہ اُس کو کچھ رسوم کے بعد اراضی متعلقہ کلیسا کی با اختیار حوالگی کر دیتا تھا۔ نیا اسقف یا ایبٹ

پادریوں کی شادی سے کلیسا کی دولت کو صدمہ پہنچا ہے

ایک اور خطرہ نے کلیسا کی دولت اور ذرائع آمدنی کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی۔ دسویں اور گیارھویں صدی میں کلیسا کا یہ قاعدہ کہ پادریوں کو شادی[۵] کی ممانعت ہے، اٹلی، جرمنی، فرانس اور انگلستان میں بکثرت اور صریح طور پر بغیر تعمیل کے پڑا رہا۔ اُس زمانہ کے سخت نقادوں کی نظر میں پادریوں کا یہ عمل بڑا خوفناک اخلاقی تنزل سمجھا جاتا تھا جن کو وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ خاندان کے تفکرات سے آزاد ہوں اور کلیتاً خدا کی عبادت میں مشغول رہیں۔ اس سوال کا دوسرا پہلو بھی تھا۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ کلیسا کی جائداد جلد غائب ہو جائے گی اگر پادریوں کو شادی کی اجازت دیدی گئی۔ کیونکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش اور گزارہ کی قدرتاً خواہش کرینگے۔ جس طرح فیوڈل اراضیات موروثی ہو گئی تھیں اُسی طرح کلیسا کی جاگیریں بھی موروثی ہو جائیں گی تاوقتیکہ پادریوں کو مجبور نہ کیا جاوے کہ وہ شادی سے باز رہیں۔

کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت

کلیسا کی جائداد کا فیوڈل رشتہ سے منسلک ہونا اور پادریوں کی شادی، ان دونوں کے علاوہ کلیسا کی خرابی اور کمزوری کا تیسرا بڑا اور مسلسل ذریعہ کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت کی ترغیب تھا۔ اگر اسقفوں، ایبٹوں اور پادریوں کی خدمات اور ذمہ داریاں ہمیشہ مشکل اور سخت ہوتیں اور اُن کا معاوضہ گزراوقات کے لئے مشکل

---

[۵] ابتدا ہی سے تجرد بعض عیسائیوں کے نزدیک ازدواج کی نسبت زیادہ بہتر معلوم ہوا۔ رفتہ رفتہ رہبانیت کے زیر اثر زیادہ مذہبی اور جوشیلے پادریوں نے بخوشی شادی سے نفرت ظاہر کی یا اگر پہلے شادی شدہ تھے تو انہوں نے پادری ہونے کے بعد اپنی بیویوں سے قطع تعلق کر لیا۔ آخر میں مغربی کلیسا نے پادری کیلئے شادی کو بہت بُرا سمجھا اور ہر درجہ کے پادریوں کے لئے شادی کو قاطبۃً الاولیا کسی مؤرخ کے لئے رجسٹران وغیرہ سے یہ اندازہ کرنا کہ مغرب کے ممالک میں کہاں تک پادری صاحبان اس قاعدہ کے پابند ہوئے مشکل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں اٹلی، جرمنی اور دیگر مقامات پر کثیر التعداد پادری شادی شدہ تھے۔ بلاشبہ کلیسا نے اپنے عہدہ داروں کی شادیاں جائز قرار دینے سے انکار کر دیا تھا اور ایک پادری کی بیوی کو خواہ وہ کیسی ہی نیک اور پارسا کیوں نہ ہو "لونڈی" کا نفرت انگیز نام دیا جانے لگا تھا۔ مؤلف۔

سے کافی ہوتا تو اُن لوگوں کو جن کے ہاتھ میں یہ عہدے تھے رشوت دینے کی ترغیب نہ ہوتی۔ لیکن ایسے اور گرجا کی آمدنی عام طور پر ایک معتد بہ رقم ہوتی تھی اور بعض اوقات بہت زیادہ ہوتی تھی اور پادری یا اسقف کے عہدہ کی خدمات کسی بھلے شخص کے نزدیک خواہ کیسی ہی سنجیدہ ہوں غیر محتاط لوگ اُن کو بآسانی ترک کرسکتے تھے۔ ایک بڑی جائداد کی مالگزاری، ایک بڑے روحانی درجہ کا امتیاز، اور حکومت کے حقوق، جو عہدہ کے ساتھ وابستہ تھے، سب سے زیادہ شریف خاندان کے افراد کو بھی یہ ترغیب دینے کے لیے کافی تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کلیسا کے عہدے حاصل کرنے میں مقابلہ کریں۔ بادشاہ یا شہزادہ جس کو حق حوالگی جائداد و اختیارات حاصل ہوتا تھا کسی نہ کسی ایسے شخص کو وہ اہم عہدہ عطا کرنے کے لیے تلاش کرلیتا تھا جو اُس کا کافی معاوضہ بھی دے سکے۔

لفظ سیمونی کی تحقیق | کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت نہایت شرمناک فعل سمجھا جاتا تھا۔ اس کو سیمونی کہتے تھے۔ یہ نام سیمن ساحر سے اخذ کیا گیا ہے جس نے حواریوں کے افعال کے حالات کے مطابق پیٹر کو روپیہ دینا چاہا اگر وہ اُس کو اُن لوگوں میں مقدس روح پھونکنے کی طاقت دیدے جن پر وہ اپنا قبضہ کرسکے۔ چونکہ حواری نے اس پہلے سیمونسٹ کو ملامت کی، پس اُس وقت سے کلیسا اُن لوگوں کو برا کہتی ہے جو اُس کے متبرک اختیارات خریدنا چاہیں۔ "تیری چاندی تیرے ساتھ فنا ہوجائیگی کیونکہ تو نے خدا کے عطیہ کو روپیہ سے حاصل کرنے کا خیال کیا ہے۔"

سیمونی دراصل کلیسا کے عہدوں کی فروخت نہیں ہے | بلا شبہ بہت کم لوگوں نے کلیسا کے عہدے خدا کا عطیہ یعنی مذہبی عہدہ حاصل کرنے کی نیت سے خریدے۔ درحقیقت مالگزاری اور عزت وہ باتیں تھیں جنکی بدولت لوگ ان عہدوں کے متمنی تھے۔ علاوہ ازیں جب کوئی بادشاہ یا رئیس اُس شخص سے جس کے لیے عہدہ مہیا کیا جاتا تھا کوئی ہدیہ لے لیتا تھا تو وہ اپنے آپ کو عہدہ کا بائع نہیں سمجھتا تھا۔ وہ صرف اُس کے فوائد میں

شرکت کرتا تھا ۔ عہدِ وسطیٰ میں کوئی معاملہ بغیر مختلف قسم کی فیسوں اور تحفہ تحائف کے نہیں ہوتا تھا ۔ کلیسا کی اراضیات کا انتظام معقول تھا اور منافع کثیر تھا ۔ جو پادری کسی متمول اسقف یا گرجا میں متعین کیا جاتا تھا وہ اپنی ضرورت سے زیادہ مالگزاری رکھتا تھا پس اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ شاہی خزانہ میں بھی کچھ ادا کرے جو عام طور پر خالی رہتا تھا ۔

چھوٹے درجے کے پادریوں کو سموئی نے خراب کردیا

لہٰذا سموئی کی خرابی کا فی طور پر لائق توجیہ تھی اور ان حالات کے ہوتے ہوئے شاید ناقابلِ علاج تھی ۔ بہرحال یہ نہایت اخلاقی تنزل کی حالت تھی کیونکہ یہ پادریوں کے نیچے کے طبقے میں بھی اثر کرگئی اور تمام جماعت پادریان کو خراب کردیا ۔ ایک اُسقف جو اپنا عہدہ حاصل کرنے میں صرف کثیر کرتا تھا قدرتاً پادریوں سے کچھ روپیہ حاصل کرنے کی توقع رکھتا تھا جن کا تقرر اُسکے اختیار میں تھا ۔ پادری اپنے نمبر میں اپنے باقاعدہ مذہبی فرائض کی ادائیگی کا معاوضہ ناجائز طور پر لیتا تھا ۔ اپنی گرجا کے متعلق لوگوں کے مردے دفن کرنے، اُن کی شادی کرنے اور اُن کو بپتسمہ دینے میں اُن سے روپیہ لیتا تھا ۔

پس گیارہویں صدی کے افتتاح پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کلیسا اپنی جاگیروں کی وجہ سے فیوڈلزم کی بدامنی کی حالت میں جس کا ذکر کیا جاچکا ہے پھنسنے والی تھی ۔ بہت سی ایسی علامات تھیں جن سے پایا جاتا تھا کہ اُس کے بڑے عہدہ دار بادشاہوں اور شہزادوں کے صرف باجگزار ہوجائیں گے اور اُس بڑی بین الاقوامی انسٹی ٹیوشن کے نمائندے نہیں رہینگے جو پوپوں کے زیرِ سایہ تھی ۔ دسویں صدی میں نہ صرف روما کے لاٹ پادری کا اقتدار کوہ ایلپس کے اُدھر کی گرجاؤں پر کچھ باقی نہ رہا تھا بلکہ وہ خود وسط اٹلی کے بےچین امرا کے ہاتوں میں تھا ۔ اُس زمانہ کی تواریخ میں اُس کی اہمیت ریمس یا مینس کے لاٹ پادریوں کی نسبت بہت کم ہے ۔ تاریخ میں اس سے زیادہ غیر معمولی کوئی انقلاب نہیں ہے کہ دسویں صدی کے کمزور اور تنزل پذیر پوپ پھر یورپین معاملات میں ایک برتر جگہ پُر کریں ۔

تین رقیب پوپ

روما کے ایک شریف خاندان نے پوپوں کا انتخاب اپنے ہاتھ میں لے لیا

تھا اور وہ پوپ کے اختیارات کو شہر پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اُسی سال (۱۰۲۴ء) میں جس میں کونرڈ دوئم شہنشاہ بنایا گیا ایک غیر پادری کلیسا کی سرداری کے معزز عہدہ پر سرفراز کیا گیا اور اُس کے بعد محض ایک لڑکا دس یا بارہ سال کی عمر کا جس کا نام بینی ڈکٹ نہم تھا اور جو علاوہ نوجوان ہونے کے بالکل بدطینت ثابت ہوا پوپ بنا دیا گیا۔ اُس کے طاقتور خاندان نے پوپ کی کرسی پر اُس کو دس برس تک متمکن رکھا۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنی شادی کی تجویز کی۔ اس واقعہ سے اس قدر بدنامی ہوئی کہ رومیوں نے بھی جو کبھی ضرورت سے زیادہ کسی بات کا احساس نہیں کرتے تھے اُس کو شہر سے باہر نکال دیا۔ ایک ہمسایہ متمول پادری نے بعد ازاں کوشش کر کے اپنا انتخاب کرایا۔ فوراً ایک تیسرا دعویدار پیدا ہوا جو عالم اور مقدس پادری تھا اور جس نے بینی ڈکٹ نہم کے دعاوی کو زر کثیر سے خرید لیا اور خود گرے گری ششم کا خطاب اختیار کیا۔

پوپ کے معاملات میں ہنری سوئم کی مداخلت اور اسکے اہم نتائج

معاملات کی اس حالت نے شہنشاہ ہنری سوئم کے نزدیک اُس کی مداخلت کی ضرورت پیدا کر دی۔ پس وہ اٹلی گیا اور روما کے شمال میں ایک مقام سٹری پر ۱۰۴۶ء میں ایک کونسل منعقد کی جہاں دعویداروں میں سے دو کو معزول کر دیا گیا۔ گرے گری ششم نے جو اپنے رقیبوں کی نسبت زیادہ نیک تھا نہ صرف اپنے عہدہ سے استعفا دیدیا بلکہ اپنے لباس پوپ کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور تسلیم کیا کہ پوپ کی عظمت خرید کر ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اگرچہ ایسا کرنے میں اُس کی نیت بالکل صاف تھی۔ تب شہنشاہ نے ایک لائق جرمن اسقف کو پوپ منتخب کرایا جس کا پہلا کام ہنری اور اُس کی ملکہ ایگنس کی تاجپوشی تھی۔

ہنری سوئم کا اٹلی میں ایسے نازک وقت پر آنا اور تین رقیب پوپوں کے سوال کا تصفیہ ہوجانا بلحاظ اپنے نتائج کے تمام عہد وسطیٰ کی تاریخ کے نہایت اہم واقعات میں سے ہے اٹلی کی چھوٹی چھوٹی سیاسیات کی مملکت سے ارفع اور اعلیٰ رتبہ پر پوپ کی طاقت کو پہنچا کر ہنری نے بغیر سوچے سمجھے شہنشاہ کی طاقت کے خلاف ایک رقیب پیدا کر لیا جسکی قسمت میں دوسری

صدی کے ختم ہونے سے پیشتر اُس پر غالب آنا لکھا تھا اور وہ مسلمہ طور پر مغربی یورپ میں سب سے زیادہ بڑی طاقت ہو گئی۔

پوپ کی برتری مغربی یورپ پر قائم کرنے میں جو مشکلات حائل ہوئیں اُن پر غالب آنا

تقریباً دو سو برس تک پوپوں نے تمام یورپ کی بہتری کی کوئی ذمہ داری نہیں اختیار کی تھی۔ یہ ایک عظیم کام تھا کہ کلیسا کو ایک بین الاقوامی سلطنت بنا دیا جائے جس کا دار الحکومت قدیم دنیا کے مرکز روما میں ہو۔

درحقیقت اس بارہ میں جو مشکلات تھیں وہ قریب قریب ناقابل علاج معلوم ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے لاٹ پادری جو پوپ کی طاقت کے اتنے ہی دشمن تھے جتنے کہ بڑے بڑے جاگیردار شاہی طاقت کے تھے محکوم اور تابع فرمان ہونے لازمی تھے۔ قومی نسبتیں اور رجحان جو کلیسا کی یکجہتی کے خلاف ہوں اُن پر غلبہ حاصل ہونا چاہیئے۔ بادشاہ شہزادے اور دیگر فیوڈل رؤسا جو اختیارات کلیسا کے عہدہ داروں کے انتخاب میں استعمال کرتے تھے اُن سے محروم کئے جائیں۔ سیمونی معہ اُس کے بُرے اخلاقی اثر کے موقوف ہونی چاہیئے۔ پادریوں کی شادیاں روکنی چاہئیں تاکہ کلیسا کی جائداد تباہ و برباد نہو۔ پادریوں کی تمام جماعت معمولی پادری سے لیکر لاٹ پادری تک بدچلنی اور دنیاداری سے جن کی باعث لوگوں کی نظروں میں ان کی وقعت قائم نہیں رہتی آزاد کی جائے۔

یہ سچ ہے کہ ہنری سوئم نے اپنی بقیہ زندگی میں خود اپنے ہاتھ میں پوپوں کے انتخاب کو رکھا۔ لیکن وہ خلوص اور نیک نیتی سے کلیسا کی بہتری میں دلچسپی لیتا تھا اور اُس نے پوپ کے عہدہ پر قابل اور خود مختار جرمن پادریوں کا انتخاب کیا۔ ان میں سے لیو نہم (۱۰۴۹ء - ۱۰۵۴ء) نہایت نامور شخص تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے واضح طور پر دکھلا دیا کہ

لیو نہم ۱۰۴۹ء - ۱۰۵۴ء

ایک زمانہ میں پوپ نہ صرف کلیسا کا واقعی سردار اور بادشاہ ہو جائے گا بلکہ بادشاہوں اور شہنشاہوں پر بھی حکومت کرے گا جیسا کہ وہ پادریوں اور ابیٹوں پر کرتا ہے۔ لیو نے اپنے آپ کو صرف اس بنا پر کہ شہنشاہ نے اُسے مقرر کیا تھا پوپ نہیں سمجھا۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ شہنشاہ کو پوپ کی حمایت اور حفاظت کرنی چاہیئے لیکن اُس کو پوپ بنانا نہیں چاہیئے۔ پس وہ روما میں مثل ایک

اور نئی برہنت پارڈائزر کے داخل ہوا اور کلیسا کے قاعدہ کے مطابق روما کے لوگوں نے اُسے باقاعدہ پوپ منتخب کیا۔

لیئوبہم نے بذات خود فرانس، جرمنی اور ہنگری کا سفر اختیار کیا تاکہ کونسل طلب کرکے ہمونی اور پادریوں کی شادی کے روکنے کی تدابیر کی جائیں لیکن یہ ذاتی چیتم پوشی جو پوپ کرتے رہتے تھے آخر کار عمدہ ثابت نہ ہوئی۔ اگر اور کسی وجہ سے نہیں تو اس وجہ سے کہ وہ عام طور پر کہن سال ہوتے تھے جن کو سفر کرنا دشوار اور اکثر خطرناک معلوم ہوتا ہوگا۔ لیئو کے جانشینوں نے اپنے پیغامبروں پر بھروسہ کیا جنکو انہوں نے وسیع اختیارات دیدئے اور جن کو انہوں نے مغربی یورپ کے تمام حصوں میں روانہ کیا قریب قریب اُسی طریقہ سے جس طریقہ سے کہ شارلمین نے اپنے شاہی گشتیر بھیجے تھے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لیئو نہم پر اس جفاکش حکمت عملی کو اختیار کرنے میں ایک ماتحت پادری کا جس کا نام ہلڈبرانڈ تھا اثر پڑا تھا۔ ہلڈبرانڈ کی قسمت میں بھی خود بڑی پوپوں میں سے باختیار خطاب گریگری ہفتم ہونا لکھا تھا اور عہد وسطی کی کلیسا کی ساخت میں شریک ہونا لکھا تھا اور جو حیثیت ایک مدبر کے قیصر، شارلمین، رشلیو اور بسمارک کی برابر تھا۔

پوپ نکولس دوئم پوپوں کے انتخاب کو خاص پادریوں کے ہاتھ میں دیتا ہے۔

پہلا بڑا قدم نکولس دوئم نے کلیسا کو غیر پادریوں کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے اُٹھایا۔ ۱۰۵۹ء میں اُس نے ایک مشہور فرمان جاری کیا جس سے اُس نے روما کے لوگوں اور شہنشاہ دونوں کے ہاتھوں سے کلیسا کے سردار کا انتخاب کرنا چھین لیا۔ اور اس انتخاب کو خاص طور پر ہمیشہ کے واسطے کارڈنل[۱] (خاص پادریوں کے ہاتھوں میں دیدیا جو رومن پادری تھے۔ بظاہر اس فرمان کا مقصد تمام غیر پادریوں کی مداخلت کو رفع کرنا تھا خواہ وہ دور و دراز شہنشاہ کی ہو یا مقامی امرا کی ہو یا رومی عوام الناس کی

---

[۱] کارڈنلوں کی تعداد ۱۵۸۶ء تک مختلف رہی بعد ازاں چھ اسقف پچاس پادری اور چودہ ماتحت پادری کارڈنل ہوتے تھے۔ مؤلف۔

ہو۔ کارڈنلس کا کالج ابتک جاری ہے اور ابتک پوپ کا انتخاب کرتا ہے۔

نئے اصلاحات کی مخالفت

جماعت مصلحین سے جو پوپوں کی حکمت عملی کی ہادی ہوتی تھی، کلیسا کے سردار کو دنیاداروں کے قبضہ سے آزادی دیدی تھی کیونکہ اُس کے انتخاب کو رومن پادریوں کی جماعت کے سپرد کر دیا تھا۔ اب اس نے تمام کلیسا کو دنیائے دَنی کی کمینہ مصروفیتوں اور تفکرات سے آزاد کرانا چاہا۔ اوّل سختی کے ساتھ شادی شدہ پادری کو مذہبی خدمات ادا کرنے کی ممانعت کر دی اور اُس کے توابعین سے باصرار کہا گیا کہ وہ ایسے پادری کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا کریں۔ دوسرے بادشاہوں اور فیوڈل رؤسا کو ابیٹوں اور پادریوں کے انتخاب کے حقوق سے محروم کر دیا اور اب اُن کے انتخاب پر اُن کا کوئی اثر اور اقتدار نہ رہا کیونکہ یہی اثر اور اقتدار پادریوں میں دنیاداری کے ہونے کا خاص سبب تھا۔ قدرتاً پوپ کے نئے طریقہ انتخاب کی نسبت اِن آخری تدابیر کی بہت زیادہ عام طور پر مخالفت کی گئی۔ ملان سے ایک شادی شدہ پادری کو خارج کرنے کی کوشش نے ایک عام بغاوت پیدا کر دی اور پوپ کے پیغامبر نے اپنی زندگی کو واقعی مخاطرہ میں پایا۔ وہ فرامین جن میں پادریوں کو اپنی اراضیات اور عہدوں کو غیر پادریوں سے حاصل کرنے کی ممانعت کیگئی تھی، اُن کی نسبت نہ پادریوں نے کچھ توجہ کی اور نہ فیوڈل رؤسا نے انہیں کچھ وقعت دی۔ اِس کام کی عظمت، جس کو پوپوں نے اختیار کیا تھا، سب سے پہلے پورے طور پر اُس وقت نمایاں ہوئی جبکہ ہلڈبرانڈ خود کرسی پوپ پر ۱۰۷۳ء میں بطور گریگری ہفتم کے جلوہ گر ہوا۔

باب سیزدہم

گرے گری ہفتم اور ہنری چہارم کے مابین نزاع

گرے گری ہفتم کا ڈکٹیٹس

گرے گری ہفتم کی تحریرات میں ایک بہت مختصر تحریر ہے جس میں پوپ کے جملہ اختیارات کا خلاصہ درج ہے اور جس کو ڈکٹیٹس کہتے ہیں۔ اس کے خاص دعاوی حسب ذیل ہیں :- پوپ کا خطاب بے نظیر ہے اور صرف وہی دنیا بھر کا ایسا لاٹ پادری ہے کہ دوسرے اسقفوں اور پادریوں کو معزول کر سکتا ہے، مقرر کر سکتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ان کا تبادلہ کر سکتا ہے۔ اس کی منظوری کے بغیر کلیسا کی کوئی کونسل دنیائے عیسائیت کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ رومن کلیسا نے کبھی غلطی نہیں کی (معصوم ہے) اور نہ یہ ابدالآباد تک کبھی غلطی کریگی (ہمیشہ معصوم رہیگی)۔ کوئی شخص کیتھولک عیسائی نہیں ہے جو رومن کلیسا کے ساتھ متفق نہ ہو۔ کوئی کتاب اس وقت تک مستند نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسے پوپ نے منظور نہ کر لیا ہو۔

گرے گری پوپ کی کامل برتری کلیسا پر بیان کرنے سے نہیں اکتاتا۔ وہ اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور اس کا یہ حق بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ نیکی اور حق کی جانب داری کرکے دنیاوی حکومت کو بھی جہاں ضرورت ہو تنبیہ و تادیب کر سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ صرف پوپ وہ شخص ہے جس کے قدموں سے تمام شہزادے لگے رہتے ہیں اور وہ شہنشاہوں کو معزول کر سکتا ہے اور رعایا کو کسی ظالم فرمانروا کی اطاعت سے بری کر سکتا ہے۔ کوئی شخص اس کو برا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا جو اپنے معاملہ کو پوپ سے رجوع کرے۔ کوئی شخص پوپ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا، اگرچہ

پوپ تمام دیگر دنیاوی طاقتوں کے فرمانوں کو منسوخ کر دے اور کوئی شخص اُس کے اعمال پر نکتہ چینی کرنے کا مجاز نہیں۔

عہد وسطیٰ میں شاہی حکومت کی ناقابلیت

یہ دعاوی کسی غیر محتاط ظالم کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ حکومت کے نظریہ کا اقتضاء ہے جس کے حامی آیندہ نسلوں کے بعض نہایت نیکدل اور عالم اشخاص بھی ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم گریے گری کے نقطۂ حیثیت پوپ پر نکتہ چینی کرنے کی جراٴت کریں ہم کو دو اہم باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اوّل یہ کہ بہت سے مصنفین جبکہ وہ قرونِ وسطیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس چیز کو سلطنت کہتے ہیں ہمارے لحاظ سے کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ یہ صرف بے چین فیوڈل رؤسا کی حکومت تھی جن کی زندگی کا اصل اصول بدامنی تھا۔ جب ایک موقع پر گریے گری نے شاہی حکومت کو شیاطین کی ایجاد بتلایا تو یہ نتیجہ اُس نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کے چال چلن کو دیکھ کر قدرتی طور پر اخذ کیا تھا۔ دوسرے یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ گریے گری یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کلیسا شاہی حکومت کرے بلکہ یہ کہ پوپ کو جو ہر عیسائی کی ابدی بہتری کا ذمہ وار ہے یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ گنہگار اور بدکار بادشاہ کو تادیب و تنبیہ کر سکے اور ظالمانہ قوانین کو تسلیم نہ کرے۔ اگر کسی طرح بھی کامیابی نہ ہو تو اُس نے بدچلن اور شریر النفس بادشاہ کی اطاعت سے قوم کو آزاد کرنے کے حق کا ادّعا کیا جو اس دنیا میں بادشاہ کے لئے مصیبت تھی اور دوسری دنیا میں اُس کے لئے سزا کے لئے دوزخ تیار تھی۔

گریے گری ہفتم پوپ کی طاقت کے نظریہ کو عملی لباس پہناتا ہے

فوراً اپنے انتخابِ پوپ کے بعد گریے گری نے اپنے بلند خیالات کو کہ دنیا کا روحانی سردار کیا کیا کام انجام دے عملی لباس پہنانا شروع کیا۔ اُس نے اپنے قاصدوں کو تمام یورپ میں بھیجنا شروع کر دیا اور اس وقت سے آیندہ زمانہ تک یہی قاصد اُس کی حکومت کے طاقتور ذرائع ہو گئے۔ اُس نے شاہان فرانس و انگلستان اور نوجوان جرمن فرمانروا ہنری چہارم کو ہدایت کی کہ وہ اپنے بُرے طریقوں سے تائب ہوں اور ایماندار اور عادل بنیں اور اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ وہ ولیم فاتح کو

تلطف آمیز لیکن پُرجوش لہجہ میں لکھتا ہے کہ پوپ اور بادشاہ کی طاقتیں دونوں خدا نے قائم کی ہیں اور دنیا کی تمام طاقتوں میں یہ سب سے زیادہ بڑی ہیں جسطرح کہ سورج اور چاند فلکی اجسام میں سب سے بڑے ہیں۔ لیکن پوپ کی طاقت ظاہر ہے کہ بادشاہ کی طاقت سے بڑی ہے کیونکہ یہ اُس طاقت کا بھی ذمہ دار ہے۔ روز محشر گریے گری کو بادشاہ کی حالات بحیثیت ایک بھیڑ کے جسکی نگہبانی اُس کے سپرد کی گئی ہے خدا کے سامنے پیش کرنے ہوں گے۔ شاہ فرانس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سمونی کے طریقہ کو بند کر دے ورنہ وہ عیسائیت سے خارج کر دیا جائے گا اور اُس کی رعایا اپنے حلف وفاداری سے مبرّا کر دی جائے گی۔ گریے گری کے یہ تمام کارنامے دنیاوی طمع کی غرض سے نہیں تھے بلکہ حقانیت کے خیال اور نوع انسان کی خدمت کے تیقن پر مبنی تھے۔

ہنری سوئم کی وفات ۱۰۵۶ء

ظاہر ہے کہ گریے گری کی تجویز اصلاح میں مغربی یورپ کی تمام سلطنتیں شامل تھیں لیکن حالات کچھ ایسے تھے کہ نہایت نمایاں طور پر اُس میں اور شہنشاہ میں نزاع پیدا ہو گیا۔ یہ اس طرح واقع ہوا۔ ہنری سوئم ۱۰۵۶ء میں مر گیا تھا اور اُس نے اپنے پیچھے اپنی نیک مزاج بیوی اگنیس اور چھ برس کا بچہ چھوڑا تھا جو جرمن بادشاہ کے حقوق کو جنھیں بمشکل تمام حاصل کیا گیا تھا، اُن حریص باجگزاروں پر قائم رکھنے والا تھا جن کا انتظام آٹو اعظم جیسا جلیل القدر بادشاہ بھی مشکل سے کر سکا۔

ہنری چہارم کی تخت نشینی ۱۰۶۵ء

۱۰۶۵ء میں پندرہ برس کا لڑکا بالغ قرار دیا گیا اور اُس کی عمر بھر کی مشکلات سیکسنس کی بڑی بغاوت سے شروع ہوئیں۔ اُنہوں نے نوجوان بادشاہ پر اُن کی اپنی زمین میں قلعے بنانے اور اُن میں ایسے سپاہی رکھنے کا الزام لگایا جو لوگوں کو لوٹتے کھسوٹتے رہتے تھے۔ گریے گری نے مداخلت کرنا اپنا فرض سمجھا۔ اُس کے نزدیک سیکسنس ایک قوم مظلوم تھے جس پر غیر محتاط نوجوان بادشاہ نے اپنے بُرے مشیروں کی صلاح سے جبر و تعدی کی تھی۔

جب کوئی ہنری کی مشکلات اور مصائب کا حال پڑھتا ہے تو اُسے یہ معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بادشاہ قائم رکھ سکا۔ دل صدمات سے چور، ہر شخص ناقابل اعتماد،

اور خود اپنی رعایا کے ہاتھوں ایک جگہ سے دوسری جگہ فرار، ایسی حالت میں وہ پوپ کو پشیمانی کے ساتھ لکھتا ہے۔ "ہم نے خدا کے خلاف گناہ کیا ہے اور تیرے سامنے کیا ہے اور اب ہم تیرا بیٹا کہلانے کے قابل نہیں ہیں"۔ لیکن سرکش سیکسنوں پر جب وہ فتح حاصل کر کے ایک لمحہ کے لئے خوش ہو جاتا تھا تو وہ پوپ کی اطاعت کے وعدہ کو بآسانی فراموش کر دیتا تھا۔ وہ اُن مشیروں سے برابر صلاح لیتا رہا جنکو پوپ نے عیسائیت سے خارج کر دیا تھا اور جرمنی اور اٹلی میں پوپ کی ممانعتوں کے باوجود اہم گرجاؤں میں پادری مقرر کرتا رہا۔

کسی غیر پادری سے حوالگی اختیارات کی نئی ممانعت

گریگری کے پیشرو پوپوں نے چند مرتبہ پادریوں کو غیر پادریوں سے اختیارات حاصل کرنے کے طریقہ کی ممانعت کر دی تھی۔ گریگری نے اس ممانعت کو ۱۰۷۵ء میں دوبارہ جاری کیا ٹھیک اُسی وقت جبکہ ہنری سے بدمزگی پیدا ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں حوالگی اختیارات نئے منتخب شدہ کلیسا کے افسر کا جاگیروں اور حقوق متعلقہ منصب کو کسی بادشاہ یا دیگر رئیس سے جائز طور پر حاصل کرنا تھا۔ گریگری نے حوالگی اختیارات کسی غیر پادری سے حاصل کرنے کی ممانعت سے ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اسقف اور ایبٹ اکثر گورنمنٹ کے بھی عہدہ دار تھے جو جرمنی اور اٹلی میں کاؤنٹ کے تمام اختیارات رکھتے تھے۔ بادشاہ ان کی صلاح اور امداد پر نہ صرف اعتماد کرتا تھا بلکہ وہ اُس کے خاص معاون و مددگار ہوتے تھے جب وہ اپنے باجگزاروں سے برسرپیکار رہتا تھا۔

پوپ کے قاصدوں کی بدزبانی سے ہنری چہارم غضبناک ہو گیا

گریگری نے تین سفیر ۱۰۷۵ء کے آخر میں ایک مربیانہ چٹھی کے ساتھ روانہ کئے جس میں اُس نے بادشاہ کو اُس کے بُرے چال چلن کی نسبت ملامت کی تھی۔ لیکن بظاہر اُس کو یہ توقع نہ تھی کہ صرف تحریر ہنری پر کچھ اثر کریگی کیونکہ اُس نے اپنے سفراء کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر ضرورت ہو تو دھمکی سے بھی کام لیں جو یا تو بالکلیہ اُس میں فرمانبرداری پیدا کر دینے والی تھی یا کھلم کھلا مخالفت اور سرکشی پر آمادہ کر دینے والی تھی۔ سفراء کو سمجھا دیا گیا تھا کہ وہ بادشاہ سے کہدیں کہ اُس کے گناہ اس قدر بکثرت

ہیں، اس قدر خوفناک ہیں اور اس قدر بدنامی کے ساتھ مشہور ہیں کہ وہ صرف عیسائیت ہی سے خارج ہونے کا مستحق نہیں ہے بلکہ وہ مستقل طور پر اپنے شاہی اعزاز سے محروم کر دینے کے لایق ہے۔

گریگری ہفتم کو جرمن پادریوں کی کونسل منعقدہ ورمس نے ۱۰۷۶ء میں معزول کر دیا

سفیر کی بدزبانی نے نہ صرف بادشاہ کے غصہ کو مشتعل کر دیا بلکہ بہت سے اسقفوں اور پادریوں کو اس کا طرفدار بنا دیا۔ ایک کونسل جس کو ہنری نے ۱۰۷۶ء میں بمقام ورمس طلب کیا، اس میں دو ثلث سے زائد جرمن پادری جمع ہوئے۔ چنانچہ اس میں گریگری کو بوجہ اس کے بیقاعدہ انتخاب کے معزول کر دیا گیا اور اس کے خلاف بہت سے بدچلنی اور حرص و طمع کے نہایت بُرے الزامات قائم کئے گئے۔ پادریوں نے اس کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا اور الم نشرح یہ اعلان کر دیا کہ اب وہ ان کا پوپ نہیں ہے۔ پہلی نظر میں یہ بہت تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے کہ جرمن پادریوں کی فوری امداد کلیسا کے سردار کے خلاف بادشاہ کو ملجائے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ پادریوں کو ان کے مناصب بعطیہ بادشاہ سے نہ کہ پوپ سے ملے تھے۔

ایک یادگار چٹھی میں جو اس نے گریگری کو لکھی، ہنری لکھتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو چونکہ مصیبت زدہ ظاہر کیا اور پوپ کی عزت کی حفاظت کا شوق ظاہر کیا اس لئے پوپ نے اس کی خاکساری کو خوف پر محمول کیا ہے۔ چٹھی کے آخر الفاظ یہ ہیں "تو نے شاہی طاقت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا حالانکہ یہ طاقت ہم کو خدا نے عطا فرمائی ہے۔ تو نے یہ جرأت کی کہ ہم کو اس سے محروم کرنے کی دہمکی دی گویا کہ ہم نے اپنی سلطنت تجھسے حاصل کی تھی۔ گویا کہ بادشاہت اور سلطنت تیرے ہاتھ میں ہے اور خدا کے قبضہ میں نہیں ہے۔ میں ہنری جو خدا کے فضل سے بادشاہ ہوں مع اپنے تمام پادریوں کے تجھسے کہتا ہوں، نیچے اتر اپنے تخت سے نیچے اتر۔ اپنے تخت سے اور تمام نسلوں کی لعنتیں تجھ پر ہوں۔"

ہنری چہارم کو پوپ نے معزول کر دیا اور مذہب عیسوی سے خارج کر دیا

گریگری نے ہنری اور جرمن پادریوں کو فوری اور فیصلہ کن جواب لکھا جنہوں نے اس کو معزول کیا تھا "اے پیٹر! جو

حواریوں میں افضل ہے ہماری فریاد سن! تیرے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اور تیری عنایت سے چونکہ یہ اختیار خصوصاً خدا نے مجھکو دیدیا ہے کہ دنیا اور آسمان میں جسے چاہوں کھولوں اور جسے چاہوں باندھوں (جسے چاہے سزا دوں جسے چاہے رہا کردوں) لہٰذا اس بنا پر اور کلیسا کی شان و شوکت اور عزو وقار کے واسطے اور خدائے قادر، باپ، بیٹے اور مقدس روح کے نام پر تیری طاقت اور اختیار کے ذریعہ سے ہنری بادشاہ سے جو ہنری شہنشاہ کا بیٹا ہے اور جو تیری کلیسا کے خلاف ناقابل مسموع گستاخی کے ساتھ پیش آیا ہے، جرمنی اور اٹلی کی حکومت کو واپس لیتا ہوں۔ میں تمام عیسائیوں کو اس حلف وفاداری سے بری کرتا ہوں جو انہوں نے اس کے لئے اُٹھایا ہے یا آئندہ اُٹھائیں اور میں ہر شخص کو اس کی اطاعت بحیثیت بادشاہ، کرنے سے ممانعت کرتا ہوں"۔ خارج شدہ عیسائیوں سے ارتباط قائم رکھنے پر اور نیز بکثرت کارہائے ناملائم کرنے پر اس پر لعنت بھیجی گئی اور اس کو عیسائیت سے بھی خارج کیا گیا۔

جرمن شہزادوں کا رجحان | کچھ عرصہ تک جبکہ پوپ نے اسے معزول کیا، ہر شے ہنری کے خلاف ہوگئی اب پادریوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کی۔ پوپ کی مداخلت پر ناک بھوں چڑھانے کی بجائے غیر قانع سیکسنوں نے اور بہت سے دیگر باجگزاران ہنری نے یہ یقین کیا کہ اب نہایت عمدہ موقع ہے کہ ہنری کو علیحدہ کردیں اور زیادہ خوشگوار فرمانروا منتخب کرلیں، لیکن ایک بڑی مجلس کے بعد بڑے جرمن باجگزاروں نے ہنری کو دوسرا موقع دینا طے کیا۔ اس کو چاہئے کہ وہ گورنمنٹ کی خدمات ادا کرنے سے پرہیز کرے تاوقتیکہ وہ پوپ سے صلح نہ کرلے۔ اگر ایک سال کے ختم ہونے پر بھی وہ ایسا کرنے سے باز رہا تو اس کا تخت ضبط سمجھا جائیگا۔ علاوہ ازیں پوپ کو آگسبرگ آنے کی دعوت دیگئی تاکہ وہ شہزادوں سے مشورہ کرے کہ آیا ہنری کو دوبارہ تخت و تاج شاہی دیا جائے یا اس کی جگہ کوئی اور منتخب کیا جائے۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا گویا کہ پوپ درحقیقت شاہی حکومت کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا ہے۔

ہنری پوپ کی اطاعت مقام کینوسا پر کرتا ہے۔ ۱۰۷۷ء | ہنری نے پوپ کی آمد سے پیشتر اس سے ملاقات کرنے کا

مصمم ارادہ کرلیا۔ وہ اواسط موسم سرما میں کوہ ایلپس کو عبور کرکے قلعۂ کینوسا کے سامنے ایک عاجز امیدوار
پادری کی صورت میں ظاہر ہوا جہاں کہ پوپ نے اپنے سفر آگسبرگ کے رستہ میں قیام کیا تھا۔ تین
دن تک، جرمن بادشاہ برہنہ پا اور ایک تائب زائر کے موٹے جھوٹے لباس میں بند دروازے
کے سامنے حاضر ہوتا رہا، بالآخر گریگری کو اُس کے بااثر مصاحبین نے ترغیب دی کہ وہ نادم
و پشیمان فرمانروا کو داخلہ کی اجازت دے۔ نہایت ممتاز چہرے مہرے کے اس طاقتور شہزادہ کا نظارہ
جو شکار زار حیثیت میں گریہ کناں، کمزور اور کانپتے ہوئے چھوٹے آدمی کے سامنے کھڑا تھا جو اپنے
آپ کو خادم خدام خدا کہتا تھا، ہمیشہ کلیسا کی طاقت کا عروج اور اُس کی لعنتوں کے مکمل اثر کا
زمانہ سمجھا جاتا ہے جس کے خلاف دنیا کے بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی بجز توبہ اور استغفار کے
کوئی اور آلۂ حفاظت میسر نہیں تھا۔

نیا بادشاہ منتخب کیا گیا

جرمن شہزادوں کو وہ معافی جو ہنری نے مقام کینوسا پر حاصل کی تھی اطمینان بخش
ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ ان کا یہ مطالبہ کرنے سے کہ وہ کلیسا سے صلح کرلے اُس کی تکالیف میں اور اضافہ
کرنا خاص مقصد تھا۔ لہٰذا انہوں نے دوسرے فرمانروا کو منتخب کرلیا اور اگلے تین یا چار برس تک
دونوں رقیب بادشاہوں کے توابعین میں خونخوار جھگڑے ہوتے رہے۔ گریگری ۱۰۸۰ء تک

ہنری کو پھر مذہب عیسوی سے خارج کردیا

غیر جانبدار رہا۔ لیکن پھر اُس نے ہنری اور اُس کے تمام توابعین کو
لعنت کی زنجیر سے وابستہ کردیا اور مذہب عیسوی سے خارج کردیا۔
اُس نے اعلان کردیا کہ وہ اپنی شاہی طاقت سے محروم کردیا گیا ہے اور تمام عیسائیوں کو اُس
کی اطاعت کرنے سے روک دیا۔

ہنری، گریگری پر فتح حاصل کرتا ہے

پہلے اخراج سے نئے اخراج کا اثر بالکل مختلف ہوا۔ ہنری کے دوستوں
کی تعداد بجائے کم ہونے کے زیادہ ہوگئی۔ جرمن پادری پھر خواب سے
بیدار ہوئے اور انہوں نے پھر "اُسی گستاخ ہلڈبرانڈ" کو معزول کردیا۔ ہنری کا رقیب لڑائی میں
مارا گیا اور ہنری اپنے ساتھ ایک مخالف پوپ کو اٹلی لے گیا تاکہ اُسے وہاں پوپ بنا دے اور

خود تاج شہنشاہی حاصل کرلے۔ گریگری دو برس تک اُس کا مقابلہ کرتا رہا لیکن بالآخر روما ہنری کے قبضہ میں آگیا اور گریگری فرار ہوگیا اور جلد مر گیا۔ اُس کے آخری الفاظ یہ تھے "میں نے انصاف سے محبت کی ہے اور ظلم سے نفرت کی ہے لہذا میں ایک جلاوطن ہو کر مرتا ہوں" اور انصاف پسند مورّخ ان الفاظ کی راستی میں کچھ شک نہ کرے گا۔

ہنری چہارم کی دیگر مشکلات

گریگری کی وفات نے ہنری کی مشکلات کا خاتمہ نہیں کر دیا۔ اُس نے اپنی عمر کے بقیہ بیس برس اپنے حقوق بحیثیت شاہ جرمنی و اٹلی کو ایلپس کی دونوں جانب اپنی نافرمان رعایا کے خلاف قائم رکھنے میں صرف کئے۔ جرمنی میں اُس کے خاص دشمن سیکسنس اور اُس کے نامطمئن باجگزار تھے۔ اٹلی میں پوپ دنیاوی فرمانروا کی حیثیت عملی طور پر قائم کر رہا تھا اور اپنی خود ایک چھوٹی ریاست بنا رہا تھا۔ علاوہ ازیں وہ ہمیشہ لمبرڈوں کے شہروں کی حوصلہ افزائی شہنشاہ کی مخالفت میں، کرنے کے لئے تیار رہتا تھا جو روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے تھے اور دن بدن کسی جرمن بادشاہ کی حکومت پر کم رضامند ہوتے جا رہے تھے۔

اٹلی میں اور خود گھر میں بغاوت
ہنری کے بیٹوں کی دغابازی

اُس کے دشمنانِ اٹلی کے اتحاد نے ہنری کو اٹلی میں ۱۰۹۰ء میں پھر طلب کر لیا۔ اگرچہ وہ جرمنی کو جو پورے طور پر مغلوب نہ ہوئی تھی چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اُس کو اطالیوں نے سخت شکست دی اور لمبرڈوں کے شہروں نے اپنا پہلا اتحاد اپنے غیر ملکی بادشاہ کے خلاف قائم کرنے کا موقع پایا۔ ۱۰۹۳ء میں ملان، کریمونا، لوڈی اور پیاسینزا اپنے تحفظ کے لئے ایک جارحانہ و مدافعانہ اتحاد میں شامل ہو گئے۔ اٹلی میں سات برس تک بیکار مارے مارے پھرنے کے بعد ہنری تنگی کے ساتھ جرمنی کو واپس چلا گیا اور جزیرہ نما کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ گیا۔ لیکن اُس نے گھر پہنچ کر بھی کوئی اطمینان کی حالت نہ دیکھی۔ اُسکے غیر قانع باجگزاروں نے اُس کے بیٹے کو ترغیب دی جس کو وہ اپنا ولیعہد مقرر کر چکا تھا کہ وہ اپنے باپ کے خلاف بغاوت کرے۔ لہذا باہمی جنگ شروع ہوگئی۔ دغابازی پھیل گئی اور افسوسناک نزولِ شاہ ہونے لگے۔

ہنری چہارم کی وفات ۱۱۰۶ء میں

۱۱۰۶ء میں موت نے اُس عہد کا خاتمہ کر دیا جو شاید دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ قابلِ افسوس زمانہ تھا۔

ہنری پنجم ۱۱۰۶ء ۱۱۲۵ء

ہنری چہارم کے بیٹے ہنری پنجم کے عہد کا کارِ نمایاں جس سے ہمیں خاص دلچسپی ہے جوالگی اختیارات کے سوال کا تصفیہ تھا۔ پوپ پاسشال دوئم نے اُن پادریوں کو جن کو بادشاہ نے پہلے مقرر کر دیا تھا تسلیم کر لیا، اس شرط پر کہ وہ نیک آدمی ہوں اور یہ تجویز کی کہ گریگری کے احکام پر جو غیر پادری کی جوالگی اختیارات کے متعلق ہیں عمل کیا جائے۔ پادری اب نہ اُمرا کا احترام کریں اور نہ اُن کے خونخوار ہاتوں میں اپنے ہاتھ دیں جو قربان گاہ کی خدمت کرنے سے متبرک ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہنری پنجم نے یہ اعلان کیا کہ تاوقتیکہ پادری وفاداری کا حلف نہ اٹھائیں اُن کو اراضی، شہر، قلعے، ٹیکس اور حقوق جو گرجاؤں کے متعلق ہیں نہ دیئے جائیں۔

غیر پادریوں کی جوالگی اختیارات کے سوال کا تصفیہ۔ ورمس کے صلحنامہ میں ۱۱۲۲ء

کچھ پریشانیوں کے بعد بالآخر ورمس کا صلحنامہ ۱۱۲۲ء میں تحریر ہوا جس نے جرمنی میں جوالگی اختیارات کی بحث کا خاتمہ کر دیا۔ شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ کلیسا کو مطلق آزادی دیدیگا کہ وہ اپنے اسقفوں، ایبٹوں اور پادریوں کو انتخاب کرے اور اپنے قدیم دعوے کو کہ انگشتری اور عصائے صلیب دار جو روحانی علامات ہیں اُن کو خود دیا کرے گا واپس لے لیا لیکن یہ شرط قرار پائی کہ بادشاہ کی موجودگی میں انتخابات عمل میں آئیں گے اور اُس کو اجازت دیگئی تھی کہ وہ نئے پادری یا ایبٹ کو جاگیر عطا کرتے وقت اور دنیاوی حقوق دیتے وقت اُنسے شاہی علامات دعصائے شاہی کی تعظیم کرائے۔ اس طریقہ سے پادریوں کے روحانی حقوق اُن کو اُن کے انتخاب کنندگان ہی عطا کرنے لگے جو پادری ہوتے تھے۔ اور اگرچہ بادشاہ اب بھی عملی طور پر کسی انتخاب کو اس طرح بیکار کر سکتا تھا کہ منتخب شدہ پادری کو دنیاوی حقوق جن کی بہت آرزو کی جاتی تھی عطا نہ کرے۔ تاہم اُس کے قبضہ سے براہ راست ایبٹوں اور پادریوں

کا تقرر نکل گیا۔ رہا شہنشاہ کا قبضہ، واقف دار، پوپ کی طاقت پر، بہت سے پوپ ہنری چہارم کے وقت سے شہنشاہ کی منظوری کے بغیر عام طور پر باقاعدہ منتخب شدہ سمجھے جاتے تھے اور کوئی شخص اب یہ یقین نہیں کرتا تھا کہ پوپ کے انتخاب میں شہنشاہ کی منظوری ضروری ہے۔

باب چہاردہم

ہوہنسٹافن شہنشاہ اور پوپ

فریڈرک اوّل، باربروسا (سرخ ریش) ۱۱۵۲ تا ۱۱۹۰ء

فریڈرک اوّل عرف باربروسا یعنی "سرخ ریش" جو جرمنی کا بادشاہ ۱۱۵۲ء میں ہوا، تمام جرمن شہنشاہوں میں سب سے زیادہ دلچسپ شخص ہے اور جو حالات اُس کے عہد کے ہم تک پہنچے ہیں اُن سے بارہویں صدی کے اواسط میں جو کچھ یورپ کی حالت تھی وہ بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ اُس کے ظہور سے ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم اُس دراز زمانہ سے جو عہدِ تاریک (ازمنۂ مظلمہ) کے نام سے موسوم ہے ابھی باہر آرہے ہیں چھٹی صدی سے بارھویں صدی تک تقریباً تمام واقفیت جو کچھ ہم کو یورپ کی تاریخ سے ہے وہ راہبوں کی ناقابلِ وثوق اور نامکمل تحریرات کی بدولت ہے جن کے مصنف اکثر ناواقف اور بے پروا ہوتے تھے اور عموماً جن واقعات کو وہ ضبط تحریر میں لاتے تھے اُن کی جائے وقوع سے بہت دور ہوتے تھے لیکن بارہویں صدی کے پچھلے نصف حصہ میں ہماری واقفیت بہت زیادہ اور نیز مختلف النوع ہو جاتی ہے۔ ہم کو شہری زندگی کے حالات معلوم ہونے لگتے ہیں اور راہبوں کی تحریرات پر اب ہم اکتفا نہیں کرتے۔ پہلا مورخ جس میں اپنے مضمون کی ایک حد تک فلسفیانہ گرفت موجود تھی آٹو آف فریزنگ تھا۔

مورخ آٹو آف فریزنگ

اُس کی حیاتِ فریڈرک باربروسا اور اُس کی تاریخ عالم اُس زمانہ کی معلومات کے بیش بہا ذخائر ہیں جن کا اب ہم ذکر کریں گے۔

سلطنت کے بارہ میں فریڈرک کا معیارِ ذہنی

فریڈرک کی یہ آرزو تھی کہ وہ رومی سلطنت کو اُس کی

قدیم شان و شوکت اور اقتدار کو پہنچا دے۔ وہ اپنے آپ کو قیصر جسٹینین، شارلمین اور اوٹو اعظم کا جانشین سمجھتا تھا۔ وہ اپنے عہدہ کو بھی الیسا ہی الہامی سمجھتا تھا جیسا کہ پوپ کے عہدہ کو۔ پوپ کو اپنے انتخاب کی اطلاع دیتے ہوئے اُس نے لکھا کہ "خدا نے اُس کو سلطنت عطا کردی ہے" اور اس نے پوپ کی منظوری کی خواہش نہیں کی جیسا کہ اُس کے پیشرو کرتے رہے تھے لیکن اپنی اس عمر بھر کی کوشش میں کہ وہ تمام حقوقِ شہنشاہی جن کو وہ ایسا سمجھتا تھا قائم رہیں اُس کو تمام قدیم مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اُس کو جرمنی میں اپنے باغی طاغی باجگزاروں کی نگرانی کرنی پڑی اور سلسلہ دار دلاور پوپوں کی مخالفت سے سابقہ پڑا جو پوپ کی طاقت کے بڑے سے بڑے دعاوی کی حمایت کرنے کے لیے تیار تھے۔ علاوہ ازیں اُس نے لمبرڈی کے شہروں کو ناقابلِ تسخیر دشمن پایا جنھوں نے آخرکار اُس کو شکست فاش دی۔

تاریخ میں شہر اپنے کارنامے دکھلانے لگے

نہایت نمایاں اختلاف جو فریڈرک سے قبل کے زمانہ اور اُس کے بعد سے اب تک کے قرنوں میں ہے وہ شہری زندگی کی ترقی ہے مع اُن تمام معنوں کے جو آج اس کے معنی لیے جاسکتے ہیں۔ اب تک ہم صرف شہنشاہوں، پوپوں، پادریوں اور فیوڈل رؤسا کے حالات پڑھتے رہے ہیں۔ اب آیندہ شہروں کے حالات بھی اُن میں اضافہ کرلیجیے جیسا کہ فریڈرک نے افسوس کے ساتھ یہ بات معلوم اور محسوس کی۔

لمبرڈی کے شہروں کی حکومت جزواً جمہوریت پر مبنی تھی۔

عہد شارلمین کے بعد لمبرڈی کے شہروں کی حکومت اُن کے علی الترتیب پادریوں کے ہاتوں میں آگئی جو کاؤنٹ کے حقوق اور اختیارات استعمال کرتے تھے۔ پادریوں کی نگرانی میں شہروں نے اپنی دیواروں کے اندر مرفہ الحال ہونا شروع کردیا اور اپنے اقتدار کو قرب و جوار کے اضلاع میں بھی وسعت دی۔ جب صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی ہوئی تو مرفہ الحال شہریوں نے اور نیز زیادہ غریب طبقوں نے بھی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی خواہش کی۔ سب سے

پہلے کریمونا نے اپنے پادری کو خارج البلد کر دیا۔ اس کے قلعے کو برباد کر دیا اور اس کو واجبات دینے سے انکار کر دیا۔ بعدازاں ہنری چہارم نے لوکا کو اس کے پادری کے خلاف بسٹر کا دیا اور یہ وعدہ کیا کہ آیندہ اس کی آزادی میں کوئی پادری، ڈیوک یا کاؤنٹ مخل نہ ہوگا۔ دوسرے شہروں نے بھی کلیسا کی حکومت کو خیرباد کہا اور عملی طور پر ان سب شہروں میں حکومت بالآخر جینگی کے افسروں کے ہاتوں میں آگئی جن کو وہ شہری منتخب کرتے تھے جو حکومت میں دخل دینے کی مجاز تھے۔

اٹلی کے شہروں میں شور وشغب اور ان کی قابل یادگار تہذیب

شہر کے معاملات میں زیادہ غریب کاریگروں کو رائے دینے کا بالکل حق نہیں دیا گیا تھا۔ ان کی کبھی کبھی کی بغاوتوں نے اور نیز امرا کی فرقہ بندیوں کے باہمی مناقشات نے جنہوں نے بجائے اپنی جاگیروں میں رہنے کے شہروں میں سکونت اختیار کر لی تھی ایک ایسا شور وشغب پیدا کر دیا جس کو ہم اپنے موجودہ باامن شہروں میں ناقابل برداشت خیال کریں گے۔ قرب وجوار کے شہروں سے سخت لڑائیوں کی بنا پر یہ اور بھی ترقی پذیر ہو جاتا تھا۔ تاہم ناقابل یقین بدامنی کے باوجود اندرون وبیرون شہر رہتی تھی۔ اٹلی کے شہر صنعت وحرفت اور علم وفن کے مرکز بن گئے جن کا جواب تاریخ میں سوائے یونان کے مشہور شہروں کے اور کہیں نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں وہ اپنی آزادی وخودمختاری چند صدیوں تک قائم رکھہ سکے۔ فریڈرک کی مشکلات شہنشاہ کی حیثیت سے اٹلی میں قدرتاً لمبرڈی شہروں کی سخت مخالفت کے باعث جن کا پوپ ہمیشہ ایک پکا طرفدار رہتا تھا بہت زیادہ ہو گئی تھیں۔ شہروں اور پوپ کا باہمی مشترک فائدہ تھا کہ شاہ جرمنی کی طاقت پہاڑوں کے اس جانب محض برائے نام رہے۔

فریڈرک کی پہلی مہم اٹلی پر ۱۱۵۴ء

لمبرڈ شہروں میں ملان نہایت طاقتور تھا اور اس کے ہمسایوں نے اس سے خوشی کے ساتھ بے اعتنائی کی کیونکہ وہ اپنے اقتدار کو ہمیشہ ان پر دست دینے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ لوڈی کے دو پناہ گزینوں نے منتخب شدہ

شہنشاہ کو اطلاع دی کہ ملان کے ظلم و جبر کی کوئی انتہا نہیں جب فریڈرک کے نمائندے اس بُرا برتاؤ کرنے والے شہر کے پاس پہنچے تو اُن کی توہین کی گئی اور شاہی مہر کو خاک میں ملا کر پیروں سے کچل ڈالا۔ دوسرے شہروں کی طرح ملان بھی شہنشاہ کی برتری صرف اس طریقہ سے تسلیم کرنے کے لئے تیار تھا کہ وہ اُسے دق اور پریشان نہ کیا کرے۔ تاج شہنشاہی حاصل کرنے کی خواہش نے اور ملان کے اس گستاخانہ طرزِ عمل کی سزا دہی نے فریڈرک کو اٹلی میں ۱۱۵۴ء میں اُس کی چھ مہمات کی پہلی مہم پر بلا لیا۔ جن میں اُس کی سلطنت کے بہت سے سال صرف ہوئے۔

فریڈرک نے اپنا خیمہ ران کیگلیا کے میدان میں نصب کیا اور وہاں لمبرڈ شہروں کے نمایندوں سے ملاقات کی جنہوں نے اپنے ہمسایوں خصوصاً مغرور ملان کے طرزِ عمل کی بہت اور سخت شکایتیں کیں۔ ان بحری تجارت کرنے والے شہروں کی وسعتِ تجارت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ جینوا نے شتر مرغوں، شیروں اور طوطوں کو بطور تحائف بھیجا تھا۔ فریڈرک نے پیویا کی شکایت پر ٹورٹونا کا محاصرہ کرنے اور اُس کو تباہ کرنے سے ایک لمحہ کے لئے کچھ اثر پیدا کر دیا۔ لیکن جب وہ روما کی طرف بڑھا تو ملان نے جرات کر کے اپنے دو پائین ہمسایوں کو اس بنا پر سزا دی کہ انہوں نے شہنشاہ کو نہایت جوش و خروش کے ساتھ مدد دی تھی۔ ملان نے ٹورٹونا کے بیکس شہریوں کی بھی مدد کی تاکہ وہ اپنا شہر دوبارہ تعمیر کریں۔

فریڈرک اور پوپ ہیڈرین

جب پوپ ہیڈرین چہارم اور شہنشاہ پہلے پہل ملے تو کچھ عناد باہمی تھا کیونکہ فریڈرک نے پوپ کی رکاب تھامنے میں تامل کیا۔ تاہم اُس نے پھر کوئی اعتراض نہیں کیا جب اُسے معلوم ہوا کہ وہاں کا یہی دستور تھا۔ ہیڈرین اُس کی امداد پر بھروسہ رکھتا تھا کیونکہ روما میں ایک یادگار انقلاب ہونے والا تھا۔ نامور آرنلڈ آف بریسیا کی سرگردہی میں شہر ایسی حکومت قائم کرنے میں ساعی اور کوشاں تھا جیسی کہ اُس زمانہ میں تھی جبکہ رومیوں کی سینیٹ مہذب دنیا پر حکمراں تھی۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ یہ کوشش رائگاں گئی، اگرچہ فریڈرک نے پوپ

کوآرنلڈ اور باغی رومیوں کے خلاف کچھ امداد نہ دی تھی۔ اپنی تاجپوشی کے بعد شہنشاہ نے جرمنی کو
جلد مراجعت کی اور مایوس ہیڈرین کو اپنے سرکش لوگوں کے ساتھ جیسا چاہے برتاؤ کرنے کے
لئے چھوڑ گیا۔ اس مایوسی اور آئندہ غلط فہمیوں سے پوپ اور فریڈرک کے نہایت برے
خیالات ہو گئے۔

مجلس رانکیگلیا
۱۱۵۸ء

۱۱۵۸ء میں فریڈرک اٹلی کو واپس آیا اور رانکیگلیا پر ایک بڑی مجلس منعقد کی۔
اس نے رومی قانون کے بعض استادوں کو بولوگنا سے طلب کیا (جہاں کہ
قانون کی تعلیم بہت زور شور سے جاری تھی) اور نیز شہروں کے نمائندوں کو بلایا تاکہ وہ ٹھیک
ٹھیک طور پر یہ طے کر دیں کہ شہنشاہ کی حیثیت سے اس کے کیا کیا حقوق تھے۔ یہ کوئی اندیشہ کی
بات نہ تھی بجز اس کے کہ ماہرین قانون جو یہ کہتے تھے کہ "جو کچھ بادشاہ کا حکم ہے وہی قانون ہے"
کہیں شہنشاہ کو اس کا پورا حق نہ عطا کر دیں۔

لمبرڈ شہروں پر شہنشاہ
کے حقوق کا تصفیہ

اس کا ریگیلیا یا حکومت کے حقوق حسب ذیل تھے: سب سے پہلے
اس کی فیوڈل برتری مختلف ریاستوں اور کاؤنٹی پر مسلم تھی، اس کو
حق حاصل تھا کہ وہ مجسٹریٹوں کو مقرر کرے، ٹیکس وصول کرے، غیر معمولی جنگی ٹیکس قائم کرے، سکہ
ضرب کرائے، مچھلیوں کے پکڑنے کی جگہ سے مالگزاری وصول کرے اور نیز نمک اور چاندی کی
کانوں سے بھی مالگزاری لے۔ ایسے اشخاص یا شہر جو یہ ثابت کر سکیں کہ یہ حقوق ان کو باقاعدہ طور پر
معاف کر دیئے گئے تھے وہ مستثنیٰ رہیں ورنہ شہنشاہ ان سے بھی یہ حقوق حاصل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔
چونکہ اکثر شہروں نے محض پادریوں کے حقوق خود اختیار کر لئے تھے اور شہنشاہوں سے ان حقوق
کی معافی کا کوئی قانونی ثبوت نہیں رکھتے تھے اس فیصلہ سے ان کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔ فی الحال
شہنشاہ کی مالگزاری میں بہت اضافہ ہو گیا۔ لیکن یہ انتہائی تدابیر اور وہ نفرت انگیز گورنران جنکو
اس نے اپنا قائم مقام کر کے بھیجا آخر کار بغاوت و سرکشی پیدا کرکے رہے۔ ان شہروں کے لئے یہ
موت اور زندگی کا سوال تھا کہ وہ شاہی افسران اور ٹیکس وصول کنندگان سے جس طرح

ہو سکے نجات حاصل کریں۔

کریما اور ملان کی تباہی | شہنشاہ کے حکم پر شہر کریما نے اپنی دیواروں کو مسمار کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ اس کا نہایت سخت محاصرہ کیا گیا اور آخر کار اس کو محکوم ہونا پڑا۔ اس کے شہریوں کو بجز جان بچا کر بھاگ جانے کے اور کوئی چیز ہمراہ لیجانے کی اجازت نہ دیگئی۔ شہر کو غارتگری کے بعد تباہ و برباد کر دیا گیا۔ بعد ازاں ملان نے شہنشاہ کے نائبوں کو اپنے دروازوں سے باہر نکال دیا۔ ایک بڑے محاصرہ کے بعد یہ مغرور شہر بھی صلح کا ملتجی ہوا۔ اور شہنشاہ نے اس کی تجارتی اور سیاسی اہمیت کے باوجود ۱۱۶۲ء اس کی تباہی کا حکم دینے میں تامل نہ کیا۔ یہ اُن باہمی تعلقات کی افسوسناک شرح ہے کہ ملان کے ہمسایہ شہروں نے التجا کی کہ اُن کو اجازت عطا کی جائے کہ وہ ملان کو تباہ و برباد کریں۔ اُس کے باشندوں کو اُسی موقع کے نزدیک آباد ہونے کی اجازت دیدی گئی حالانکہ اُن کا مرفہ الحال شہر واقع تھا اور آئیندہ جس سرعت کے ساتھ انہوں نے دوبارہ اُس کو تعمیر کیا ہم اُس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ شہر کی تباہی ایسی مکمل طور پر نہیں کیگئی تھی جیسا کہ بعض حالات کے پڑھنے سے مترشح ہوتا ہے۔

لمبرڈ شہروں نے خفیہ طور پر لمبرڈ لیگ قائم کر لی | لمبرڈ شہروں کے لئے اُن کی جانبری کی صورت صرف اتفاق میں تھی جس کی ممانعت شہنشاہ نے صریح الفاظ میں کر دی تھی۔ ملان کی تباہی کے بعد خفیہ طور پر وہ تدابیر اختیار کی گئیں جنسے بعد ازاں بڑی لمبرڈ لیگ قائم ہو گئی۔ کریمونا' بریسیا' منٹوا اور برگیمو شہنشاہ کے خلاف متحد ہو گئے۔ پوپ کی حوصلہ افزائی اور لیگ کی مدد سے ملان کو سرعت کے ساتھ دوبارہ تعمیر کر لیا گیا۔ فریڈرک جو روما کے مفتوح کرنے میں اس خیال سے مصروف تھا کہ مخالف پوپ کو سینٹ پیٹر کے تخت پر بٹھا دے۔ ۱۱۶۷ء میں رومی بخار اور شہروں کے غصے کے مشترک خطرات سے جان بچا کر جرمنی کو واپس آنے پر خوش ہوا۔ لیگ میں وینس' پیاسینزا' پارما اور بالآخر دیگر شہر شامل کر لئے گئے تھے۔ یہ نہایت مناسب خیال کیا گیا کہ ایک بالکل نیا شہر تعمیر کیا جائے تاکہ شہنشاہ کی واپسی پر اُس کے مقابلہ کے لئے وہاں افواج جمع

کر سکیں۔ شہر الیسینڈریا ابتک لیگ کی اُس طاقت اور اتحادی اسپرٹ کے ثبوت کے لئے موجود ہے۔ نئے شہر کا نام لیگ کے رفیق پوپ سکندر سوئم (الیگزانڈر) کے نام پر ہے جو شاہان جرمنی کے مخالف پوپوں میں سے نہایت مشہور ہے۔

فریڈرک کو مقام لیگنینو پر کامل شکست ہوئی۔ ۱۱۷۶ء

چند سال تک جرمنی کے معاملات کو درست کرنے کے بعد فریڈرک نے پھر لمبرڈی کا قصد کیا۔ اُس نے نئے "پودے" شہر کو جیسا کہ شاہی تابعین حقارت سے اُس کو کہتے تھے اپنے لئے نہایت مضبوط پایا۔ لیگ نے اپنی افواج کو مجتمع کیا اور لیگنینو پر ۱۱۷۶ء میں ایک جنگ عظیم برپا ہوئی۔ واقعی ایک فیصلہ کن جنگ جو قرون وسطیٰ میں کافی شاذ و نادر تھی۔ فریڈرک کو کوہ ایلپس کی دوسری جانب سے امداد میسر نہ ہوئی جیسی کہ اُس کی خواہش تھی اور ملان کی طاقتور سرگردہی میں لیگ نے اس قدر کامل طور پر اور مایوسانہ طریقہ پر اُس کو شکست دی کہ لمبرڈی کی ملکیت اور برتری کا سوال کچھ عرصہ تک طے ہو گیا۔

صلحنامۂ کانسٹینس ۱۱۸۳ء لمبرڈ شہروں کی آزادی قائم کرتا ہے

اس پر شہر وینس میں ایک بڑی کانگریس جمع ہوئی اور یہاں پوپ سکندر سوئم کی موجودگی میں ایک عارضی صلح ہو گئی جو کانسٹینس پر ۱۱۸۳ء میں مستقل صلح بن گئی۔ شہروں نے عملی طور پر اپنے تمام حقوق واپس لے لئے اور صرف شہنشاہ کی برتری اور اقتدار کو تسلیم کر لیا اور وہ بالکل آزاد ہو گئے۔ علاوہ ازیں فریڈرک کو مجبور کیا گیا کہ وہ عاجزی کے ساتھ اُسی پوپ کو تسلیم کر لے جس کی اطاعت نہ کرنے کی اُس نے قسم کھا رکھی تھی۔ پوپ اور شہروں نے ایک مشترک معاملہ کر لیا تھا اور اسی وجہ سے اُن کو مشترک فتح بھی حاصل ہو گئی۔

گوالفس کی طاقت کی اصلیت

اس وقت سے آیندہ زمانہ تک جو فریق شہنشاہوں کے خلاف اٹلی میں رہا اُس نے اپنا نام گوالف اختیار کر لیا۔ یہ صرف دوسرا نام ویلف خاندان کا ہے جس سے ہوہنسٹافن شہنشاہوں کو جرمنی میں بہت تکلیف پہنچائی۔ ایک شخص ویلف نامی کو ہنری چہارم نے ۱۰۷۰ء میں بویریا کا ڈیوک بنا دیا تھا۔ اُس کے بیٹے نے اپنی خاندانی ریاست میں ایک

متمول شمالی جرمن وارثہ سے شادی کر کے اور اضافہ کر لیا تھا۔ اُس کے پوتے ہنری متکبر کی نظر اور بھی وسیع تھی اور وہ سیکسنی کے ڈیوک کا داماد ہو گیا اور اُس کی بڑی ریاست کا وارث بن گیا۔ اِس سے اُس کے وسیع مقبوضات میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور اُس کو ہوانسٹافن[1] شہنشاہوں کے نہایت طاقتور اور خوفناک باجگزاروں میں سے بنا دیا۔

سیکسنی کی تقسیم اور دوسری بڑی جرمن ریاستیں

لمبرڈ شہروں کے خلاف اپنی تباہ کن مہم سے واپس آنے پر فریڈرک (سرخ ریش) نے اپنے آپ کو ہنری دی لائن (اسد) سے جو ہنری متکبر کا بیٹا تھا اور جس نے قبل جنگ لیگنینو شہنشاہ کی امداد سے انکار کر دیا تھا مبتلائے جنگ و جدل پایا۔ ہنری کو خارج الولایت کر دیا اور فریڈرک نے ریاستِ سیکسنی کو تقسیم کر لیا۔ اُس کی حکمت عملی یہ تھی کہ قدیم ریاستوں کے حصے بخرے کر دئے جائیں کیونکہ اُس نے واضح طور پر یہ عظیم خطرہ سمجھا کہ اپنے باجگزاروں کو اتنے بڑے اضلاع جتنے کہ وہ خود رکھتا تھا انتظام کے لئے سپرد کر دئے جائیں۔

ہوانسٹافنس اپنی طاقت کو جنوبی اٹلی میں وسعت دیتے ہیں

صلیبی مہم پر رخصت ہونے سے قبل جس میں کہ اُس نے اپنی عزیز جان سے ہاتھ دھویا، فریڈرک نے اپنے بیٹے ہنری ششم کو اٹلی کا بادشاہ بنا دیا۔ علاوہ ازیں ہوانسٹافن طاقت کو جنوبی اٹلی پر وسعت دینے کی غرض سے اُسنے نوجوان ہنری اور کانسٹینس کی شادی کر دی جو نیپلس اور سسلی[2] کی نارمن سلطنت کی وارثہ تھی۔ اِس

---

[1] گبلن کے نام کی اصلیت جو اٹلی میں شہنشاہ کے وفاداروں کا نام تھا معلوم نہیں ہے۔ یہ شاید ویبلنگ سے نکلا ہے جو ہوانسٹافن شہنشاہوں کے قلعہ کا نام ہے۔ مؤلف۔

[2] قسمت آزما نارمنوں کی توجہ جنوبی اٹلی کی طرف گیارہویں صدی کی ابتدا میں منعطف ہو گئی تھی کیونکہ اُن میں سے بعض اشخاص نے جو اِدھر اُدھر پھرتے پھراتے وہاں پہنچ گئے تھے مقامی مخالف شہزادوں سے اپنے موافق جنگ و جدل کرنے کے عمدہ مواقع دیکھے۔ غارتگروں اور لٹیروں کی بجائے وہ وہاں جلد حکمراں قوم بن گئے۔ انہوں نے اپنی فتوحات کو اصل سرزمین سے (دیکھو صفحہ آئندہ)

طرح جرمنی اور اٹلی کو ایک ہی سردار کے ماتحت رکھنے کی بیکار کوشش جاری رہی۔ اس کی وجہ سے پوپ سے اور نئے جھگڑے پیدا ہوگئے جو نیپلس اور سسلی کے فیوڈل آقا بن گئے تھے اور نتیجہ ہوا ہنسٹافن خاندان کی تباہی نکلا۔

ہنری ششم ۱۱۹۰ء تا ۱۱۹۷ء

ہنری ششم کا مختصر عہد مشکلات سے پُر تھا جن سے وہ نبرد آزما ہوا اور انپر غالب آیا۔ ہنری اسد جو گولف کا سردار تھا اور جس نے فریڈرک سے عہد و پیمان کر لیا تھا کہ وہ جرمنی کی سرزمین میں قدم نہ رکھے گا اپنی قسم کو توڑ کر جرمنی واپس آیا اور علم بغاوت بلند کیا۔ یہ بغاوت ابھی فرو ہی ہوئی تھی اور گولف فرقہ کچھ عرصہ کے لئے محکوم ہوا ہی تھا کہ ہنری ششم کو جانب جنوب اپنی سلطنت سسلی کو دشمنوں کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے کوچ کرنا پڑا۔ وہاں ایک نارمن کاؤنٹ جس کا نام ٹینکریڈ تھا جرمن دعویدار کے خلاف ایک قومی بغاوت کا سرگروہ بنا ہوا تھا۔ پوپ نے جو سسلی کو اپنی فیف (جاگیر) سمجھتا تھا، شہنشاہ کی نارمن رعایا کو اُن کے حلف وفاداری سے بری کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں رچرڈ شیر دل شاہ انگلستان اپنے سفر بیت المقدس کے رستہ میں وہاں اتر پڑا اور اس نے ٹینکریڈ کا ساتھ دیا۔

اُسکی مشکلات اٹلی اور جرمنی میں

ہنری ششم کی مہم اٹلی بالکل تباہ کن ثابت ہوئی۔ اُس کی ملکہ کو ٹینکریڈ کے لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ اُس کی فوج بیماری سے بہت زیادہ تباہ ہوئی اور ہنری اسد کا بیٹا جس کو اُس نے بطور ضامن و کفیل کے رکھ چھوڑا تھا فرار ہو گیا۔ جب اُس نے جرمنی کی سرزمین پر دوبارہ قدم

(بقیہ صفحہ ۱۸۴) سسلی تک وسعت دی اور ۱۱۳۰ء میں انہوں نے تمام جنوبی اٹلی کو متحد کرکے ایک علیحدہ سلطنت قائم کر دی۔ پوپوں نے اپنی سلطنت کی سرحدوں پر اس نئی اور مضبوط طاقت کے قیام میں نہایت دلچسپ حصہ لیا۔ انہوں نے اس روز افزوں سلطنت پر اقتدار رکھنے کے لئے عقلمندی سے کام لے کر رابرٹ گسکرڈ کو ترغیب دی جو نارمن سرداروں میں سب سے زیادہ نامور ہے کہ وہ پوپ کو اپنا فیوڈل آقا تسلیم کر لے۔ چنانچہ ۱۰۵۹ء میں وہ نکولس دوئم کا باجگزار بن گیا۔ مؤلف۔

رکھا تو اُس کی دقتوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اُسے ایک نئی اور نہایت خوفناک بغاوت سے (۱۱۹۲ء) سے سابقہ پڑا۔ خوش نصیبی سے رچرڈ جو اپنی صلیبی جنگ سے واپس ہو کر براہ جرمنی خفیہ طور پر گھر جا رہا تھا اُس کے ہاتوں میں پڑ گیا۔ اُس نے شاہ انگلستان کو گوالفس کی حمایتی کے بطور نظر بند رکھا جب تک کہ اُس کو کثیر التعداد فدیہ نہ مل گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں کے خلاف جرمنی اور اٹلی دونوں جگہ نبرد آزمائی کر سکا۔ ٹینکریڈ کی وفات نے جنوبی اٹلی میں اُسے اپنی دوبارہ سلطنت حاصل کرنے کا موقع دیدیا۔ لیکن جرمن شہزادوں کو اُس نے بیکار یہ ترغیب دینے کی کوشش کی کہ وہ جنوبی اٹلی کی سلطنت کا مستقل الحاق جرمنی سے تسلیم کر لیں یا تاج شہنشاہی کو اُس کے خاندان میں موروثی بنا دیں۔

پوپ اِن نوسینٹ (معصوم) سوئم

تیس برس کی عمر میں اور تمام دنیا میں اپنی سلطنت قائم کرنے کی تجاویز کے خیال میں ہنری اٹلی میں بخار کا نشانہ بن گیا اور ہوہنسٹافن خاندان کی قسمت اپنے صغیر سن بیٹے کے ہاتوں میں چھوڑ گیا جو نامور فریڈرک دویم ہونے والا تھا۔ جب ہنری ششم نے وفات پائی تو غالباً سب سے بڑا پوپ سینٹ پیٹر کے تخت پر جلوہ گر ہوا اور تقریباً بیس برس تک مغربی یورپ کے سیاسی معاملات پر حاوی رہا۔ کچھ عرصہ کے لئے پوپوں کی سیاسی طاقت کسی شارلمین یا کسی نپولین کی طاقت کو بھی ماند کر دیتی ہے۔ آئندہ باب میں اُس بڑے صیغہ کی کیفیت بیان کی جائے گی جہاں اِن نوسینٹ سویم ایک بادشاہ کی مانند اپنے تخت پر جلوہ آرا ہوتا تھا۔ لیکن ہم کو پہلے پوپوں اور خاندان ہوہنسٹافن کے باہمی نزاع کا ذکر جو فریڈرک دویم کے یادگار عہد میں ہوا کرنا چاہیئے۔

جرمن تخت کے دو رقیب دعویدار فلپ اوف ہوانسٹافن اور آٹو اوف برنزوک

ہنری ششم کے انتقال کے بعد جرمنی ہنری کے بھائی فلپ کے الفاظ میں "ایک سمندر کے مانند تھا جس میں ہر طرف سے طوفان خیز ہوائیں چل رہی تھیں"۔ بدامنی اس بلا کی تھی اور غریب جرمنی اپنے تمام حصوں میں اس قدر منقسم اور شکستہ تھی کہ دور اندیش اور فہیم لوگ یہ شک کرتے تھے کہ آئندہ یہ کبھی امن و امان اور سکون کی حالت میں ہو گی۔ فلپ نے پہلے اپنے کم سن بھتیجے کا ریجنٹ (نائب السلطنت) بننا تجویز کیا لیکن پھر بہت جلد خود شاہی حقوق اختیار کر لئے جبکہ وہ رومیوں کا بادشاہ باقاعدہ طور پر

منتخب کیا جا چکا تھا۔لیکن کالون کے لاٹ پادری نے ایک مجلس طلب کی اور ایک رقیب بادشاہ آٹو اوف برنزوک کا انتخاب کرادیا جو ہنری اسد کا نوجوان بیٹا تھا۔

ان نوسینٹ سوئم آٹو کے حق میں فیصلہ دیتا ہے

پس گوالف اور ہوانسٹافن کا قدیم نزاع ازسرنو جاری ہوگیا۔دونوں بادشاہوں نے ان نوسینٹ سوئم کی امداد پر سلطنت کے نیلام کی بولی بولنی شروع کردی جو کھلم کھلا اعلان کر رہا تھا کہ معاملہ کا تصفیہ اُس کے اختیار میں ہے۔آٹو پوپ کے لئے نہایت غیر محتاط رعایتیں کرنے کے لئے تیار تھا اور چونکہ پوپ قدرتاً ہوانسٹافن کی طاقت کو ازسرنو زندہ کرنے سے خائف تھا اگر وہ فلپ کو بادشاہ تسلیم کرلیتا پس اُس نے ۱۲۰۱ء میں گوالف دعویدار کے موافق معاملہ طے کردیا۔شکر گزار آٹو نے اُسے لکھا "میری بادشاہت خاک اور راکھ میں مل جاتی اگر آپ کے ہاتھ سے یا مقدس حواری کی کرسی کی حکومت نے ترازو کے پلڑے کو میری حمایت میں جھکا یا ہوتا" ان نوسینٹ اِس موقع پر اور نیز دیگر مواقع پر یورپ کا ثالث ظاہر ہوتا ہے۔اُن خوفناک خانہ جنگیوں میں جو جرمنی میں واقع ہوئیں آٹو نے بتدریج اپنے تمام دوست ضائع کردئے۔لیکن اُس کے رقیب کا امیدافزا زمانہ بھی جلد ختم ہوگیا کیونکہ اُس کو اُس کے ایک نجی دشمن نے ۱۲۰۸ء میں قتل کرڈالا۔اِس پر پوپ نے ہر جرمن پادری یا شہزادہ کو مذہب عیسوی سے خارج کرنے کی دھمکی دی اگر وہ آٹو کی مدد نہ کرے۔اگلے سال آٹو روما کو تاجپوشی کے لئے گیا لیکن اُس نے اٹلی میں شہنشاہ بنکر پوپ کو اپنا دشمن کرلیا۔اُس نے فریڈرک کی سسلی کی سلطنت پر بھی جو ہنری ششم کا بیٹا تھا اور پوپ کی سرپرستی میں تھا حملہ کیا۔

ان نوسینٹ سوئم مغربی یورپ کا ثالث

لہٰذا ان نوسینٹ نے آٹو کو معزول کردیا اور کہا کہ "اُس کو اُس میں دھوکا ہوا جیسا کہ خود خدا کو سال میں ایک مرتبہ دھوکا ہوا تھا" اُس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ نوجوان فریڈرک شہنشاہ بنادیا جائے۔لیکن اُس نے بڑی احتیاطیں کیں تاکہ وہ پوپ کا اندیشہ ناک دشمن نہ بن جائے جیسا کہ اُس کے باپ اور دادا رہے تھے۔جب فریڈرک ۱۲۱۲ء میں بادشاہ منتخب کیا گیا اُس نے وہ تمام وعدے کرلئے جو ان نوسینٹ نے کرلینے چاہے۔

انگلستان کا جان، پوپ کا باجگزار بنتا ہے

جب پوپ سلطنتِ عظمیٰ کے معاملات کی رہنمائی کر رہا تھا اُس نے دوسرے ممالک میں بھی خصوصاً انگلستان میں اپنی طاقت کے اظہار سے بے پروائی نہیں کی۔ کینٹربری کے راہبوں نے ۱۲۰۵ء میں ایک لاٹ پادری کو انتخاب کرنے کی جرات جو انکا ایک ہٹ بھی تھا اپنے بادشاہ جان کے شوریٰ کے بغیر کی تھی۔ اُن کے منتخب شدہ لاٹ پادری نے روما کا سفر کیا تاکہ وہ پوپ کی منظوری حاصل کرلے۔ ادھر غضبناک جان نے راہبوں کو مجبور کیا کہ وہ دوسرا انتخاب کریں اور اُس کے خزانچی کو لاٹ پادری بنا دیں۔ پس اِن نوسینٹ نے اُن دونوں منتخب شدہ اشخاص کو نامنظور کر دیا اور کینٹربری سے راہبوں کا ایک نیا وفد طلب کیا اور اُن کو حکم دیا کہ وہ اسٹفین لینگٹن کو جو قابل آدمی تھا منتخب کریں۔ اس پر جان نے غصہ ہو کر کینٹربری کے راہبوں کو سلطنت سے خارج کر دیا۔ اِن نوسینٹ نے اِس کے جواب میں انگلستان کو خارج از مذہب کر دیا یعنی اُس نے پادریوں کو حکم دیا کہ وہ تمام گرجاؤں کو بند کر دیں اور تمام عام نمازوں کی تعطیل کر دیں اور یہ بات اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے نہایت مصیبت دہ تھی۔ جان کو مذہب عیسوی سے خارج کیا گیا اور پوپ نے یہ دھمکی دی کہ اگر بادشاہ اُس کی خواہشات کے مطابق کام نہ کریگا تو وہ اُسے معزول کر دیگا اور اُس کا تاج شاہی فرانس کے فلپ آگسٹس کو دیدیگا۔ جب فلپ نے انگلستان کی فتح کے لئے فوج جمع کی تو جان نے عاجزانہ طور پر پوپ کی اطاعت ۱۲۱۳ء میں قبول کرلی۔ اُس نے یہاں تک کیا کہ انگلستان کو اِن نوسینٹ سویم کے حوالہ کر دیا اور بطور جاگیر اُس کو اُس سے واپس لے لیا اور اِس طرح وہ پوپ کا باجگزار بن گیا۔ اُس نے روما کو سالانہ خراج بھی روانہ کرنے کا اقرار کر لیا۔

چوتھی لیٹرن کونسل ۱۲۱۵ء

اِن نوسینٹ چند ناکامیوں کے باوجود اب اپنے تمام حرص و طمع کے مقاصد کو حاصل کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے شہنشاہ فریڈرک دوئم اُس کی سرپرستی میں تھا اور شاہ سسلی کی حیثیت سے اُس کا مسلمہ باجگزار تھا اور یہی حال انگلستان کے بادشاہ کا تھا۔ اُس نے نہ صرف زبانی طور پر کہا بلکہ عملی طور پر مختلف ممالک یورپ کے اہم سیاسی معاملات میں اپنی مداخلت کا حق قائم رکھا ۱۲۱۵ء میں ایک عظیم الشان بین الاقوامی کانگریس (چوتھی لیٹرن کونسل) اُس کے شاہی

محل میں منعقد ہوئی۔ اس میں سیکڑوں پادری، اسقف اور بادشاہوں اور شہزادوں اور شہروں کے نمائندے شامل ہوئے۔ اس کے فرامین کلیسا کی بدعنوانیوں اور بددینی کی ترقی کے خلاف تھے۔ اور یہ دونوں صورتیں پادریوں کی جماعت کی طاقت کو نقصان پہنچانے والی تھیں۔ اس کونسل نے فریڈرک دوئم کی تخت نشینی کو منظور کیا اور ایک مرتبہ پھر بالکلیہ بدنام آٹو کو خارج از مذہب کر دیا۔

اِن نوسینٹ سوئم کی وفات ۱۲۱۶ء میں شہنشاہ فریڈرک دوئم (۱۲۱۲ء-۱۲۵۰ء)

اگلے سال اِن نوسینٹ سوئم کا انتقال ہوگیا اور اپنے جانشینوں کے لئے فریڈرک دوئم کی شکل میں ایک مصیبت کا ورثہ چھوڑ گیا۔ وہ پہلے پوپ کی سرپرستی میں تھا اور اب پوپ کی اطاعت کے لئے آمادہ نہ تھا۔ اسکی تعلیم و تربیت سسلی میں ہوئی تھی اور عربوں کی شائستگی کا اس پر بہت اثر پڑا تھا جو وہاں مروج تھی۔ وہ اس زمانہ کی مسلمہ باتوں کی بھی تردید کرتا ہے چنانچہ اس کے مخالفین کہتے تھے کہ وہ عیسائی بھی نہیں ہے اور وہ یہ بھی کہتا تھا کہ حضرات موسیٰؑ و عیسیٰؑ و محمدؐ (نعوذ باللہ) بدنام اسبکے سب مصنوعی نبی تھے۔ وہ تنگ نظر تھا، اس کا سر صاف تھا اور چہرہ مہرہ کے لحاظ سے بہت معمولی شخص تھا۔ لیکن اس نے اپنی سلطنت سسلی کے نظم و نسق میں نہایت غیر معمولی طاقت اور قابلیت کا اظہار کیا۔ جس کے ساتھ اسے جرمنی کی نسبت زیادہ دلچسپی تھی۔ اس نے اپنی جنوبی سلطنت کے لئے ایک مکمل ضابطۂ قوانین تیار کیا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے سب سے پہلی زمانہ حال کی باقاعدہ سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں بادشاہ کو بلاتعرض برتری اور فوقیت حاصل تھی۔

پوپوں کے ساتھ اس کا سخت نزاع

ہم پوپوں کے ساتھ اس کے طویل نزاع کی عجیب و غریب اور مبہم کر دینے والی حکایت بیان کرنے کے لئے قیام کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے فوراً یہ احساس کر لیا کہ وہ ان کے جنوب میں ایک طاقتور سلطنت قائم کرنا چاہتا ہے اور لمبرڈ شہروں کی اس طریقے سے اپنے اقتدار کو وسعت دینا چاہتا ہے کہ پوپ کے مقبوضات ایک قفس میں بند ہو جائیں انہوں نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ ایسا کبھی نہ ہونا چاہیئے۔ تقریباً ہر تدبیر جو فریڈرک نے اختیار کی ان کو مشتبہ معلوم ہوئی اور انہوں نے اس کی مخالفت کی اور حتی المقدور کوشش کی کہ اسے اور اس کے خاندان

کو تباہ و برباد کردیں۔

فریڈرک یروشلم کا بادشاہ تسلیم کیا گیا

کلیسا کے سردار کے ساتھ جو نزاع ہوا اُس میں اُس کا موقع کامیابی اِس وعدہ سے نہایت متاثر ہوا جو اُس نے اِن نوسینٹ سوم کی وفات سے قبل ایک صلیبی جنگ پر جانے کے لئے کیا تھا۔ وہ اپنے نا تمام ہی سرکوں میں اِس قدر مصروف تھا کہ وہ اِس مہم کو برابر ملتوی کرتا رہا باوجودیکہ پوپوں نے اُس کو برابر نصیحت کی یہاں تک کہ آخرکار پوپ نے بے صبر ہو کر اُس کو خارج از مذہب کر دیا۔ جب وہ مذہب سے خارج ہو گیا تو مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اُسے نہایت شاندار کامیابی ہوئی اور ایک مرتبہ پھر یروشلم یعنی بیت المقدس کو عیسائیوں کے ہاتھوں میں لے آیا اور خود یروشلم کا بادشاہ بن گیا۔

ہوانسٹافنس کی طاقت کا سلب ہونا

لیکن فریڈرک کے طرزِ عمل سے پوپ ناخوش ہوتے رہے شہنشاہ پر مختلف کونسلوں میں لعنت ملامت کی گئی اور بالآخر پوپوں نے جرمنی میں مخالف بادشاہ کھڑے کرنے شروع کر دئے تاکہ وہ فریڈرک کے قائم مقام ہو جائیں جس کو انھوں نے معزول کر دیا تھا۔ فریڈرک کی وفات (۱۲۵۰ء) کے چند سال بعد تک اُس کے بیٹوں نے سسلی میں اپنی سلطنت قائم رکھی۔ لیکن آخرکار انھوں نے فرانسیسی افواج کے سامنے ہتیار ڈال دئے جو سینٹ لوئی کے بھائی یعنی چارلس اوف آنژو کی سرداری میں حملہ آور ہوئی تھیں اور جسکو پوپ نے ہوانسٹافن جنوبی سلطنت بخشدی تھی۔

فریڈرک کی وفات سے قرونِ وسطی کی سلطنت عظمی کا خاتمہ ہوتا ہے

فریڈرک کی وفات کے ساتھ قرونِ وسطی کی سلطنت عظمی کا بھی یوں کہنا چاہیئے خاتمہ ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ فسٹ لا (یعنی زور و طاقت کا قانون) کے بعد جیسا کہ جرمن اُس کو کہتے ہیں ایک نیا بادشاہ روڈولف جو خاندان ہیپسبرگ سے تھا ۱۲۷۳ء میں جرمنی میں منتخب کیا گیا۔ جرمن بادشاہ اپنے آپ کو شہنشاہ کہتے رہے۔ لیکن کسی نے بھی روما جانے اور پوپ سے تاجپوشی کرانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اٹلی کی مملکت کو دوبارہ فتح کرنے کے لئے پھر کوئی جان توڑ کوشش نہیں کی گئی جس کے لئے آٹو اعظم، فریڈرک باربروسا

اور اُس کا بیٹا اور پوتا اِس قدر قربانیاں کر چکے تھے ۔ جرمنی ناقابلِ اتحاد طریقہ پر منقسم ہو گئی تھی اور اُس کا بادشاہ کوئی واقعی بادشاہ نہ تھا ۔ نہ اُس کا کوئی دارالحکومت تھا اور نہ وہ منظم اور باقاعدہ سلطنت تھی ۔

جرمنی اور اٹلی کی تقسیم چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں

تیرہویں صدی کے اواسط تک یہ صاف اور روشن ہو گیا تھا کہ نہ تو جرمنی نہ اٹلی، انگلستان اور فرانس کی طرح ایک علیحدہ مضبوط سلطنت ہو سکتی ہیں ۔ جرمنی کے نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کثیر التعداد ریاستیں، کاؤنٹیاں، گرجائیں اور ایبے وغیرہ موجود ہیں اور آزاد شہر بھی ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی عملی آزادی کا دعویدار ہے اور کمزور بادشاہ اور شہنشاہ سے بے تعلق ہے ۔

شمالی اٹلی میں ہر شہر جس میں وہ ضلع بھی شامل تھا جو اُس کی دیواروں کے اردگرد تھا ایک خود مختار ریاست بن گیا تھا اور اپنے ہمسایوں سے وہی اتحاد و ارتباط رکھتا تھا جیسا کہ خود مختار سلطنتوں سے اٹلی کے شہروں کی قسمت میں چودہویں اور پندرہویں صدیوں کے درمیان ہماری موجودہ تہذیب و شائستگی کا مرزیوم ہونا لکھا تھا ۔ وینس اور فلارنس باوجود اپنی چھوٹی جسامت کے یورپ کی نہایت اہم سلطنتوں میں شمار ہونے لگے تھے ۔ جزیرہ نمائے اٹلی کے درمیانی حصہ میں پوپ کم و بیش اپنے مقبوضات پر قابض رہا ۔ لیکن وہ اکثر اپنی سلطنت کے شہروں کو اپنے بس میں نہ رکھ سکا ۔ جنوب کی جانب نیپلس کچھ عرصہ تک فرانسیسی خاندان کے قبضہ میں رہا جسکو پوپ نے دعوت دی تھی لیکن سسلی اسپین کے قبضہ میں چلا گیا ۔

باب پانزدہم

صلیبی محاربات

عہدِ وسطیٰ کے تمام واقعات میں صلیبی لڑائیاں نہایت عجیب وغریب اور دلفریب ہیں۔ اور یہ وہ قسمت آزما مہمات ہیں جو شام پر کی گئیں۔ اور جو بادشاہوں اور بہادر فوجی سرداروں نے بیت المقدس کو کافر ترکوں سے مستقل طور پر آزاد کرانے کے لئے کیں۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں ہر نسل نے کم از کم صلیبی جنگجویوں کی ایک عظیم فوج مغرب کے تمام ممالک سے جمع ہوتی ہوئی اور مشرق کو روانہ ہوتی ہوئی دیکھی۔ ہر سال زائرین کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کو یا صلیب کے اکّے دُکّے سپاہیوں کو رخصت ہوتے ہوئے لوگ دیکھتے تھے۔ دو سو برس تک ہر درجہ اور ہر حیثیت کے یورپین اصحاب کا ایک لگاتار دریائے ذخّار مغربی ایشیا کی طرف بہ رہا تھا۔ اگر وہ سفر کی بے شمار زحمتوں سے زندہ رہ جاتے تھے تو وہ یا تو اس دور دراز ملک میں آباد ہو جاتے تھے اور تجارت یا جنگ میں مصروف ہو جاتے تھے یا گھر واپس چلے جاتے تھے اور نئے لوگوں کے قصے اور اُن کی صناعی اور عیش و عشرت کے فسانے جو مغرب میں معدوم تھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

صلیبی لڑائیوں کی اہمیت کو غلو سے بیان کرنے کی قدرتی ترغیب

صلیبی محاربات کے بارہ میں ہمارے ذرائع معلومات اس قدر بکثرت ہیں اور اس قدر دلچسپ واقعات سے پُر ہیں کہ اکثر مصنفین کو ان مہمات کے لئے اپنی کتابوں میں زیادہ جگہ دینے کی ترغیب ہوئی حالانکہ وہ دراصل اپنے نتائج کے لحاظ سے اس قدر جگہ کی مستحق نہیں ہیں۔ بہرحال یہ لڑائیاں بھی صرف اُن غیر ملکی مہمات میں شامل ہیں جنکو وقتاً فوقتاً یوروپین اقوام کرتی رہی ہیں۔ بلاشبہ مغرب پر ان کا اثر بہت زبردست

ہوا جیسا کہ آئندہ انگریزوں سے ہندوستان کے مفتوح ہونے کا اور امریکہ کے نوآباد ہونے کا اثر پڑا لیکن مشرق کی لڑائیوں کی تفصیل مشکل سے مغربی یورپ کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔

بیت المقدس کو پہلے عربوں نے اور بعد ازاں ترکوں نے فتح کیا

ساتویں صدی میں عربوں نے حضرت محمدؐ کی وفات کے فوراً بعد ملک شام کو فتح کر لیا تھا اور یروشلم کا مقدس شہر کافروں کے ہاتھوں میں پڑ گیا تھا۔ تاہم عرب اُن مقدس مقامات کا احترام کرنے میں جن کا تعلق حضرت عیسیٰؑ کی زندگی سے تھا عیسائیوں کے شریک تھے۔ اور عام طور پر عیسائی زائرین کو جو وہاں پہنچ جاتے تھے اجازت تھی کہ وہ بلا روک ٹوک عبادت کریں لیکن ایک نئی اور زیادہ اکھڑ قوم اسلجوق ترک، کی آمد پر گیارہویں صدی میں زائرین نے سخت تکالیف کی خبریں گھر پہنچانی شروع کیں۔ علاوہ ازیں مشرقی شہنشاہ کو ترکوں نے ۱۰۷۱ء میں شکست دی تھی اور وہ ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئے تھے۔ ترکوں کا قلعہ نیسیا پر قابض رہنا جو قسطنطنیہ کے مدمقابل دوسرے کنارہ پر تھا واقعی مشرقی سلطنت کے لئے ایک مستقل خطرہ تھا۔ جب طاقتور شہنشاہ الیکزیس ۱۰۸۱ء تا ۱۱۱۸ء تخت نشین ہوا تو اُس نے کافروں کو خارج کرنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھکر کہ یہ کام اُس کے بل بوتہ کا نہیں ہے اُس نے دنیائے عیسائیت کے

مشرقی شہنشاہ پوپ سے کافر ترکوں کے خلاف امداد کی التجا کرتا ہے

سردار اربن دوئم سے امداد کی التجا کی۔ پہلا بڑا جوش صلیبی جنگجویوں کو اربن کی طلبی سے پیدا ہوا جس کا اعلان ایک مشہور کونسل میں کیا گیا تھا جو ۱۰۹۵ء میں بمقام کلرمانٹ فرانس میں منعقد ہوئی تھی۔

اربن دوئم پہلی صلیبی لڑائی کے لئے کلرمانٹ کی کونسل میں طلبی کا اعلان کرتا ہے۔ ۱۰۹۵ء

ایک خطبۂ صدارت میں جس نے ایسے حیرت انگیز فوری نتائج پیدا کر دیئے جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں پائی جاتی پوپ نے فوجی سرداروں اور ہر درجہ کے پیدل سپاہیوں سے باصرار کہا کہ اپنے عیسائی بھائیوں کو خانہ جنگی میں قتل کرنے کے خراب کام سے دست کش ہو جائیں اور اس کی بجائے اپنے ہم مذہبوں کی امداد کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوں۔ ورنہ گستاخ ترک اگر اُن کی روک تھام نہ کی گئی تو وہ اپنی حکومت خدا کے وفادار خادمین پر اور زیادہ

وسیع کریں گے۔" ہمارے شافع محشر کے مقدس مقبرہ کو جس پر نجس اقوام نے قبضہ کر لیا ہے اور اُن متبرک
مقامات کو جن کو وہ بے توقیری سے خراب اور ناپاک کر رہے ہیں اور حقارت سے دیکھ رہے ہیں
خصوصاً تم سے آزاد کرنے کے لئے باصرار کہا جاتا ہے۔" اربن نے یہ بھی کہا کہ فرانس اپنی تمام آبادی
کی ضروریات کو مہیا نہیں کر سکتا اور مقدس سرزمین میں بکثرت دودھ اور شہد ہے۔ "بیت المقدس کی
شاہراہ پر روانہ ہو جاؤ۔ شریر قوم سے وہ مقدس سرزمین چھین لو اور اُس کو اپنے قبضہ میں کر لو۔" جب
پوپ نے اپنا خطبہ ختم کر لیا تو حاضرین نے باتفاق آواز بلند کہا "یہی خدا کی مرضی ہے۔" پوپ نے
کہا کہ یہی جملہ صلیبی جنگجویوں کا رہنما رہنا چاہئے۔ اُن کو ایک صلیب سینہ پر لٹکانے کے لئے ملتی تھی جب
وہ روانہ ہوتے تھے اور جب وہ واپس آتے تھے تو اُن کی پشت پر لٹکتی تھی جو اُن کے مقدس
کام کی متبرک علامت تھی۔

صلیبی جنگجویوں کے اصلی مقاصد

قرونِ وسطیٰ کے مذہبی جوش اور سادگی مذہب کے نہایت عجیب و غریب
نمونوں کے لئے صلیبی لڑائیوں کو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ لڑائیاں بہت سے مختلف
قسم کے لوگوں کو مرغوب خاطر معلوم ہوئیں۔ صرف متقی، بہادر اور قسمت آزما طبقہ کے لوگ ہی ادھر
متوجہ ہوئے تھے۔ ملکِ شام بے صبر اور حریص امیروں کے لئے یہ ترغیب دے رہا تھا کہ شاید
مشرق میں وہ ایک ریاست قائم کر سکیں اور اُن تجارت پیشہ لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا تھا جو نئے
نئے مواقع کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے ہیں اور نیز اُن بے چین لوگوں کو اپنی طرف کھینچ
رہا تھا جو گھر کی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے تھے۔ اُس کی دلفریب کشش سے مجرم بھی اچھوتے نہ رہے
جو اس غرض سے فوج میں بھرتی ہو گئے کہ اُن کو اُن کے گزشتہ کردار کے برے نتائج نہ بھگتنے
پڑیں۔ یہ بھی قابل الذکر ہے کہ اربن نے اُن لوگوں کو خاص توجہ دلائی جو "اپنے بھائیوں اور
رشتہ داروں کے خلاف لڑ رہے تھے" اور اُن سے باصرار کہا "جو غارت گر اور لٹیرے تھے" کہ
"اب وہ حضرت عیسیٰ کے سپاہی بن جائیں۔" بہت سے صلیبی جنگجویوں کے طرز عمل سے ثابت ہوتا
ہے کہ پوپ کی آواز اس طبقہ کے لوگوں میں زیادہ با اثر ثابت ہوئی۔ لیکن قسمت آزمائی کی شوق

اور فتوحات کی امید سے بڑھکر بھی کچھ خیالات تھے جنہوں نے بہت سے لوگوں کو مشرق کا رُخ اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا - بلاشبہ کثیر التعداد اشخاص یروشلم کو "صرف مذہبی جوش کی وجہ سے گئے اور کسی عزت یا نفع کی خاطر نہیں گئے" اور اُن کا خاص مقصد بیت المقدس کو کافروں کے ہاتھ سے چھڑانا تھا -

صلیبی جنگجویوں کے حقوق

پوپ نے گنہگاروں سے وعدہ کیا کہ یہ سفر خود گناہوں سے تائب ہونے کی برابر ہے - دیندار صلیبی جنگجو کو دیندار مسلم کی طرح یقین کامل تھا کہ اگر وہ اس مقدس جنگ میں ہلاک ہوگا تو سیدھا بہشت میں داخل ہوجائے گا - بعدازاں کلیسا نے اپنے غیر معمولی اختیارات سے کام لیا جو ہمارے نزدیک تجارتی معاہدوں میں بیجا مداخلت تھی۔ اُس نے اُن لوگوں کو جو خلوص نیت سے اس سفر کو اختیار کریں اُن کے قرضوں پر سود کی معافی دیدی - اور یہ بھی اُن کو اجازت دیدی کہ وہ اپنی جائداد کو فیوڈل آقاؤں کی مرضی کے خلاف رہن کردیں - صلیبی جنگجویوں کی بیوی بچے اور جائداد کلیسا کی فوری حفاظت میں آجاتی تھی اور جو انہیں ستاتا تھا اُس کو خارج المذہب کردیا جاتا تھا - یہ مختلف امور اس مہم عظیم کی بڑی ہر دلعزیزی کو ظاہر کرتے ہیں جو پہلی نظر میں صرف شکستوں اور ناامیدیوں کا ہجوم معلوم ہوتی ہے -

پیٹر دی ہرمٹ (فقیہ) اور اسکی فوج

کلرمانٹ کی کونسل ماہ نومبر میں منعقد ہوئی تھی - موسم بہار (۱۰۹۶ء) سے قبل اُن لوگوں نے جنہوں نے صلیبی جنگ کا وعظ کرنا شروع کیا تھا اور سب سے بڑھکر مشہور پیٹر دی ہرمٹ (فقیہ) نے جس کو بیشتر تمام صلیبی تحریک کی ابتدا کا فخر حاصل ہوچکا تھا فرانس میں اور دریائے رہائن کے برابر عوام الناس کی ایک غیر معمولی فوج فراہم کرلی تھی - کاشتکار، صناع، خانہ بدوش، اور عورتیں اور بچے تک بھی صلیبی جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے جو سب کے سب مذہبی جوش سے سرشار تھے اور بیت المقدس کو جو دو ہزار میل کے فاصلہ پر تھا آزاد کرانے کے لئے تلے ہوئے تھے - اُن کو کامل یقین تھا کہ حضرت مسیح سفر کی تھکانے والی منزلوں میں اُن کا ساتھ دینگے اور کافروں پر اُن کو فوراً فتح دیں گے - یہ فوج چند رسالوں میں بہ ماتحتی پیٹر (فقیہ)

اور الطروی پیٹی لیس (قلاش) اور دیگر حقیر سرداران فوج کی رہنمائی میں روانہ ہوئی۔ بہت سے صلیبی جنگجویوں کو اہل ہنگری نے اس وجہ سے قتل کر ڈالا کہ اس مختلف الاقوام مجمع کی لوٹ اور غارتگری سے اپنے آپ کو بچائیں۔ ان میں سے کچھ نیسیا تک پہنچے لیکن ان کو ترکوں نے ذبح کر ڈالا۔ یہ صرف ایک مثال بڑے پیمانہ پر اس حالت کی ہے جو بدستور تقریباً ایک صدی تک اس پہلی عظیم تباہی کے بعد بھی جاری رہی۔ منفرد زائرین اور قسمت آزما لوگ اس کوشش میں کہ وہ مقدس سرزمین تک پہنچ جائیں ہر قسم کی مصیبت، گرسنگی، غلامی، بیماری اور موت کے برابر شکار ہوتے رہے۔

پہلی صلیبی جنگ ۱۰۹۶ء

لیکن صلیبی لڑائیوں کے زمانۂ دراز کے بڑے اشخاص، پیٹر فقیہ کے ادنیٰ درجہ کے توابعین میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ فوجی سردار ہیں جو اپنی زرہ بکتروں میں نظر آتے ہیں۔ کلرمانٹ پر طلبی جاری ہونے کے ایک سال بعد جنگجو اشخاص کی بڑی فوجیں مغرب میں امرا کی سرگروہی میں جمع ہوئیں۔ پوپ ان کی تعداد تین لاکھ بتلاتا ہے۔ مختلف رسالوں میں سے جو قسطنطنیہ پر اکٹھے ہونیوالے تھے حسب ذیل دستۂ افواج نہایت اہم تھے:- وہ رضاکار جو پروونس میں اکٹھے ہوئے اور پوپ کے نمائندے اور نیز کاؤنٹ ریمنڈ اوف ٹولوس کی ماتحتی میں روانہ ہوئے؛ باشندگان جرمنی [illegible] لورین کے باشندے بہ ماتحتی گوڈفری اوف بولین اور اس کے بھائی بالڈون جو یروشلم کے فرمانروا مقرر ہو چکے تھے اور آخر میں جنوبی اٹلی کے نارمنوں اور فرانسیسیوں کی فوج بہ سرداری بوہیمنڈ اور ٹینکریڈ۔

نامور سرداران فوج جنکا ذکر کیا جا چکا ہے حقیقی فوجوں کے دراصل کمانڈر تھے۔ بہتیرے صلیبی جنگجو نے جداگانہ قسم کھائی تھی اور وہ کسی شخص کے حکم کی تعمیل اس وقت تک کرتا تھا جب تک وہ ایسا کرنا پسند کرے۔ فوجی سرداران اور سپاہی قدرتی طور پر زیادہ ممتاز رہنماؤں کے گرد جمع ہو گئے اور وہ اپنے سرداروں کے بدل دینے کا اپنے آپ کو مختار سمجھتے تھے۔ سرداران بھی اپنے ذاتی فوائد کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے اور مہم کی بہبودی پر اپنے آپ کو قربان کر دینے کی طرف ان کی کم توجہ تھی۔

بزنطینیوں اور صلیبی جنگجوؤں میں مخالفت

قسطنطنیہ میں صلیبی جنگجوؤں کی آمد پر یہ بات بالکل واضح ہوگئی تھی کہ وہ یونانیوں سے بھی اتنے ہی بعید تھے جتنے کہ ترکوں سے اور کسی بات میں بھی اُن سے مشابہ نہ تھے شہنشاہ الکزاس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ گاڈفری کی فوج پر حملہ کرے جو اُس کے دارالحکومت کی حوالی میں خیمہ زن تھی کیونکہ اُس کے سردار نے اُس کے فیوڈل احترام کرنے کے حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا شہنشاہ کی لڑکی نے اپنی اُس وقت کی عمدہ تاریخ میں صلیبی جنگجوؤں کے ظالمانہ طرز عمل کی تصویر کا بُرا رُخ دکھلایا ہے۔ برخلاف اس کے وہ یونانیوں کو دغاباز، بزدل اور دروغ گو کہتے ہیں۔

مشرقی شہنشاہ نے اپنے مغربی اتحادیوں کے ذریعے سے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کرنے اور ترکوں کو پسپا کرنے کی اُمید کی تھی۔ برخلاف اس کے نامور سرداران فوج نے جو اپنے لیے شہنشاہ کی پہلی مملکت میں ریاستیں بنانے کا خواب دیکھ رہے تھے اُن پر فاتحانہ حق کی رو سے حکومت کرنا تجویز کر رکھا تھا۔ بعد ازاں ہم یونانیوں اور مغربی عیسائیوں کو شرمناک طریقہ پر مسلمانوں کے ساتھ متحد ہو کر ایک دوسرے کے خلاف لشکر آرا دیکھتے ہیں۔ ترکوں کے مشرقی اور مغربی دشمنوں کے تعلقات اس امر سے بخوبی واضح ہوگئے جب کہ صلیبی جنگجوؤں نے اُن کے پہلے شہر نیسیا کا محاصرہ کیا جب یہ شہر اطاعت کے لیے تیار تھا تو یونانیوں نے دشمنوں سے یہ باہم سطے کر لیا کہ پہلے اُن کی فوجیں شہر میں داخل ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مغربی اتحادیوں کے خلاف شہر کے دروازے بند کر دیئے اور اُن سے کہا کہ یہاں سے آگے بڑھ چلو۔

صلیبی جنگجوؤں کے سرداروں میں نااتفاقی

پہلے حقیقی اتحادی جن سے صلیبی جنگجوؤں کو مدد پہنچی عیسائی اہل آرمینیہ تھے جنہوں نے اُنکی امداد ایشیائے کوچک میں سخت کوچ کرنے کے بعد کی تھی۔ اُن کی استعانت سے بالڈون ایڈیسہ پر قابض ہو گیا اور بعد ازاں اُس کا شہزادہ بن گیا صلیبی جنگجوؤں کی بڑی تعداد نے سرداروں سے یہ ترغیب دی کہ وہ فی الحال یروشلم کی چڑھائی کو ملتوی کر دیں اور ایک سال انطاکیہ جیسے اہم شہر کو حاصل کرنے میں صرف کیا گیا۔ اسکے

بعد خصوصاً نارمن بوہمنڈ، اور کاؤنٹ اوف ٹولوس کے درمیان اس بارہ میں کہ مفتوحہ شہر پر کون قابض ہو ایک سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ دونوں جانب کے نہایت خراب طرز عمل کے بعد بوہمنڈ زیادہ کامیاب ہوا اور ریمنڈ اپنے لیے سواحل سمندر پر طرابلس کے قریب ایک علیحدہ ریاست فتح کرنے کے کام میں مصروف ہو گیا۔

یروشلم پر قبضہ | ۱۰۹۹ء کے موسم بہار میں تقریباً بیس ہزار بہادروں نے آخر کار یروشلم پر حملہ کیا۔ انہوں نے ایسے ملک کے درمیان جہاں آب و دانہ کچھ نہ تھا اور نہ ایسا سامان تھا جو شہر پر قبضہ کرنے کے لیے کام میں لایا جاسکے شہر کی فصیلوں کو خوب مستحکم پایا۔ جافہ پر جینوا سے کچھ جہاز بر وقت آگئے جنھوں نے محاصرہ کرنے والوں کو سامان رسد بہم پہنچا دیا اور تمام دقتوں کے باوجود شہر پر دو ماہ کے بعد قبضہ ہو گیا۔ صلیبی جنگجویوں نے اپنی معمولی خون آشامی کے ساتھ باشندگان شہر کو بے دریغ ذبح کیا۔ گوڈ فری اوف بولن یروشلم کا فرمانروا منتخب کیا گیا اور اس نے یہ عاجزانہ لقب "محافظ بیت المقدس" اختیار کیا۔ وہ جلد فوت ہو گیا اور اس کا جانشین اس کا بھائی بالڈون ہوا جس نے اپنے ۱۱۱۸ء میں چھوڑا تاکہ سلطنت یروشلم کی حدود کو وسعت دینے کا کام انجام دے۔

شام میں لاطینی سلطنتوں کا قائم ہونا | یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ فرنگیوں نے جیسا کہ مسلمان تمام مغربی اقوام کو کہتے ہیں چار ریاستوں کے مرکز قائم کر لیے تھے۔ یہ سب ذیل تھے: اڈیسہ، انطاکیہ، طرابلس کے گرد و پیش کا ملک جس کو ریمنڈ نے فتح کیا تھا اور یروشلم کی سلطنت۔ آخر الذکر کو بالڈون نے بہت جلد وسعت دی جس کو وینس اور جینوا کے جہاز رانوں سے بہت مدد ملی۔ وہ سڈن، ایکرا و دیگر سواحلی شہروں پر قابض ہونے میں کامیاب ہوا۔

ان عیسائی فتوحات کی خبریں بہت جلد مغرب میں پہنچیں اور ۱۱۰۱ء میں نئے صلیبی جنگجو ہزاروں کی تعداد میں مشرق کو روانہ ہوئے جن میں سے بہت سے یا تو مر گئے یا ایشیائے کوچک کو پار کرتے ہوئے منتشر ہو گئے اور بہت کم اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔ لہذا اصلی فاتحین کو مسلمانوں کے خلاف ملک پر قبضہ رکھنا پڑا اور اپنی فتوحات کا نظم و نسق جس طرح ان سے ہو سکا انکو کرنا پڑا۔

بحیرۂ روم کے مشرقی سواحل پر فرنیک کا مستقل قبضہ اُن نوآبادیوں کی طاقت پر منحصر تھا جنکو ان کے ماتحت شہزادوں نے قائم کیا تھا۔ یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ مغرب کے کس قدر زائرین نے نئی لاطینی ریاستوں میں اپنا مستقل گھر بنالیا تھا۔ دراصل اُن لوگوں کی زیادہ تعداد جو فلسطین سے گئے بیت المقدس پر دو زانو ہوکر جھکنے کا اپنا پورا عہد کرکے واپس آگئی تھی۔ تاہم کچھ تعداد ایسے سپاہیوں کی ضرور موجود تھی جن پر شہزادے اعتماد کرسکتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہوں اور وہیں قیام کرلیں۔ علاوہ ازیں ترک ایک دوسرے سے لڑنے میں اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے توقع سے بہت کم مستعدی فرنگیوں کو اس مختصر مملکت سے جو تقریباً ۵۰۰ میل طویل اور ۵۰ میل عریض تھی خارج کرنے میں ظاہر کی، جس کو انہوں نے فتح کرلیا تھا۔

ہسپتال والے

صلیبی جنگ کی تحریک کا ایک عمدہ نتیجہ چند عجیب جنگی فرقوں کا قیام تھا۔ ہسپتال والے، معبد والے اور ٹیوٹن سرداران، جن میں اُس زمانہ کی سب سے بڑی دلچسپیاں راہب اور سپاہی کی متفقہ طور پر پائی جاتی تھیں، جنگی فرقے پیدا ہوگئے۔ ایک شخص دو فرقوں میں بھی ہوسکتا تھا، سردار فوج اپنی زرہ بکتر پر راہب کی ٹوپی پہن سکتا تھا۔ ہسپتال والے، راہبوں کی ایک جماعت سے پیدا ہوئے جو پہلی صلیبی جنگ سے پیشتر غریب اور بیمار زائرین کی امداد کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں اُس جماعت نے شریف سرداران فوج کو بھی اُس کا رکن بنانا منظور کرلیا اور یہ ایک جنگی جماعت ہوگئی لیکن اس نے بیماروں کی تیمارداری بدستور جاری رکھی۔ اس خیراتی جماعت نے "ابتدائی خانقاہوں کی مانند مغربی یورپ میں فیاضانہ عطیات اراضی حاصل کئے" اور خود مقدس سرزمین میں بہت سی محفوظ خانقاہیں تعمیر کیں اور اُن کی نگرانی کرتی رہی۔ تیرہویں صدی میں ملک شام کو خالی کرنے کے بعد ہسپتال والوں نے اپنا صدر مقام جزیرۂ رہوڈس اور بعد ازاں مالٹا کو بنالیا۔ یہ فرقہ اب تک موجود ہے اور اب تک یہ بات قابل فخر سمجھی جاتی ہے کہ کسی شخص کو اس کا نشان یعنی مالٹا کی صلیب پہننا نصیب ہوجائے۔

قبل اس کے کہ ہسپتال والے جنگی فرقے میں منسوب ہونے شروع ہوئے، فرانسیسی سرداران

فوج کے ایک چھوٹے دستہ نے ۱۱۱۹ء میں ایک جماعت بنائی جس کا کام یہ تھا کہ زائرین کی حفاظت اُن کے سفر یروشلم میں کافروں کے حملوں کے خلاف کیا جائے۔ اُن کو پہلے معبد حضرت سلیمانؑ کے موقع پر یروشلم کے شاہی محل میں رہنے کے لئے جگہ دی گئی۔

معبد والے

پس اس رعایت سے اُن کا نام معبد والے مشہور ہو گیا اور انھوں نے اس کی عظمت کو بہت ترقی دی۔ کلیسا نے بڑے جوش کے ساتھ "معبد کے غریب سپاہیوں" کو خوش آمدید کہا۔ وہ ایک سفید چغہ پہنتے تھے اور سرخ صلیب اُس پر لٹکاتے تھے۔ اور بہت سخت قوانین خانقاہ کے پابند تھے جن کی وجہ سے اُن سے اطاعت، ناداری اور تجردی کا حلف اٹھوایا جاتا تھا۔ اس فرقہ کی شہرت تمام یورپ میں پھیل گئی اور نہایت معزز اشخاص یہاں تک کہ ڈیوک اور شہزادے دنیا کو ترک کرنے پر رضامند ہو گئے اور حضرت مسیحؑ کی خدمت کرنے کے لئے اُن کے سیاہ اور سفید جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

یہ فرقہ ابتدا ہی سے امرا کا تھا چنانچہ یہ بہت جلد ناقابل یقین طور پر متمول اور خود مختار ہو گیا۔ اس کے جمع کنندگان دولت یورپ کے تمام حصوں میں تھے جو "خیرات" کو جمع کر کے آقائے اعظم کے پاس یروشلم روانہ کر دیتے تھے۔ اس فرقہ کو جاگیریں، گرجا اور شہر اور نیز کثیر التعداد دولت بھی دی جاتی تھی۔ ایراگان کے بادشاہ نے اپنی تہائی سلطنت اس فرقہ کو عطا کرنے کی تجویز کی۔ پوپ نے معبد والوں پر حقوق کی بوچھار کر دی۔ اُن کو ٹیکس اور عشر سے مستثنیٰ کر دیا اور اُن کو اپنے فوری حدود اختیار میں شامل کر لیا۔ اُن کو فیوڈل عہد و پیمان سے بری کر دیا اور پادریوں کو ممانعت کر دی کہ وہ اُن کو خارج المذہب نہ کریں۔

معبد والوں کے فرقہ کی سرنگونی

یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے اگر وہ گستاخ بن گئے اور شہزادوں اور پادریوں کی نفرت اور حسد کا شکار بن گئے۔ یہاں تک کہ اِن نوسینٹ سوم نے بھی اُنکو اس بات پر سخت ملامت کی کہ انھوں نے اپنے زمرہ میں شریر النفس اشخاص کو بھی شامل کر لیا تھا اور وہ اپنے شمول کے بعد پادریوں کے جملہ حقوق سے محفوظ و مستفیض ہوتے تھے جو وہ ہیں

صدی کی ابتدا میں پوپ اور فلپ دی فیر (حسین) شاہ فرانس کی متفقہ کوششوں سے اس فرقہ کا افسوسناک خاتمہ ہوگیا۔ اُس کے ممبران پر نہایت نفرت انگیز الزامات قائم کئے گئے مثلاً بے دینی، بت پرستی اور حضرت عیسیٰ اور اُن کے مذہب کی باقاعدہ توہین۔ بہت سے ممتاز معبد والے بے دینی کے الزام پر جلا دئے گئے اور دیگر اشخاص تنگ و تاریک قید خانوں میں سڑ کر مر گئے۔ یہ فرقہ موقوف کر دیا گیا اور اُس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔

ٹیوٹن سرداران فوج اہل پروشیا کو فتح کرتے ہیں

رہا تیسرا بڑا فرقہ یعنی ٹیوٹن سرداران فوج کا۔ اُن کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے صلیبی لڑائیوں کے ختم ہونے کے بعد قدیم مذہب کے پیروان اہل پروشیا کو فتح کر لیا۔ بحیرۂ بالٹک کے سواحل پر اُن کی کوششوں سے ایک نئی عیسائی سلطنت قائم ہوگئی جس میں کونزبرگ اور ڈینزبرگ دو بڑے شہر آباد ہوگئے۔

دوسری صلیبی جنگ

پہلی صلیبی جنگ کے وعظ کے پچاس سال بعد اڈیسہ کے فتح ہونے سے (۱۱۴۴ء) جو مشرق میں عیسائیوں کا ایک سرحدی مقام تھا دوسری بڑی مہم پیدا ہوئی۔ اس کا اہتمام سینٹ برناڈ نے کیا جو اپنی بے نظیر فصاحت سے رضاکاروں کو صلیب اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہوا اِدھر اُدھر پھرتا تھا۔ جنگ کے ایک خوشخواں راگ میں اُس نے معبد والے سرداران فوج کی حمایت طلب کی۔ وہ عیسائی جو جہاد میں کافر کو قتل کرے یقیناً اس کا صلہ پائے گا اور اگر وہ خود قتل ہو جائے تو اور بھی زیادہ یقین ہے کہ وہ اس کا اجر پائیگا۔ کافروں کی موت میں عیسائیوں کی نیکنامی ہے کیونکہ خود حضرت عیسیٰ اس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ شاہ فرانس خوشی سے صلیب اٹھانے کے لئے تیار ہوگیا لیکن شہنشاہ کانرڈ سوم اُس وقت تک راضی نہ ہوا جب تک کہ خود سینٹ برناڈ نے اُسکے سامنے وعظ نہ کیا اور محشر کے احوال کی ہو بہو تصویر اُس کے سامنے نہ کھینچ دی۔

کسی قدر کم ممتاز زنگروٹوں کے بارہ میں مورخ آٹو ادف فرزنگ لکھتا ہے کہ اس قدر لٹیرے اور چوروں نے صلیب اٹھانے میں عجلت کی کہ ہر شخص اپنے جوش میں اسکو خدا کا ہاتھ سمجھا۔ سینٹ برناڈ نے خود بھی جو اس مہم کا بانی مبانی تھا "عیسیٰ کے سپاہیوں" کی نہایت نیچی کیفیت درج کی ہے۔ اُس

بیشمار انبوہ میں تم بجز نہایت شریر النفس اور توہینِ مذہب کرنے والوں، قاتلوں، لٹیروں اور دروغگویوں کے اور لوگ کم دیکھو گے جن کا یہاں سے چلا جانا دو فائدوں سے خالی نہیں ہے۔ یورپ تو اُن کے دفع ہونے سے خوش ہے اور فلسطین اُن کے آنے سے خوش ہے۔ وہ دونوں حالتوں میں کار آمد ہیں! یہاں سے اُن کی عدم موجودگی اور وہاں پر اُن کی حاضری ضروری ہے"۔ صلیبی جنگجویوں کی قسمت اور اُن کی نقل و حرکت کا بیان کرنا بالکل غیر ضروری ہے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ فوجی نقطۂ خیال سے دوسری صلیبی جنگ ایک نہایت تکلیف دہ ناکامی ثابت ہوئی۔

تیسری صلیبی جنگ | چالیس برس بعد ۱۱۸۷ء میں یروشلم پر سلطان صلاح الدین کا قبضہ ہو گیا جو تمام مسلمان حکمرانوں میں نہایت ممتاز اور دلیر تھا۔ بیت المقدس کے نقصان سے مقدس سرزمین کی تمام فوجی مہمات میں نہایت مشہور مہم کا آغاز ہوا جس میں فریڈرک (سرخ ریش) انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیر دل اور اُس کا سیاسی رقیب شاہِ فرانس فلپ آگسٹس یہ سب شریک ہوئے۔ اس مہم کی حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض عیسائی رہنما ایک دوسرے سے کافی اور دلی نفرت رکھتے تھے لیکن عیسائی اور مسلمان باہم ایک دوسرے کی عزت و احترام کرنے لگے تھے۔ ہم کو دونوں مخالف مذہبوں کے نمایندوں میں نہایت شریفانہ تعلقات کی مثالیں ملتی ہیں۔ ۱۱۹۲ء میں رچرڈ نے صلاح الدین سے صلح کر لی جس کی شرائط کی رو سے عیسائی زائرین کے لئے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے مواقع پر آرام و حفاظت کی ذمہ داری کی گئی تھی۔

چوتھی اور اُس کے بعد کی صلیبی لڑائیاں | تیرہویں صدی میں صلیبی جنگجویوں نے اپنی مہمات کا رُخ مسلمانوں کی مرکزی طاقت یعنی مصر کی طرف بدل دیا۔ ان میں سے سب سے پہلی مہم نے ایک غیر معمولی طریقہ پر اپنا رُخ بدلا اور اس کے باعث اہلِ وینس ہوئے جنہوں نے قسطنطنیہ کو اپنے نفع کی خاطر مفتوح کرنے کی ترغیب دی۔ فریڈرک دوم اور سینٹ لوئی کی آیندہ مہموں کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ یروشلم ہمیشہ کے لئے ۱۲۴۴ء میں ہاتھ سے جاتا رہا تھا اور اگرچہ شہر کو دوبارہ حاصل کرنے کے امکان پر بہت غور و خوض کیا گیا لیکن تیرہویں صدی کے اختتام سے پیشتر ہی صلیبی لڑائیوں

کا گویا خاتمہ ہو گیا تھا۔

تاجران اٹلی کی بستیاں | کم از کم ایک طبقہ کے لئے مقدس سرزمین بڑی اور مستقل دلفریبیوں کا باعث تھی یعنی اٹلی کے سوداگروں کے لئے خصوصاً سوداگران جینوا، وینس وپیسا کے لئے اُن کی ابتدائی دلچسپی کے باعث اور جہازوں سے فراہمی سامان رسد کی بدولت مقدس سرزمین کی فتح ممکن ہو گئی تھی۔ یہ سوداگر ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ اُن کو اُن کی خدمات کا کافی صلہ مل چکا ہے یا نہیں۔ جب وہ کسی شہر کے کامیاب محاصرہ میں مدد دیتے تھے وہ اس بات کا انتظام کرتے تھے کہ اُن کو ایک خاص محلہ اُس مفتوحہ مقام کا دیدیا جائے جہاں کہ وہ اپنی اشیائے تجارت فروخت کر سکیں، اُن کی کشتیاں بن سکیں اور جہاں گرجا بھی ہو الغرض وہ سب باتیں جو اُن کی تجارت کے مستقل مرکز کے لئے ضروری ہوں ہونی چاہئیں۔ یہ محلہ یا ضلع اُسی شہر کا ہو جاتا تھا جسکے باشندگان یہ سوداگر ہوتے تھے۔ یروشلم کی سلطنت میں وینس نے اپنے گورنروں کو اُن محلوں میں رہنے کے لئے بھیجا جو تاجروں کو دی دیئے گئے تھے۔ مارسیلس کو بھی یروشلم میں خود مختار اور آزاد موقع دیا گیا تھا اور جینوا کو اُس کا حصہ طرابلس کی ریاست میں دیا گیا تھا۔

مشرقی عیش وعشرت یورپ میں داخل ہوتی ہے | اس نئی تجارت کا نہایت اہم اثر مغرب کو مشرق کے ساتھ مستقل تعلقات سے وابستہ کرتا تھا۔ مشرقی پیداوار ہندوستان اور دیگر مقامات سے ریشم، مصالحے، عنبر، مشک، موتی اور ہاتھی دانت، مسلمان جانب شرق سے فلسطین اور شام کے تجارتی شہروں میں لاتے تھے۔ یہ اشیاء پھر اٹلی کے سوداگروں کے ذریعہ فرانس اور جرمنی میں پہنچتی تھیں جو عیش وعشرت کے خیالات کو پیدا کرتی تھیں اور جن کا اب تک نیم وحشی فرنکیس کو خواب وخیال بھی نہ تھا۔

صلیبی لڑائیوں کے نتائج | اس بہت مختصر کیفیت سے بھی صلیبی لڑائیوں کے بعض نتائج مغربی یورپ پر پہلے ہی سے منکشف ہو گئے ہونگے۔ ہزاروں، لاکھوں فرانسیسیوں، جرمنوں اور انگریزوں نے خشکی اور تری کی راہ سے مشرق کی طرف سفر کیا۔ اُن میں سے اکثر چھوٹے چھوٹے مواضعات یا قلعہ جات کے رہنے والے تھے جہاں کہ وہ دنیائے اعظم کے بارہ میں بجز اس کے کہ اُن کے دیسی گاؤں یا

صوبہ کی کہاں تک حدود تھیں کچھ نہ معلوم کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو یکایک بڑے شہروں میں پایا۔ اور اجنبی لوگوں اور غیر مانوس رواجات کو دیکھا۔ اس سے اُن کی قوت متخیلہ پر اثر پڑا اور وہ نئے خیالات اپنے ساتھ گھر لیگئے۔ صلیبی جنگ نے ایک آزاد تعلیم کی قائم مقامی کی۔ صلیبی جنگجو اُن لوگوں سے دوچار ہوئے جو اُن سے زیادہ جانتے تھے سب سے بڑھکر اہل عرب سے۔ اور اپنے ساتھ عیش و عشرت اور آرام کے نئے خیالات لائے۔

لیکن یہ اندازہ کرنے میں کہ مغرب صلیبی لڑائیوں کا کس قدر مرہون منت ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نئی چیزوں میں سے اکثر شام پر لشکر کشی بغیر بھی قسطنطنیہ کے ذریعے سے یا سسلی اور اسپین کے عربوں کے ذریعے سے حاصل ہو جاتیں۔ علاوہ ازیں بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں یورپ کے شہر تیزی کے ساتھ ترقی کر رہے تھے۔ تجارت اور مصنوعات وسیع ہوتی جارہی تھیں اور یونیورسٹیاں اجامعہ، قائم ہورہی تھیں۔ یہ فرض کرنا مہمل ہوگا کہ صلیبی لڑائیوں کے بغیر یہ ترقی وقوع پذیر نہ ہوتی۔ پس ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دور دراز کی مہمات سے اور اجنبی اور زیادہ بہتر مہذب لوگوں کے ارتباط سے اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوا کہ اُس ترقی میں جو اربن کے یادگار خطبۂ صدارت مقام کلرمانٹ سے پیشتر بھی محسوس ہو رہی تھی اور سرعت پیدا ہو گئی۔

پچھلے صفحات میں کلیسا اور پادریوں کا متواتر ذکر کرنا کچھ ضروری سا ہو گیا ہے۔ درحقیقت اُن کے ذکر کے بغیر قرونِ وسطیٰ کی تاریخ قریب قریب صفر کے برابر ہے کیونکہ کلیسا بغیر تشبیہ کے اُس زمانہ کا نہایت اہم شعبۂ زندگی تھی اور اُس کے افسران تقریباً ہر بڑے کام کے روح و رواں تھے۔ ابتدائی ابواب میں کلیسا اور اُس کے سردار پوپ کی ترقی پر تبصرہ کیا جا چکا ہے اور نیز راہبوں کے کام پر بھی جب وہ یورپ میں پھیل گئے نظر ڈالی گئی ہے۔ اب ہم کو قرونِ وسطیٰ کی کلیسا پر ایک مکمل صیغہ کی حیثیت سے جب کہ اُس کی طاقت بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں کمال عروج پر تھی غور کرنا چاہیئے۔

وہ طریقے جن کے لحاظ سے قرونِ وسطیٰ کی کلیسا موجودہ زمانہ کی کلیساؤں سے مختلف ہے

ہم پیشتر ہی اِس امر کا بکثرت ثبوت مشاہدہ کر چکے ہیں کہ قرونِ وسطیٰ کی کلیسا موجودہ زمانہ کی کلیساؤں سے بہت مختلف تھی خواہ وہ کیتھولک ہوں یا پروٹیسٹنٹ۔

(۱) سب سے پہلے ہر شخص کو اُس سے تعلق رکھنا ضرور تھا جس طرح سے کہ آج کل ہم کو کسی نہ کسی سلطنت سے ضرور تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کوئی شخص کلیسا کے اندر نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن اُس کو معمولی طور پر قبل اِس کے کہ وہ اِس معاملہ میں کوئی رائے قائم کرنے کے قابل ہو اصطباغ دیدیا جاتا تھا۔ تمام مغربی یورپ ایک واحد مذہبی جماعت تھا جس سے بغاوت کرنا

قرونِ وسطیٰ کی کلیسا کا ممبر ہونا لازمی تھا

ایک جرم تھا۔ کلیسا کی اطاعت سے انکار کرنا یا اُس کی تعلیمات اور

اُس کے حکم پر اعتراض کرنا خدا سے سرکشی کرنا سمجھا جاتا تھا اور اُس کو سزا ئے موت دیجاتی تھی۔

کلیسا کا محاصل

(۲) قرونِ وسطیٰ کی کلیسا آجکل کی کلیساؤں کی طرح اُس کے ممبروں کے بخوشی چندوں کی آمدنی پر گزر نہیں کرتی تھی۔ علاوہ اپنے وسیع قطعاتِ اراضی کی مالگزاری اور مختلف قسم کی فیس کے اُس کو ایک باقاعدہ ٹیکس کی بھی آمدنی تھی جس کو عشر کہتے تھے۔ جن لوگوں کو یہ ادا کرنا ہوتا تھا اُن سے یہ جبر وصول کیا جاتا تھا جسطرح کہ آجکل ہم سب کو حکومت کے ٹیکسوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

عُشر

کلیسا کی مشابہت سلطنت سے

علاوہ ازیں یہ ظاہر ہے کہ قرونِ وسطیٰ کی کلیسا صرف ایک مذہبی جماعت ہی نہ تھی جیسی کہ آجکل کی کلیسائیں ہیں۔ بے شک یہ گرجاؤں کو وظائف دیتی تھی اور نمازیں پڑھانے کا انتظام کرتی تھی اور روحانی زندگی پیدا کرتی تھی۔ لیکن یہ اس سے بھی بڑھکر کام کرتی تھی۔ ایک لحاظ سے یہ ایک سلطنت کی مانند تھی کیونکہ یہ اپنا مکمل آئین جداگانہ رکھتی تھی اور اس کی خود عدالتیں بہت سے ایسے مقدمات طے کرتی تھیں جو آج کل کی ہماری معمولی عدالتیں[۵] طے کرتی ہیں۔ اس کے زیر نگرانی جیل خانے بھی تھے جہاں کہ یہ مجرموں کو عمر بھر رہنے کی سزا دے سکتی تھی۔

---

[۵] آئینِ کلیسا کینن لا کے نام سے مشہور تھا۔ اس کو بہت سے جامعوں (یونیورسٹیوں) میں پڑھاتے تھے اور بہت سے وکلا اس کے ذریعہ سے روٹی کماتے تھے۔ اس کی بنیاد نیسیا کی کونسل سے آئندہ زمانہ کی کونسلوں تک کلیسا کی مختلف کونسلوں کے قوانین پر تھی اور سب سے بڑھکر پوپوں کے فرامین اور فیصلوں پر تھی۔

ان روحانی عدالتوں کے کام کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ کلیسا اُن تمام مقدمات کو طے کرنے کا دعویٰ کرتی تھی جس میں کوئی پادری فریق ہو یا جس کا تعلق کلیسا سے ہو یا اُس کی خاص حفاظت میں ہو مثلاً راہب، طلاب علمی جنگجو، بیوائیں، یتیم بچے اور بیکس اشخاص۔ اس کے بعد وہ تمام مقدمات جس میں رسومات کلیسا یا ممنوعات کلیسا کی بحث ہو معمولی طور پر کلیسا کی عدالتوں سے فیصل ہوتے تھے مثلاً جن کا تعلق شادی، وصیت، حلفی معاہدوں، سود، توہین مذہب، جادوگری، بیدینی وغیرہ سے ہوتا تھا۔ مؤلف۔

کلیسا کے نظام کی یکتائی

کلیسا نہ صرف سلطنت کی خدمات ادا کرتی تھی بلکہ اس کا نظام بھی سلطنت کی مانند تھا۔ آجکل کے پروٹیسٹینٹ پادریوں کے برعکس قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی تمام مذہبی اور پادریوں کی جماعتیں ایک بڑے سردار کی ماتحت تھیں جو کلیسا کے ہر عہدہ دار کے لئے قانون وضع کرتا تھا اور اُن کی نگرانی کرتا تھا جہاں کہیں وہ ہوتے تھے خواہ وہ اٹلی میں ہوں یا جرمنی میں، اسپین میں ہوں یا آئرلینڈ میں۔ تمام کلیسا کی ایک سرکاری زبان لاطینی تھی جس میں تمام مراسلات ہوتی تھی اور جس میں ہر جگہ اُس کی نمازیں پڑھائی جاتی تھیں۔

قرونِ وسطیٰ کی کلیسا اپنے اندازِ حکومت کے لحاظ سے ایک شخصی سلطنت تھی

لہٰذا قرونِ وسطیٰ کی کلیسا اپنے اندازِ حکومت کے لحاظ سے بجا طور پر شخصی سلطنت کہی جاسکتی ہے۔ پوپ اُس کا طاقتور اور مطلق العنان سردار تھا اور اُس کی شخصیت میں تمام روحانی اور انتظامی اختیارات مجتمع تھے۔ وہ اعلیٰ اور فایق مقنّن تھا۔ کلیسا کی کوئی کونسل خواہ کیسا ہی کوئی معاملہ اہم اور عظیم ہو اُس کی مرضی کے خلاف قانون وضع نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اُس کے فرامین پوپ کی منظوری کے بغیر جائز قرار نہیں دیئے جا سکتے تھے۔

کسی قاعدہ کو پسِ پشت ڈال دینے کی اجازت

علاوہ ازیں پوپ کو اختیار تھا کہ کلیسا کے کسی قانون کو منسوخ کر دے یا اُس سے بازگشت کرے خواہ وہ کتنا ہی قدیم ہو بشرطیکہ مقدس کتابوں میں اُس کا صریح حکم نہ ہو یا قدرت ایسا کرنے کے لئے مجبور نہ کرتی ہو۔ وہ وجوہاتِ مناسب کی بنا پر تمام انسانی قوانین میں مستثنیات کرسکتا تھا مثلاً چچا زاد بھائی بہنوں کو شادی کرنے کی اجازت دے سکتا تھا یا کسی راہب کو اُس کے حلفی وعدوں سے بری کرسکتا تھا۔ یہ مستثنیات کسی قاعدہ کو پسِ پشت ڈالدینے کے نام سے موسوم تھیں۔

پوپ دنیائے عیسائیت کا سب بڑا قاضی القضاۃ تھا۔

پوپ نہ صرف اعلیٰ واضعِ قانون تھا بلکہ وہ قاضی القضاۃ بھی تھا۔ یہ سچ ہے جیسا کہ ایک نامور قانون داں نے لکھا ہے کہ تمام مغربی یورپ ایک آخری عدالت یعنی روما کے پوپ کی عدالت کا ماتحت تھا۔ ہر شخص خواہ وہ پادری ہو یا غیر پادری اور یورپ کے کسی حصہ میں ہو قریب قریب تمام مقدمات کے فیصلے کے لئے خواہ وہ سماعت کے کسی

درجہ پر ہوں اُس سے رجوع کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ میں بہت سے نقائص تھے۔ اگر کوئی مقدمہ ایڈنبرا یا کالون سے روما پہنچایا جاتا تھا تو سخت نقصان کا احتمال تھا کیونکہ جہاں واقعات بخوبی معلوم ہوں وہاں مقدمہ خوب فیصل ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں متمول اشخاص ہمیشہ نفع میں رہتے تھے کیونکہ صرف وہی اتنی دور دراز عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کی حیثیت رکھتے تھے۔

تمام پادریوں پر پوپ کا اقتدار

پادریوں پر پوپ کا اقتدار تمام دنیائے عیسائیت میں پھیلا ہوا تھا اور چند طریقوں سے اُس کو محفوظ بنا رکھا تھا۔ کوئی نیا منتخب شدہ لاٹ پادری اپنے عہدہ کے کسی فرض کو ادا کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا تاوقتیکہ وہ پوپ کی اطاعت اور وفاداری کا حلف نہ اُٹھائے اور اُس سے لاٹ پادری کے عہدہ کی پیٹی نہ حاصل کرے۔ یہ اُون کی ایک پتلی دھجی ہوتی تھی جس کو سینٹ انگینس مقام روما کی راہب عورتیں بُنتی تھیں۔ پادریوں اور ایبٹوں کو بھی اپنے اپنے انتخاب کی منظوری پوپ سے حاصل کرنی پڑتی تھی۔ وہ یہی حق رکھتا تھا کہ کلیسا کے عہدہ داروں کے بیشمار متنازعہ انتخابات کا تصفیہ کر دے۔ اُس کو یہ بھی اختیار تھا کہ وہ دونوں مخالف امیدواروں کو برطرف کر دے اور اس عہدہ کو کسی دوسرے کو دیدے جیسا کہ اِن نوسینٹ سوئم نے کینٹربری کے راہبوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اسٹیفن لینگٹن کو منتخب کر لیں۔

گرے گری ہفتم کے زمانہ سے پوپ نے اپنی مرضی پر پادریوں کے عزل و تبدیل کے حق کا ادّعا کرنا شروع کر دیا تھا۔ روما کا اقتدار عیسائی کلیسا کے تمام حصص یورپ میں پیغام رسانوں کے تقرر سے اور بھی زیادہ ہو گیا۔ یہ پوپ کے سفیر ایڑے بڑے اختیارات سے مسلح ہوتے تھے۔ اُن کے سخت برتاؤ سے پادریوں اور فرمانرواؤں کو اکثر غصہ آجاتا تھا لیکن آخر کار انہیں پوپ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا تھا مثلاً سفیر پنیڈلف نے جان شاہ انگلستان کی تمام رعایا کو خود اُس کی موجودگی میں بڑی شان کے ساتھ حلفِ وفاداری سے بری کر دیا تھا۔

روما کی عدالت

پوپ نے تمام مغربی دنیا پر حکومت کرنے کا کام اختیار کر لیا تھا لہٰذا قدرتی طور پر

یہ بھی لازمی ہو گیا کہ روما میں ایک بڑی جماعت افسران مقرر کی جائے جو مختلف قسم کے کاموں کو انجام دے اور کثیر التعداد قانونی دستاویزات[1] کو تیار کرے اور روانہ کرے۔ کارڈنل پادری اور پوپ کے افسران پوپ کی عدالت کے افراد ہوتے تھے۔

پوپ کی آمدنی کے ذرائع اپنی گورنمنٹ کو چلانے اور شاہی محل اور ملازمین کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے پوپ کو بڑی آمدنی کی ضرورت تھی۔ یہ آمدنی اس نے مختلف ذرائع سے حاصل کی۔ اُن لوگوں سے بھاری فیس وصول کی جاتی تھی جو اُسکے فیصلہ کے لئے اُس کی عدالت میں مقدمات لاتے تھے۔ لاٹ پادریوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے اعلام عہدہ حاصل کرنے پر زرِ کثیر دیں گے اور پادریوں اور راہبوں سے اُن کی منظوری تقرر کے وقت اُن سے روپیہ لیا جاتا تھا۔ تیرہویں صدی میں یورپ کی بہت سی گرجاؤں پر پوپ نے خود بہت سے پادری مقرر کئے اور رواجاً اُس سال وہ نصف آمدنی اُن سے وصول کرتا تھا۔ چند صدیوں تک قبل اس کے کہ پروٹیسٹنٹ مذہب کے پیروان نے آخرکار پوپ کی اطاعت سے انحراف کیا، پادری اور غیر پادری دونوں کی طرف سے یہ عام شکایت تھی کہ روما کی عدالت نے جو ٹیکس اور فیس قائم کر رکھی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔

لاٹ پادری کلیسا کے سردار کے بعد لاٹ پادریوں کا نمبر تھا۔ ایک لاٹ پادری ایسا پادری ہوتا تھا جس کی طاقت خود اسکی گرجا اور اُس کی اراضی کے باہر تک وسیع ہوتی تھی اور جو تمام پادریوں پر جو اُس کے صوبہ میں ہوں ایک قسم کا اقتدار رکھتا تھا۔ لاٹ پادری کے خاص حقوق میں سے یہ بھی تھا کہ وہ اپنے صوبہ کے تمام پادریوں کو ایک صوبہ کی کونسل میں جمع ہونے کے لئے طلب کر سکتا تھا۔ اُس کی عدالت میں پادریوں کی عدالتوں سے اپیل دائر ہوتے تھے۔ تاہم لاٹ

---

[1] پوپ کے بہت سے فرامین، فیصلہ جات اور احکام کو اُس مہر کی بنا پر جو اُن پر لگائی جاتی تھی [illegible]

([illegible])

پادری سوائے اپنے خطابی امتیاز اور اس امر کے کہ وہ عام طور پر کسی نہ کسی بڑے شہر میں رہتا تھا اور وہ اکثر اپنا وسیع سیاسی اقتدار رکھتا تھا۔ بحیثیت ایک کلیسا کے عہدہ دار کے دوسرے پادریوں سے بہت زیادہ طاقتور نہ ہوتا تھا۔

اُسقفوں کی اہمیت | قرونِ وسطیٰ کی کوئی جماعت غالباً اس قدر اہم نہیں ہے کہ جسکی حیثیت کا حال سمجھنا ایسا ضروری ہو جیسا کہ پادریوں کے عہدوں کا۔ وہ حواریوں کے جانشین سمجھے جاتے تھے جن کے اختیارات الہامی تھے اور اُن کو منتقل کر دئے گئے تھے۔ وہ اپنی اپنی گرجاؤں میں ہمہ گیر کلیسا کے نمائندے تھے اور وہ اپنے بڑے بھائی روما کے پادری کی ماتحتی میں تھے جو ایک خاص الخاص اور بڑے حواری کا جانشین تھا۔ اُن کے عہدہ کی علامت عصائے صلیبی اور خاص ٹوپی سے ہر شخص واقف ہے۔ ہر اُسقف اپنی گرجا رکھتا تھا جو کیتھڈرل (بڑی گرجا) کہلاتی تھی اور اُس کے علاقہ کی دوسری گرجاؤں سے خوبصورتی اور وسعت میں فوقیت رکھتی تھی۔

ایک اُسقف کی خدمات | صرف ایک اُسقف ہی جماعتِ پادریان میں نئے ممبر داخل کر سکتا تھا یا پُرانے ممبروں کو خارج کر سکتا تھا۔ صرف وہی گرجاؤں کو مقدس بنا سکتا تھا یا بادشاہ کے سر پر تیل ڈال سکتا تھا۔ صرف وہی کسی ممبر کے داخلہ کی منظوری کی رسم کو ادا کر سکتا تھا اگرچہ بحیثیت ایک پادری کے وہ دوسری رسومات بھی ادا کرنے کا مستحق تھا۔ اپنی محض مذہبی خدمات کے علاوہ وہ اپنے علاقہ کے تمام پادریوں اور نیز راہبوں کا بھی نگرانِ حال رہتا تھا۔ وہ عدالت بھی کرتا تھا جہاں کہ مختلف قسم کے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ اگر وہ محتاط پادری ہوتا تھا تو وہ اپنے علاقہ میں دورہ کرتا تھا اور محتاج خانوں کی گرجاؤں کا معائنہ کرتا تھا اور خانقاہوں کو دیکھتا تھا اس خیال سے کہ پادری اپنی خدمات بجا لاتے ہیں یا نہیں اور راہبوں کا برتاؤ مناسب ہے یا نہیں۔

اُسقفوں کے دنیاوی فرائض | علاوہ اپنے علاقہ کے پادریوں کی نگرانی کے یہ بھی اُسقف کا کام تھا کہ وہ آراضیات اور دیگر مقبوضات کی دیکھ بھال کرتا رہے جو گرجاؤں کے متعلق ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں اُس کو وہ خدمات بھی ادا کرنی ہوتی تھیں جو بادشاہ (خصوصاً جرمنی میں) اُس کی تفویض

میں دیدیتا تھا اور وہ مشیرانِ شاہ میں زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا۔ نیز اُسقف عموماً ایک فیوڈل آقا ہوتا تھا اور وہ تمام خدمات جو اِس منصب سے متعلق تھیں اُس کو ادا کرنی ہوتی تھیں۔ وہ باجگزار اور ماتحت باجگزار بھی رکھتا تھا اور اکثر خود بھی نہ صرف بادشاہ بلکہ کسی قرب وجوار کے امیر کا باجگزار ہوتا تھا جب کوئی اُسقف کے رجسٹروں کو دیکھے تو وہ بہ مشکل سے کہہ سکتا ہے کہ وہ 'سب سے مقدم' پادری کی حیثیت سے رہتا تھا یا فیوڈل آقا کی حیثیت رکھتا تھا۔ مختصر یہ کہ اُسقف کی خدمات اُسی قدر کثرت سے ہیں جسقدر کہ قرونِ وسطیٰ کی خود کلیسا کی تھیں۔

اُسقفوں کا انتخاب | گریگری ہفتم کی اصلاحات نے اُسقف کے انتخاب کو بڑی گرجا کے چیپٹروں کے ہاتھ میں دیدیا تھا یعنی اُس جماعتِ پادریان کے ہاتھ میں جن کا تعلق اُس بڑی گرجا سے ہوتا تھا۔ تاہم اِس سے بادشاہ اپنے اِس حق سے محروم نہ ہوجاتا تھا کہ امیدوار کو خود پیش کرسکے کیونکہ یہ جماعتِ پادریان بادشاہ سے اجازت حاصل کیئے بغیر انتخاب نہیں کرسکتی تھی ورنہ وہ منتخب شدہ شخص کو اراضیات اور سیاسی حقوق جو عہدہ سے متعلق ہوتے تھے دینے سے انکار کرسکتا تھا۔

محتاج خانوں کا پادری اور اُس کے فرائض | کلیسا کا سب سے ادنیٰ درجہ محتاج خانہ تھا۔ اِس کے خاص حدود تھے۔ اگرچہ محتاجوں کی تعداد چند خاندانوں سے لے کر ایک بڑے گاؤں یا کسی شہر کے ایک ضلع تک ہوتی تھی۔ محتاج خانہ کا افسرِ اعلیٰ محتاج خانہ کا پادری ہوتا تھا جو محتاج خانہ کی گرجا میں نماز پڑھاتا تھا اور اپنے محتاجوں کے گناہ معاف کرتا تھا، بپتسمہ دیتا تھا، شادی کرتا تھا اور مُردوں کو دفن کرتا تھا۔ محتاج خانہ کی گرجا کے متعلق جو اراضی ہوتی تھی اور جو عشر سے آمدنی ہوتی تھی اُسی سے پادریوں کی بھی گزر اوقات ہوتی تھی۔ لیکن آمدنی کے یہ دونوں ذرائع اکثر غیر پادریوں کے ہاتوں میں ہوتے تھے یا کوئی قرب وجوار کی خانقاہ اِس کی مہتمم ہوتی تھی اور پادری صرف روزانہ خوراک پاتا تھا جو مشکل سے اُس کے خرچ خوراک کے لئے کافی ہوتی تھی۔

یہ غریبوں کی گرجا دیہاتی زندگی کا مرکز تھی اور اِس فرقہ کا قدرتی محافظ پادری ہوتا تھا۔ مثلاً یہ اُس کا کام تھا کہ وہ دیکھے کہ بدمعاش وغیرہ گاؤں میں تو نہیں پھرتے اور بیدین اشخاص، جادو گر یا

کوڑھی وغیرہ تو جیکر نہیں لگاتے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پادری اپنے گلہ کے اخلاق کا لحاظ کرنے کے علاوہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ اُن کی جسمانی صحت قائم رہے۔ اسی وجہ سے وہ اُن لوگوں کو جو صرف متعدی بیماریوں میں مبتلا ہوتے تھے اور قرونِ وسطیٰ میں جن کے خلاف حفظِ ماتقدم کیا جاتا تھا اپنے علاقے میں نہیں آنے دیتا تھا۔

کلیسا کی طاقت کے دیگر ذرائع

لیکن قرونِ وسطیٰ کی کلیسا کے بے نظیر اختیارات اُس کے عجیب و غریب نظام سے صرف جزواً ظاہر کئے جا سکتے ہیں۔ نوعِ انسان پر جو گرفت اِس کو حاصل تھی اُس کے سمجھنے کے لئے ہم کو پادریوں کی ممتاز حیثیت پر غور کرنا چاہئے اور نجات کے متعلق جو کلیسا کی تعلیمات تھیں اُن کو دیکھنا چاہیے جس کو بالکلیہ وہ اپنے اختیار میں رکھنے کی مدعی تھی۔

پادریوں کی ممتاز حیثیت

پادریوں کی جماعت غیر پادریوں سے چند طریقوں میں مختلف تھی۔ بڑے درجوں کے پادری، اسقف، پادری، ڈیکن اور ماتحت ڈیکن اِن سب کو غیر شادی شدہ رہنے کی ہدایت تھی اور اس طریقہ سے وہ خاندانی زندگی کے تفکرات اور مفاد سے آزاد تھے۔ علاوہ ازیں کلیسا یہ بھی دعویٰ کرتی تھی کہ جب کوئی شخص بڑے درجہ کا پادری باقاعدہ طور پر ہو جاتا ہے تو وہ معصوم ہو جاتا ہے اور پھر وہ معمولی غیر پادری نہیں ہو سکتا خواہ وہ اپنے فرائض انجام دینے سے بالکل روک دیا جائے یا کلیسا سے کسی جرم کی بناء پر خارج کر دیا جائے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ صرف پادری ہی وہ مقدس رسوم ادا کر سکتا تھا جس پر ہر فردِ انسان کی روح کی بہتری کا دارومدار تھا۔

پیٹر لمبرڈ کی آراء

اگرچہ کلیسا یقین کرتی تھی کہ تمام رسوم حضرت عیسیٰ نے جاری کی ہیں لیکن بارھویں

---

[1] یہ ظاہر کر دینا چاہیے کہ پادریوں کا ایک جزوی گروہ کسی غریب گرجا میں اخلاقی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ دورہ کرنے والے راہبوں میں بھی بہت سے پادری ہوتے تھے جن کا حال ابھی بیان کیا جائے گا۔ بہت سے ایسے پادری بھی تھے جن کی خاص خدمات مُردوں کی نماز پڑھانا اور اُن کے لئے دعاۓ مغفرت کرنا تھا خصوصاً اُن گرجا گھروں میں جن کے لئے اراضی یا انگریزی وقف کر دی جاتی تھی تاکہ واقف اور اُس کی اولاد در اولاد کی ارواح آرام سے جنت میں رہیں۔ مؤلف۔

صدی کے اواسط تک ان کی کامل طور پر تصریح نہیں کی گئی تھی۔ پیٹر لمبرڈ نے (۱۱۶۴ء میں فوت ہوا) جو پیرس میں دینیات کا استاد تھا کلیسا کے اصول پر ایک کتاب تالیف کی جو اُس نے مقدس کتابوں اور کلیسا کے مقدس باپوں خصوصاً آگسٹائن کی تحریرات سے اخذ کئے تھے۔ یہ پیٹر لمبرڈ کی آرا بہت بااثر ثابت ہوئیں کیونکہ یہ کتاب اُس وقت وجود میں آئی جبکہ دینیات کا نیا شوق پیدا ہو گیا تھا خصوصاً پیرس میں جہاں کہ ایک بڑی یونیورسٹی[1] قائم ہو رہی تھی۔

سات مقدس رسوم | یہ پیٹر لمبرڈ ہی تھا جس نے سب سے پہلے سات مقدس رسوم کا اصول صریح طور پر بیان کیا۔ بے شک اُس کی تعلیمات میں کلیسا کے مقدس باپوں اور مقدس کتابوں کی مختلف آرا کو یکساں دکھلانے اور اُن کو سیدھا سادہ بیان کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن اُسکی تشریحات اور تعریفات نے عہد وسطیٰ کی دینیات کے لئے ایک نئی بنیاد قائم کر دی تھی۔ اُس کے عہد سے قبل لفظ سیکرامینٹم (یعنی کوئی مقدس چیز یا راز) مختلف چیزوں کے تقدس کے لئے استعمال ہوتا تھا مثلاً اصطباغ، صلیب، آبِ مقدس، سالانہ چِلّہ صوم وغیرہ۔ لیکن پیٹر لمبرڈ کہتا ہے کہ سات مقدس رسوم ہیں: اصطباغ، گرجا کا ممبر بنانے کی رسم، نازک حالت میں سر پر تیل ملا جانا، شادی کرنا، توبہ، پادری ہونا اور مالکِ حقیقی کا کھانا۔ ان رسومات کے ذریعہ سے یا تو تمام نیکیاں شروع ہوتی ہیں یا اگر شروع ہو جاتی ہیں تو پھر اُن میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور اگر کم ہو جاتی ہیں تو پھر دوبارہ مل جاتی ہیں۔ یہ نجات کے لئے ضروری ہیں اور کوئی شخص ان[2] کے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

---

[1] تمام مذہبی مدارس میں صدیوں تک یہ کتاب درسی کتاب کے طور پر پڑھی جاتی رہی۔ اس پر شرح لکھکر دینیات کے عالموں نے شہرت حاصل کی۔ لوتھر کی بغاوت کی ابتدا اسی سے ہوئی کہ اُس نے یہ اعتراض کیا کہ اس کتاب کو انجیل پر کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔

[2] تمام رسوم مثلاً پادری ہونے کی رسم یا شادی کرنا ہر ایک کے لئے ضروری نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صرف خالص نیت ہی کافی ہے بشرطیکہ کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ عملاً رسوم ادا نہ کر سکے۔ مؤلف۔

اصطباغ | مقدس رسوم کے ذریعہ سے کلیسا دیندار کی ہمیشہ مددگار اور رفیق رہتی تھی۔ اصطباغ سے
تمام گناہ جو حضرت آدمؑ کی نافرمانی سے ہوا تھا دُھل جاتا تھا۔ اصطباغ کے دروازے ہی سے صرف
ایک شخص روحانی زندگی حاصل کر سکتا تھا۔ مقدس روغن اور خوشبو دار چیز سے جو نیکی کی خوشبو پھیلاتے
گرجا کا ممبر ہونا | تھے اور جو لڑکے یا لڑکی کی پیشانی پر ملے جاتے تھے جبکہ اُسقف اُن کو گرجا کا ممبر
بناتا تھا نوجوانوں کو اس قدر تقویت پہنچائی جاتی تھی کہ وہ مالکِ حقیقی کا نام دلیری کے ساتھ لیں۔ اگر
دیندار کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو جاتا تھا تو پادری اُس کے سر پر حضرت عیسیٰؑ کا نام لیکر تیل ملتا تھا

نازک وقت میں سر پر تیل ملا جانا | اور نازک حالت میں سر پر تیل ملنے کی مقدس رسم سے تمام پچھلے گناہ دور ہو جاتے تھے اور مرنے والے کی روح تر و تازہ ہو جاتی تھی۔

شادی | صرف پادری ہی کے ذریعہ سے شادی متبرک ہو سکتی تھی اور جب یہ تعلق جائز طور سے
قائم ہو جاتا تھا تو پھر وہ علیحدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر بُری خواہش سے جس کو اصطباغ کم کر دیتا تھا
توبہ | لیکن بالکل دور نہیں کرتا تھا کسی عیسائی کو گناہ کبیرہ کی ترغیب ہوتی تھی جیسا کہ یہ متواتر
ہوتا تھا کلیسا توبہ کی مقدس رسم کی بنا پر خدا سے ایک مرتبہ پھر مصالحت کرا دیتی تھی اور اُس کو
دوزخ کے جبڑوں سے نجات دیدیتی تھی۔

پادری مقرر کرنا | پادری کو اپنے تقرر کی مقدس رسم کے ذریعہ سے گناہ معاف کرنے کا نہایت
ممتاز حق حاصل ہو جاتا تھا۔ اُس کو عجیب و غریب طاقت اور کھانے کا معجزہ دِکھلانے کا بھی حق
خدا کا کھانا یا اُسکی مقدس رسم | حاصل ہو جاتا تھا یعنی حضرت عیسیٰؑ کو از سر نو عاصی کے گناہ معاف کرنے کے لئے
خدا کی راہ میں پیش کرنا۔ کھانے کے معجزے کے ساتھ ساتھ توبہ کی مقدس
توبہ کی مقدس رسم | رسم بھی خاص تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ جب کوئی اُسقف کسی کو پادری مقرر کرتا
تھا تو وہ اُس سے کہتا تھا "تم مقدس روح حاصل کرو۔ جن کے گناہ تم معاف کرو گے، اُنکے
گناہ معاف ہو جائیں گے اور جن کے گناہ تم معاف نہ کرو گے، اُن کے گناہ معاف نہیں ہونگے"۔
اس طریقہ سے پادری کو آسمانی بادشاہت کی کُنجی عطا کی جاتی تھی۔ اُس شخص کے لئے جس نے

نہایت سخت گناہ کیا ہو کوئی امید نجات نہ تھی تاوقتیکہ وہ پادری کی معافی حاصل نہ کرے یا کم از کم اُس کی خواہش نکرے اور اُس کے لئے کوشش نہ کرے۔ کلیسا کی نظر میں وہ شخص جو پادری کے ادائے رسوم کی تضحیک کرتا تھا وہ صرف نہایت خلوص دل سے توبہ کرنے کی بنا پر قابل معافی نہیں ہو جاتا تھا۔ پادری کے اِس کہنے سے قبل کہ میں نے تیرے گناہ معاف کئے گنہگار کو باقاعدہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا ضروری تھا اور خلوص کے ساتھ اُس کو اپنی نفرت کا اظہار لازمی تھا اور اُس کا یہ اقرار صالح بھی ہوتا تھا کہ وہ پھر آیندہ اُس کا ارتکاب نہ کرے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ پادری اُس وقت تک فتویٰ نہیں دے سکتا تھا جب تک کہ اُس سے تمام معاملہ نہ بیان کیا جائے اور نہ وہ کسی مجرم کو اُس کے گناہ سے بری کرنے کا مستحق سمجھا جا سکتا تھا جب تک کہ وہ اپنے گناہ سے واقعی شرمندہ نہ ہو۔ معافی حاصل کرنے کے لئے اقرارِ گناہ اور توبہ دونوں ضروری شرائط[1] تھے۔

توبہ اور اعراف پشیمان گنہگار معافی کی بنا پر اپنے گناہ کے تمام نتائج سے آزاد نہیں ہو جاتا تھا یہ صرف روح کو اُس خرابیِ گناہ سے مصفیٰ کر دیتی تھی جو دوسری حالت میں اُس کی ابدی سزا کا باعث ہوتی۔ یہ تائب کو دنیاوی سزاؤں سے مستثنیٰ نہیں کرتی تھی۔ یہ سزائیں یا تو اِس دنیا میں پادری خود دیدیتا تھا یا مرنے کے بعد دوزخ کی آگ سے روح کو پاک و صاف کیا جاتا تھا تاکہ وہ بہشت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائے۔

توبہ کی نوعیت جو سزا پادری دیتا تھا وہ کفّارہ کہلاتی تھی۔ یہ رسم مختلف صورتوں میں ادا کیجاتی تھی۔ اور روزے رکھنے، نمازیں دُہرانے، مقدس مقامات کی زیارت کرنے یا اپنی معمولی تفریحوں سے باز رہنے سے ادا ہوتی تھی۔ بیت المقدس کا سفر اختیار کرنے سے کفّارہ کی اور سب اقسام معاف ہو جاتی تھیں لیکن تائب سے دراصل روزے رکھوانے، زیارات کرانے یا دیگر قربانیاں

---

[1] اقرارِ گناہ کلیسا کی بہت ابتدائی رسم تھی۔ اِن نوسینٹ سویم اور چوتھی مذہبی کونسل نے اِس کو دینداروں کے لئے لازمی قرار دیا تاکہ وہ کم از کم سال بھر میں ایک مرتبہ ایسٹر کے موقع پر اِس رسم کو ادا کیا کریں۔ مؤلف۔

کرانے کی بجائے جن کو پادری تبلاتا تھا کلیسا نے ابتدا میں تائب کو اپنے کفّارہ کو روپیہ سے بدلنے کی اجازت دیدی تھی کہ وہ کسی نیک کام میں روپیہ صرف کردے۔

کھانے کی رسم | پادری صرف گناہ ہی معاف نہ کرتا تھا۔ اُس کو یہ بھی اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ کھانے کا بڑا معجزہ دکھلائے۔ ابتدائی عیسائیوں نے خدا کے کھانے کی مقدس خوراک کی رسم کو مختلف طریقوں میں ادا کیا تھا اور اُس کی نوعیت اور اہمیت کے بارہ میں مختلف خیالات رکھتے تھے۔ بتدریج یہ خیال عام طور پر مسلّمہ قرار دیا گیا کہ روٹی اور شراب کے مقدس ہو جانے سے تمام روٹی حضرت عیسیٰ کا جسم اطہر بنجاتی ہے اور شراب اُن کے بدن کا خون ہو جاتی ہے۔ کلیسا یہ بھی یقین کرتی تھی کہ اس مقدس رسم میں حضرت مسیحؑ ازسرِنو خدا کی قربانی کے لئے پیش کئے جاتے تھے جیسا کہ وہ صلیب پر پیشتر نذرِ خدا ہو چکے تھے۔ یہ قربانی حاضر و غیر حاضر اور زندہ اور مردہ سب کے گناہوں کی معافی کے لئے کی جا سکتی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت مسیحؑ روٹی کی شکل میں پرستش کئے جاتے تھے جس کو روح کہا جاتا تھا اور اُس کی نہایت تزئین کی جاتی تھی۔ اس روح کو متین جلوس کے ساتھ شہر میں اِدھر اُدھر پھرایا جاتا تھا جبکہ خدا کو خاص طور پر قحط یا طاعون دور کرنے کے لئے خوش کیا جاتا تھا۔

کھانے کو قربانی خیال کرنیکے نتائج | کھانے کو قربانی سمجھنے کا خیال بعض اہم عملی نتائج بھی رکھتا تھا۔ پادری کی یہ نہایت معزز خدمت شمار ہونے لگی اور کلیسا کی نمازوں کا مرکز بن گئی۔ لوگوں کی عام نمازوں کے علاوہ نجی طور پر عموماً کھانے کی مقدس رسم انفرادی فائدہ کے لئے خصوصاً مُردوں کی بہتری کے لئے ادا کی جاتی تھی مستقل اوقاف قائم کئے جاتے تھے جن کی آمدنی اُن پادریوں کو دیجاتی تھی جو معطی کی روح کے لئے یا اُس کے خاندان کی افراد کی ارواح کو آرام دینے کے لئے کھانے کی مقدس رسم روزانہ ادا کرتے تھے۔ یہ بھی ایک عام رواج تھا کہ گرجاؤں اور خانقاہوں کو عطیات اس شرط پر دیتے تھے کہ معطی کے لئے سالانہ یا ماہوار یا روزانہ کھانیکی مقدس رسم ادا کردی جایا کرے۔

پادری کی برتر حیثیت اور اُسکی طاقت کے ذرائع

کلیسا کے مقدس حقوق اور اُس کے بیمثال نظم و نسق اور اُس کی وسیع دولت نے اُس کے افسران یعنی پادریوں کو قرونِ وسطیٰ کا نہایت طاقتور معاشرتی طبقہ بنا دیا۔ اُن کے پاس جنت کی کنجیاں تھیں اور بغیر اُن کی امداد کے کوئی شخص جنت میں داخلہ کی امید نہیں کر سکتا تھا۔

مذہب سے خارج کرنا اور ترکِ رسوم مذہبی کر دینا

خارجہ سے نہ صرف وہ کسی مجرم کو کلیسا سے علیحدہ کر دیتے تھے بلکہ بنی نوع انسان کو اُس سے ملنے جلنے کو منع کر دیتے تھے کیونکہ وہ ملعون تھا اور اُس کو شیطان کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ مذہبی رسوم کے ترک کرنے سے وہ کسی شہر میں یا ملک میں مذہب کی تسلّیوں کو معطل کر سکتے تھے، اِس طرح کہ گرجا کے دروازے بند کر دیتے تھے اور تمام عام نمازوں کی ممانعت کر دیتے تھے۔

تعلیم کے فوائد بالکل اُن کے اختیار میں تھے

جماعتِ پادریان کا اثر اور اقتدار اِس امر سے اور بھی زیادہ ہو گیا تھا کہ صرف وہی تعلیم یافتہ فرقہ تھا۔ چہ یا سات صدیوں تک مغرب میں سلطنت روما کے زوال کے بعد بہت کم اشخاص پادریوں کے علاوہ مطالعہ کرنے، پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کا خیال کرتے تھے۔ تیرہویں صدی میں بھی ایک مجرم، جو کہتا تھا کہ وہ پادری ہے تاکہ کلیسا کی عدالت اُس کے مقدمہ کی سماعت کرے، صرف ایک سطر پڑھکر یہ ثبوت دے سکتا تھا کہ واقعی وہ پادری ہے کیونکہ جج مسلمہ طور پر یہ مانتے تھے کہ جس کا تعلق کلیسا سے نہ ہو وہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔
لہذا یہ امر ناگزیر تھا کہ تقریباً تمام کتب، پادری اور راہب لکھیں اور یہ کہ پادریوں کی جماعت تمام عقلی، فنونی اور ادبی معاملات میں حکمران طاقت ہو اور خاص محافظانِ تمدن اور ترقی دہندگانِ تہذیب بن جائیں۔ علاوہ ازیں شاہی حکومت بھی سرکاری دستاویزات اور اعلانوں کے لئے پادریوں کی محتاج تھی۔ بادشاہ کے لئے پادری اور راہب قلمی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔ بادشاہ کی کونسلوں میں پادریوں کی جماعت کے نمائندے بیٹھتے تھے اور اُس کے وزراء کا کام دیتے تھے۔ درحقیقت سلطنت کا کاروبار وہی[1] انجام دیتے تھے۔

---

[1] اُسقف اب تک یورپ کے بہت سے ممالک میں دارالامراء کے اہم عناصر ہیں۔ مؤلف۔

کلیسا کے عہدے تمام طبقوں کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

تمام درجوں کے انسانوں کے لئے کلیسا کے عہدے کھلے ہوئے تھے اور بہت سے پوپ نہایت ادنیٰ طبقہ کے لوگوں میں سے ہوئے پس کلیسا متواتر اپنے مناصب پر نئے آدمی بھرتی کرتی رہتی تھی۔ کوئی شخص صرف اس وجہ سے عہدہ دار نہیں ہوتا تھا کہ اس کا باپ بھی اس سے پیشتر عہدہ دار رہا تھا جیسا کہ شاہی حکومت میں ہوتا تھا۔

قرون وسطیٰ کی کلیسا کے متعلق لی صاحب کا بیان

جو شخص کلیسا کی ملازمت میں داخل ہوجاتا تھا وہ "خاندان کے قصوں اور جھگڑوں سے آزاد ہوجاتا تھا اور خاندانی جکڑ بندیوں سے چھوٹ جاتا تھا اس کے لئے کلیسا اس کا ملک اور اس کا گھر تھا اور کلیسا کے اغراض خاص اسی کے ہوتے تھے۔ اخلاقی، عقلی اور جسمانی طاقتیں جو غیر پادریوں میں حب الوطنی، ترقی کے لئے خود غرضانہ نزاع، سرمایہ بہم پہنچانے، اہل و عیال وغیرہ کے فکر میں منقسم ہوجاتی تھیں، وہ کلیسا کے ایک مشترک مقصد کے لئے مجتمع ہوجاتی تھیں جس کی کامیابی میں سب کا نفع تھا۔ رہی زندگی کی ضروریات وہ سب لوگوں کو مہیا کردی جاتی تھیں اور اُن کو آئندہ کے تفکرات سے آزادی ہوتی تھی۔ کلیسا اس طریقہ سے " دنیائے عیسائیت کی سرزمین پر ایک خیمہ زن فوج کی طرح تھی جس کی ہر جگہ حفاظتی چوکیاں تھیں، جو نہایت کامل نظم کے زیر نگیں تھیں اور جن میں ایک ہی مقصد کی روح رواں تھی۔ ہر سپاہی معصومیت کے ہتھیار سے مسلح تھا اور اُن خوفناک ہتھیاروں سے مزین تھا جو نفس امارہ کو قتل کرڈالتے تھے۔" (لی صاحب)

بیدینی اور فقہا

قرونِ وسطیٰ کے پادریوں کے چال چلن کا سوال

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس عظیم لشکر کے سپہ سالار ان جس سے کلیسا مرکب تھی بدی کے خلاف ابدی جنگ کرنے میں سادر رہنما ثابت ہوئے یا نہیں؟ کیا مجموعی طور پر انہوں نے اُن ترغیبات کا جو اُن کی تقریباً غیر محدود طاقت اور دولت ہمیشہ اُن کے رستے میں حائل کرتی رہتی تھی مقابلہ کیا؟ کیا انہوں نے اپنے وسیع ذرائع کو رہنمائے اعظم کے مقصد کو تکمیل پر پہنچانے کے لیے استعمال کیا جس کے عاجز پیروان اور خادمان وہ اپنے آپ کو کہتے تھے؟ یا برخلاف اس کے وہ خود غرض اور عیاش تھے اور تعلیماتِ عیسوی کو اپنے نفع کی خاطر استعمال کرتے تھے اور اُس کے اصول کی بے توقیری لوگوں کی نظر میں ذاتی شریر النفسی اور صریح بدانتظامی سے کرتے رہے۔

مغربی یورپ پر کلیسا کا احسان

اس سوال کا کوئی سیدھا سادہ جواب ممکن نہیں ہے۔ جو شخص اس امر کا احساس کر سکے کہ کس قدر کامل طور پر کلیسا انسانی مفاد پر اپنا اثر رکھتی تھی اور قرونِ وسطیٰ میں زندگی کے ہر شعبہ میں مقتدر تھی وہ اُس کی طرف بھلائی یا برائی منسوب کرنے میں تامل نہ کریگا۔ غالباً اس امر پر کوئی معترض نہ ہوگا کہ کلیسا نے مغربی یورپ پر بیحد احسانات کیے۔ اُس کے خاص کام کے علاوہ (یعنی نوعِ انسان کی ترقی مذہبِ عیسوی کے ذریعہ سے) ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وحشی اقوام کس طرح اُس کی وجہ سے مہذب بنیں اور خاندان اقوام کے اندر داخل ہوئیں اور کس طرح "خدا کی عارضی صلح" کی بنا پر جبر و تشدد روک دیا گیا اور کس طرح ایک تعلیم یافتہ طبقہ اُن صدیوں میں

برابر موجود رہا جبکہ چند غیر پادری اشخاص لکھ یا پڑھ سکتے تھے۔ اُس کے کارناموں میں سے یہ صرف ظاہری چند کارنامے ہیں۔ کوئی شخص اس امر کا اندازہ نہیں کر سکتا کہ کیا کیا تسلیاں، ہمدردیاں اور حفاظتیں اس نے کمزوروں، آفت زدگان اور زخمی دلوں کے ساتھ کیں۔

پادریوں کا بدرویہ | برخلاف اس کے کوئی شخص تاریخِ کلیسا کی ہمارے ذرائع معلومات کو یہ دیکھے ہوئے بغیر کہ ہمیشہ بُرے پادری بھی ہوتے تھے جو اپنے بڑے اختیار کو بیجا طور پر استعمال کرتے تھے نہیں پڑھ سکتا۔ بہت سے اُسقف اور پادری اپنے وسیع اختیارات کے اہل نہ تھے اور وہ ایسے غیر محتاط ملازمت کے متلاشی سے بہتر نہ تھے جس کو بعض اوقات ہماری موجودہ سلطنتوں میں بھی بڑی خدمات مل جایا کرتی ہیں۔

کلیسا کی بُرائی کو غلو کے ساتھ ظاہر کرنے کا رجحان | لیکن جب ہم پادریوں کی خراب باتوں کی مخالفت نہایت زور و شور کے ساتھ پڑھتے ہیں جو تقریباً ہر زمانہ کی تواریخ میں پائی جاتی ہے تو ہم کو یہ فراموش نہ کر دینا چاہیئے کہ نقاد، کلیسا کی بھلائی کو مسلمہ مان کر صرف بُرائی پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ یہ بات خصوصاً ایک بڑے مذہبی شعبہ کے لئے صحیح سمجھنی چاہیئے جہاں کہ بداعمالی خاص طور پر دل لرزا دیتی ہے اور ایک شریر النفس اُسقف یا کسی ایک قسم کی بدچلنی اور تشدد جو جماعت پادریان میں پایا جائے یکصد متقی اور خدا سے ڈرنے والے پادریوں کی عاجزانہ نیکیوں کی نسبت دماغ پر زیادہ گہرا اثر ڈالتا ہے۔ تاہم اگر ہم اس کی تاویل بھی کر دیں کہ کیوں بارہویں اور تیرہویں صدیوں کے مصنفین نے کلیسا کی عمدہ باتوں کو چھوڑ دیا، یہ امر مسلمہ ہے کہ جو لوگ اُن کی شہادت اور تصدیق کو پڑھینگے وہ یہ ضرور کہیں گے کہ بہت سے پادریوں اور راہبوں کی زندگی کے حالات اور مختلف بداعمالیوں کی دل ہلا دینے والی کیفیت جو کلیسا میں ترقی پذیر تھی تصویر کا بدنما رُخ پیش کرتی ہے۔

پادریوں میں بداعمالی کی ترغیبات | گریگری ہفتم نے خیال کیا کہ بُرے پادریوں کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اور فیوڈل آقا اپنے اپنے آدمیوں کو کلیسا کے عہدوں پر ممتاز کرا دیتے ہیں لیکن اس خرابی کی بنیاد خود کلیسا کی دولت اور طاقت پر رکھی ہوئی تھی۔ کلیسا کو ہمیشہ اولیا کی ضرورت تھی تاکہ

اُن بڑے اختیارات کو جو پادریوں کو حاصل تھے ٹھیک طور پر استعمال کیا جا سکے اور وہ اُن ترغیبات سے علیحدہ رہیں جو اُن کے اختیارات کا لازمی نتیجہ تھیں۔ جب ہم کسی متمول پادری کی حالت پر غور کرتے ہیں تو یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ اُس میں بداعمالی بے انتہا پائی جاتی ہے۔ کلیسا کے عہدے روپیہ پیدا کرنے کے وہی مواقع پیش کرتے تھے جو حکومت کے عہدے خصوصاً امریکہ کے بڑے شہروں کے عہدے صرف ٹیمنی ہال جیسے خیالات والے آدمیوں کے لئے آجکل بھی پیش کرتے ہیں۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں کے بعض پادریوں کی خصوصیات سے اُن کا ایک پیشہ ور سیاسی مدبر ہونا بہ نسبت ایک موجودہ پادری کے خواہ وہ کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ زیادہ ثابت ہوتا ہے۔

کلیسا میں خاص اقسام کی بداعمالیاں

کلیسا کے خلاف بغاوتوں اور مختلف قسم کی بے دینیوں کے سمجھنے کے لئے کم از کم زیادہ بدنام قسم کی بداعمالیوں کا خاکہ کھینچنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بارہویں صدی میں انہوں نے واقعی کلیسا کی طاقت کو گھٹا دینے کی دھمکی دی اور آخرکار سولھویں صدی کی پروٹسٹنٹ بغاوت کامیاب ہوئی۔ پادریوں کی برائیاں فرانسسکنس اور ڈومی نیکنس فقیر راہبوں کو وجود میں لائیں اور اس سے اُس بڑی اصلاح کی ضرورت بھی ثابت ہوتی ہے جو انھوں نے تیرہویں صدی میں اختیار کی۔

سیمونی

سب سے پہلے سیمونی تھی۔ یہ بیماری ایسی جڑ پکڑ گئی تھی اور مستقل ہو گئی تھی کہ انوسینٹ سوم نے اس کو ناقابلِ علاج سمجھا۔ اس کا ذکر پہلے کسی باب میں کیا جا چکا ہے[1]۔ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے اثر سے لڑکوں کو بھی اُسقف اور ایبٹ بنا دیا جاتا تھا۔ فیوڈل رؤسا متمول اُسقف کی گرجاؤں اور خانقاہوں کو ایک قابلِ تعریف ذریعۂ آمدنی اپنے چھوٹے بیٹوں کے لئے سمجھتے تھے

اکثر اُسقفوں اور ایبٹوں کی دنیاداری اور مخرب اخلاق زندگی

کیونکہ عام طور پر صرف بڑا بیٹا اُن کی جاگیر کا وارث ہوتا تھا۔ جس طرح کوئی فیوڈل شہزادہ زندگی بسر کرتا تھا اُسی طرح قریب قریب اُسقف اور ایبٹ

---

[1] دیکھو باب دوازدہم۔ مترجم۔

رہتے تھے۔ اگر کوئی پادری جنگ کا شائق تھا تو وہ فتوحات کے لئے فوجی مہمات کا انتظام کرتا تھا یا کسی ہمسایہ کے خلاف اپنا کینۂ دیرینہ نکالتا تھا ٹھیک اُسی طرح جسطرح کہ اُس زمانہ کے جھگڑالو غیر پادری اشخاص کرتے تھے۔

پادریوں کی عدالتوں میں رشوت کی گرم بازاری

سیمونی اور بہت سے پادریوں کی شرمناک زندگی کے علاوہ دیگر قسم کی بُرائیاں بھی تھیں جنسے کلیسا بدنام ہوگئی۔ اگرچہ پوپ خود بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں عام طور پر اچھے آدمی تھے اور بعض اوقات ممتاز مدبر ثابت ہوئے جنہوں نے نیک نیتی سے اپنے وسیع شعبہ کو جس کے وہ افسر اعلیٰ تھے نیکنام بنانے کی کوشش کی لیکن اُن کے ماتحت افسران جو اُن کی عدالتوں کے بیشمار مقدمات فیصل کرتے تھے سخت رشوت ستانی کے لئے بدنام تھے۔ یہ عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ ہمیشہ فیصلہ اُس کے موافق ہوگا جو سب سے زیادہ رشوت دیگا اور یہ کہ غریب آدمی کی طرف کچھ توجہ نہیں کیجاتی۔ اُسقفوں کی عدالتیں اپنے ظلم وجبر کے لئے یگانۂ روزگار تھیں کیونکہ اُسقف کی آمدنی کا بڑا حصہ ایک فیوڈل رئیس کی طرح اُس جرمانہ سے آتا تھا جو مجرموں کو دینا پڑتا تھا۔ ایک ہی شخص بعض اوقات مختلف عدالتوں میں ایک ہی وقت میں طلب کیا جاتا تھا اور ایک یا دوسری عدالت کی غیر حاضری پر اُس پر جرمانہ کردیا جاتا تھا۔

غریب گرجاؤں کے پادری اپنے برتروں سے بہتر نہ تھے

رہے غریب گرجاؤں کے پادری وہ بھی اپنے برتروں کے بُرے نمونہ کی تقلید کرتے تھے۔ کلیسا کی کونسلوں کے قوانین ظاہر کرتے ہیں کہ بعض اوقات پادری اپنی گرجا کو دوکان بنالیتا تھا اور شراب اور دیگر اشیاء فروخت کرتا تھا۔ وہ اپنی آمدنی میں جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں اس طرح بھی اضافہ کرلیتا تھا کہ اصطباغ، اقرار گناہ، معافی گناہ، شادی اور مُردوں کے دفن کرنے کے وقت جو اُس کے فرائض میں سے تھے لوگوں سے فیس وصول کرتا تھا۔

بارہویں صدی کے راہبوں نے بعض خاص صورتوں کے علاوہ دنیاوی پادریوں کے نقائص کو دور نہیں کیا۔ لوگوں کو تعلیم دینے اور اُن کے سامنے پاکیزہ اور مقدس زندگی کے نمونے پیش کرنے کی بجائے وہ بھی اُسقفوں اور پادریوں کی طرح بدنام تھے لیکن گیارہویں اور بارہویں

صدیوں میں نئے طبقوں کو قائم کرکے کوشش کی گئی تھی کہ راہبوں کی اصلاح کی جائے مثلاً ایک طبقہ سسٹرسین کا تھا جس میں سینٹ برناڈ بھی شامل تھا۔

خود پادریوں کی جماعت کے بہتر عنصر نے بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کو تسلیم کیا اور اُن پر ملامت کی

اُس زمانہ کی بے شمار تحریرات میں اُس عام خودغرضی اور بداخلاقی کا نمایاں اثر جو بُرے پادری تمام لوگوں کے دلوں میں پیدا کردیتے تھے پایا جاتا ہے۔ پوپ کے خطوط میں، مقدس اشخاص مثلاً سینٹ برناڈ کے مواعظ میں، کونسلوں کے قوانین میں، شاعروں کی ہجووں میں، اور درباری شاعروں کی نظموں میں ہر جگہ اِن کا ذکر ہے۔ یہ سب تحریرات پادریوں کی ناانصافی، اُن کی حرص وطمع اور اُن کی اپنے مقدس فرائض سے کم توجہی کو بُرا کہنے میں متفق اللفظ ہیں۔ سینٹ برناڈ رنج کے ساتھ سوال کرتا ہے "تم پادریوں میں کس شخص کو پیش کرسکتے ہو جو اپنے گلہ کی جیبیں خالی کرانے کی فکر نہیں کرتا بلکہ اُن کی بُرائیوں کو دور کرنے کی فکر کرتا ہے؟"

کلیسا کے غیرپادری نقاد

غیرپادریوں کی نکتہ چینی اور نظر سے وہ بُرائیاں جن کو پادری خود صفائی قلب کے ساتھ تسلیم کرتے تھے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں لیکن جہاں پادریوں کی جماعت کے بہتر افراد نہایت زور و شور کے ساتھ موجودہ بُرائیوں کے انسداد کی ضرورت سمجھتے تھے کسی پادری کو بھی کلیسا کے اصول کی صداقت یا اُس کی رسوم کے عمدہ ہونے میں شک نہیں تھا۔ البتہ غیرپادریوں میں چند مشہور رہنما اُٹھے جنہوں نے کلیسا کو شیطان کی جماعت سمجھا اور باعلان کہا کہ کسی شخص کو اب اپنی نجات کے لئے کلیسا پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہئے۔ اُس کی تمام رسوم نہایت خراب اور فضول ہیں، اُس کے کھانے کی رسم، مقدس پانی اور مقدس تبرکات یہ سب بداخلاق پادریوں کے روپیہ پیدا کرنے کی ترکیبیں ہیں اور کسی کو یہ جنت الفردوس میں نہیں پہنچا سکتیں۔ کلیسا کے اِن گستاخ باغیوں نے قدرتاً اپنے ہم خیال اشخاص اُن لوگوں میں پائے جو یہ احساس کرتے تھے کہ ایک شریر النفس پادری کی نمازوں سے کسی گنہگار کی امداد نہیں ہوسکتی اور نیز اُن لوگوں کو بھی اپنا ہمخیال پایا جو عُشر اور دیگر مذہبی ٹیکس ادا کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

بے دینی | جو لوگ کلیسا کی تعلیمات پر اعتراض کرتے تھے اور اس کے اختیارات کو اس سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے، اُس زمانہ کے مسلمہ خیال کے مطابق وہ بے دینی کے بڑے جرم کے مرتکب سمجھے جاتے تھے۔ کسی پکے عیسائی کے نزدیک اُس شخص کے جرم سے کوئی گناہ زیادہ نہیں ہوسکتا تھا جو خدا کے خلاف بغاوت کرے اور اُس مذہب کو ترک کردے جو رومن کلیسا کے ذریعے سے اُس کی بیٹے کے (نعوذ باللہ من ذالک مترجم) افوری تو ابعین سے ہم تک پہنچایا تھا۔ علاوہ ازیں تشکک اور بیدینی نہ صرف گناہ تھے بلکہ وہ اُس زمانہ کے نہایت طاقتور معاشرتی صیغہ کے خلاف بغاوت بھی تھے جو اُس کے بعض افسران کی بداعمالیوں کے باوجود عام طور پر تمام مغربی یورپ کے لوگوں کی نزدیک لائق احترام تھا۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں کی بیدینی کا طریقہ، اُس کی وسعت اور اُس کے اخراج کی کوششیں جو کلیسا نے وعظ، آگ، تلوار اور تحقیق مذہب کی سخت عدالتوں کے ذریعہ سے کیں قرون وسطیٰ کی تاریخ کا دہشت ناک اور عجیب وغریب باب ہے۔

بے دینوں کی دو قسمیں | بے دین دو قسم کے تھے۔ ایک قسم تو صرف رومن کیتھولک کلیسا کے بعض اصول اور رواجات سے منحرف تھی لیکن وہ اپنے آپ کو عیسائی کہتے تھے اور حضرت مسیحؑ اور اُن کے حواریوں کی سادہ زندگی کی تقلید کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ برعکس اس کے کچھ ایسے مشہور اور ہر دلعزیز رہنما بھی تھے جو یہ تعلیم دیتے تھے کہ مذہب عیسوی دروغ مذہب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ دنیا میں دو اصول ہیں۔ ایک اچھا اور ایک برا اور یہ دونوں اپنی اپنی کامیابی کے لئے ہمیشہ جنگ وجدل کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ توریت مقدس کا خدا دراصل برائی کا سرچشمہ ہے اور چونکہ رومن کیتھولک کلیسا اُس کی پرستش کرتی ہے اس لئے یہ بھی بری ہے۔

ایلبی جنیسیز | یہ آخر الذکر قسم کی بے دینی بہت قدیم تھی اور سینٹ آگسٹائن بھی اپنے ابتدائی زمانہ میں اس سے متاثر ہوگیا تھا۔ اٹلی میں یہ گیارہویں صدی میں دوبارہ پیدا ہوئی اور بارہویں صدی میں بہت کثرت سے خصوصاً جنوبی فرانس میں پھیل گئی۔ اس کے ماننے والے اپنے آپ کو کیتھاری یعنی پاکیزہ کہتے تھے لیکن ہم اُن کو ایلبی جنیسیز کہینگے۔ یہ نام جنوبی فرانس کے شہر ایلبی سے

لیا گیا ہے جہانکہ یہ لوگ کثیر تعداد میں تھے۔

والڈین سینس

اُن لوگوں میں جو عیسائی مذہب کے پیرو رہے لیکن پادریوں سے اُنکی شہر پرائی کے باعث منحرف تھے سب سے زیادہ اہم فرقہ والڈین سینس کا تھا۔ یہ لوگ شہر لائنس کے پیٹر والڈو کے متبعین تھے جو اپنی تمام جائداد کو خیرات کر دیتے تھے اور حواریوں کے افلاس جیسی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ انجیل مقدس کا وعظ کرتے پھرتے تھے اور مقدس کتابوں کی تشریح کرتے تھے جنکا ترجمہ انہوں نے لوگوں کی زبان میں کر دیا تھا۔ انہوں نے بہت سے پیروان جمع کر لئے اور بارھویں صدی کے اختتام سے قبل مغربی یورپ میں ہر جگہ اُنکی کثیر تعداد ہو گئی تھی۔

کلیسا اچھے اور سادہ آدمیوں کی کوششوں کو جو حضرت مسیحؑ اور اُن کے حواریوں کی زندگی کی حتی الامکان تقلید کرنا چاہتے تھے ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن یہ غیر پادری اشخاص جو وعظ کرتے اور اقرار گناہ کرانے کے حقوق کے مدعی تھے اور جو کہتے تھے کہ نماز درست طور پر ادا ہو جاتی ہے خواہ وہ پلنگ پر یا اصطبل میں یا گرجا میں پڑھی جائے اِس عام یقین کی کہ صرف کلیسا ہی ذریعہ نجات ہے صریح طور پر تردید کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کلیسا کے اثر کو جو لوگوں پر تھا مخاطرہ میں ڈالتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

بے دینی کے خلاف جنگ کی ابتدا

بارھویں صدی کے اختتام سے قبل دنیاوی فرمانرواؤں نے بیدینی کی طرف توجہ مبذول کی۔ ہنری دویم شاہ انگلستان نے ۱۱۶۶ء میں حکم دیا کہ انگلستان میں کوئی شخص بیدینوں کو پناہ نہ دے۔ اور جس گھر میں اُنکا پتہ چلے وہ جلا کر خاک سیاہ کر دیا جائے۔ ایراگان کے بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا (۱۱۹۴ء) کہ جو شخص والڈین سینس کی تعلیمات سنیگا یا انہیں خوراک دیگا وہ بغاوت کی سزاؤں کو برداشت کرے گا اور سلطنت اُس کی جائداد کو ضبط کر لے گی۔ یہ بیرحمانہ فرمانوں کے سلسلہ کی شروعات ہیں جنکو تیرھویں صدی کے نہایت روشن خیال بادشاہوں نے اُن سب کے خلاف جاری کیا جو ایلبی جینسیز یا والڈین سینس سے تعلق رکھتے تھے۔ کلیسا اور شاہی حکومت اِس پر متفق ہو گئیں کہ دونوں کی بہتری کے لئے بیدین خطرناک تھے اور وہ ایسے مجرم تھے

جو زندہ جلائے جانے کی سخت سزا کے مستحق تھے۔

بے دینی بغاوت سمجھی جاتی تھی

ہم لوگوں کے لئے جو ایسے وسیع النظر زمانہ میں رہتے ہیں یہ سمجھنا دشوار ہے کہ عام اور گہرے مظالم بیدینی جو نہ صرف بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں تھے بلکہ کم از کم اٹھارویں صدی تک رہے کس قدر مہیب اور دہشتناک ہیں۔ اس امر پر ضرورت سے زیادہ زور نہیں دیا جاسکتا کہ بیدینی ایک ایسے صیغہ کے خلاف بغاوت سمجھی جاتی تھی جسکو عملی طور پر سب لوگ خواہ وہ جاہل ہوں یا عالم متفقانہ صرف ذریعۂ نجات سمجھتے تھے بلکہ تہذیب اور امن و امان کے لئے بھی ضروری سمجھتے تھے۔ پادریوں کی بری زندگیوں کی صاف اور صریح نکتہ چینی جس سے کہ خود پوپ بھی مستثنی نہیں تھا کافی طور پر عام تھی۔ مگر یہ بیدینی نہیں تھی۔ ایک شخص یقین کرسکتا تھا کہ پوپ اور نصف جماعت سقف خراب ہے لیکن کسی صورت میں بھی کلیسا کے وجود کی ضرورت پر اعتراض نہیں کرسکتا تھا جس طرح کہ آجکل ہم خاص حکمرانوں اور سرکاری عمّال کو بیوقوف یا بدمعاش کہہ سکتے ہیں تاہم ہماری طرف سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم گورنمنٹ کے بالکل خلاف ہیں۔ ایک بیدین قرون وسطیٰ کا انارکسٹ (بربادکن) تھا۔ وہ کلیسا کے افسران کی بدچلنی ہی کو صرف برا نہ کہتا تھا بلکہ وہ اس امر کا مدعی بھی تھا کہ کلیسا بالکل نضول اور بیکار شے ہے۔ وہ کوشش کرتا تھا کہ لوگ کلیسا سے منحرف ہوجائیں اور اس کے قوانین اور احکام کی پابندی نہ کریں کلیسا اور شاہی حکومتوں نے نتیجتاً ان کے خلاف احکامات صادر کئے اور ان کو دشمن امن و امان اور عدوئے سوسائٹی سمجھا۔ علاوہ ازیں بے دینی ایک متعدی مرض تھا جو تیزی کے ساتھ خفیہ طور پر پھیلتا گیا یہانتک کہ اس زمانہ کے حکمرانوں نے ان کے خلاف سخت سے سخت تدابیر کو بھی اس کی اشاعت کو روکنے کے لئے مناسب اور مبنی بر انصاف سمجھا۔

بے دینی کے خلاف مختلف تدابیر

بیدینی کو روکنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاسکتی تھیں۔ اول پادریوں کے چال چلن کی اصلاح اور کلیسا میں خراب طریقوں کی ممانعت سے اس بے چینی اور غیر اطمینان حالت کا انسداد ہوسکتا تھا جس کو اس زمانہ کے مصنفین بیدینی کی پیدائش کا سبب قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان نوسینٹ سوئم کی سعی جو کلیسا کی حالت درست کرنے

کیلئے کی گئی اور اسی غرض سے ایک بڑی کونسل روما میں ۱۲۱۵ء میں طلب کی گئی ناکام ثابت ہوئی ۔

اندرونی اصلاح

اور اُس کے جانشین کے بیان کے مطابق معاملات بد سے بدتر ہو گئے ۔

تلوار کے زور سے اخراج

دوسری ترکیب ایک مہم کو ترتیب دیکر باغیوں پر حملہ کرنا تھا اور اُن کو تلوار کے ذریعہ سے نیست و نابود کر دینا تھا ۔ یہ حکمتِ عملی اُس وقت ممکن ہو سکتی تھی کہ بیدینوں کی بڑی جماعت کسی خاص ضلع میں ہوتی ۔ جنوبی فرانس میں ایلبی جینسیز اور والڈین سیز دونوں کے متبعین خصوصاً ٹولوس کے صوبہ میں بکثرت تھے ۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں اس حصۂ مملکت میں کھُلم کھُلا کلیسا کی تحقیر کی جاتی تھی اور بڑے بڑے طبقوں کے لوگ بھی بے دینی کی تعلیمات کی بہادرانہ حمایت کرتے تھے ۔

ایلبی جینسین کے خلاف صلیبی جنگ

اس مرفہ الحال سرزمین کے باشندوں کے خلاف اِن نوسینٹ سوم نے[1] ۱۲۰۸ء میں ایک صلیبی جنگ کا وعظ کیا ۔ ایک لشکرِ جرّار سائمن ڈی مانٹ فورٹ کی ماتحتی میں شمالی فرانس سے روانہ ہو کر اس بدنصیب حصۂ ملک میں پہنچا اور تاریخ کی ایک بڑی خونریز اور نہایت بیرحم لڑائی کے بعد قاطبۃً سب کو ذبح کر کے بے دینی کو روک دیا ۔ اُسی وقت اس جنگ نے تہذیب کی ترقی کو بھی روکا کیونکہ فرانس کے نہایت روشن خیال حصہ کی مرفہ الحالی کو برباد کر دیا گیا تھا ۔

محکمۂ احتساب عقائد

تیسرا اور نہایت مستقل طریقۂ حفاظت پوپ کی ماتحتی میں بے دینی کے خلاف ایک قسم کی عدالتوں کا قیام تھا جو بے دینی کے خفیہ معاملات کی ٹوہ لگاتی تھیں اور مجرموں کو سزا دیتی تھیں ۔ یہ ماہرانِ فن کی عدالتیں جو اپنی تمام توجہ بیدینی کے کھوج لگانے اور بے دینوں کو سزا دینے میں صرف کرتی تھیں ، مقدس انکیوزیشن (محکمۂ احتساب عقائد) سے مرکب تھیں جس نے رفتہ

---

[1] اُس کے بیٹے نے ایک انگریزی خاتون سے شادی کر لی تھی چنانچہ وہ انگریز امرا کا سردار بن گیا اور اُسی نے اوّل اوّل عوام الناس کو پارلیمنٹ میں طلب کیا تھا ۔ مؤلف ۔

رفتہ اہلی چینسین صلیبی جنگ کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ہم ان عدالتوں کا ذکر کرنے کے لئے توقف نہیں کرسکتے
جنہوں نے خصوصاً اسپین میں اپنے قیام کی دو صدیوں کے بعد مقدمات کی سماعت کی بعنوانی
اور اُس بیرحمانہ سلوک سے، جو مشتبہ بے دینوں کے ساتھ طویل سزائے قید یا سخت سزاؤں کے
ذریعے اس امید پر کہ وہ اپنے جرم کے معترف ہوں گے یا دوسروں کو اُس میں شامل کریں گے،
کیا جاتا تھا محکمۂ احتساب عقائد کے نام کو بدنام کردیا ہے۔

اس خیال کے بغیر کہ اُن طریقوں کی جو استعمال کئے گئے حمایت کی جائے یہ ضرور کہا جاسکتا
ہے کہ ایسی عدالتوں کے افسران اکثر سچے اور ایماندار آدمی تھے جن کے احساسات نئے انگلستان کے
کسی ایسے جج سے غیر مشابہ نہ تھے جو سترہویں صدی میں کسی جادوگر کے مقدمہ کی سماعت کررہا ہو۔ انکوزیشن
(محکمۂ احتساب عقائد) کا ضابطہ اُس زمانہ کی دنیاوی عدالتوں کے ضابطے سے زیادہ بیرحمانہ
نہ تھا۔

کسی مشتبہ شخص کا یہ کہنا کہ وہ بیدین نہیں ہے قابل توجہ نہ تھا کیونکہ یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ وہ قدرتاً
اپنے قصور سے انکار کریگا جیسا کہ کوئی دوسرا مجرم کرتا ہے۔ پس ایک شخص کا اعتقاد اُس کے ظاہری
افعال سے دیکھا جاتا تھا۔ لہذا ایک شخص محکمۂ احتساب عقائد کے ہاتھوں میں صرف اس بنا پر بھی پڑ جاتا
تھا کہ وہ کسی بے دین سے بلا خیال اس امر کے گفتگو کرتا ہوا پایا جائے کہ وہ کلیسا کی رسوم کی مناسب
عزت واحترام نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا اُس کے خلاف اُس کے ہمسایے حاسدانہ شہادت دیدیں۔
واقعی محکمۂ احتساب عقائد کی اور اُس کے ضابطہ کی یہ نہایت خطرناک حالت تھی۔ اس نے قصہ کہانیوں
کو یقین کیا اور نہایت بیرحمانہ طریقوں سے کام لیا اور اُن لوگوں کو سزائیں دیں جو نہایت سرگرمی کے
ساتھ اس بات سے انکار کرتے تھے کہ اُن کے خیالات کلیسا کے خیالات سے مختلف ہیں۔

سزا یافتہ بیدین کی قسمت

اگر مشتبہ شخص اپنے قصور کا اعتراف کرتا تھا اور اپنی بے دینی کے ترک کرنے کا
عہد اٹھاتا تھا اُس کا قصور معاف کردیا جاتا تھا اور پھر کلیسا میں داخل کرلیا جاتا تھا لیکن عمر بھر کی قید کا
کفارہ اُس سے ادا کرایا جاتا تھا کیونکہ اُس کے ناگفتہ بہ گناہ کا یہی مناسب علاج تھا۔ اگر وہ بغیر توبہ

سکے رہتا تھا تو وہ دنیاوی حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا تھا یعنی کلیسا جس کا قانون اُس کو خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ مجرم کو دنیاوی حکومت کے حوالے کر دیتی تھی جو اُس کو مزید تحقیقات کے بغیر زندہ جلا دیتی تھی۔

فقیروں کے طبقوں کا قیام

اب ہم زیادہ خوفناک اور مؤثر طریقہ کی طرف اپنی توجہ منعطف کرتے ہیں جو کلیسا نے اپنے مخالفین کے خلاف اختیار کیا اور جس کو کہا جا سکتا ہے کہ اسی سی کے سینٹ فرانسس نے دریافت کیا تھا۔ اُس کی تعلیمات اور اُس کی عمدہ زندگی کے نمونے نے غالباً کلیسا کی اطاعت کو بدستور دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے محکمۂ احتساب عقائد کی تمام خوفناک اور مہیب ترکیبوں سے زیادہ کام لیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح والڈین سیس نے دنیا کو سادہ زندگی بسر کرنے اور انجیل مقدس کا وعظ کرنے سے بیزار دیا تھا۔ کلیسا کے حکام کی نفرت کی وجہ سے جنہوں نے انکی تعلیمات کو غلط اور خوفناک ظاہر کیا اُن کو اپنا کام کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ تاہم تمام نیک دل لوگ والڈین سیس سے متفق ہو گئے کہ دنیا سخت اور بڑی مصیبت میں مبتلا ہے اس وجہ سے کہ پادری عدم توجہی سے کام لیتے ہیں اور مخرب اخلاق کام کرتے ہیں سینٹ فرانسس اور سینٹ ڈومی نیک نے اپنے زمانہ کی ضروریات کو ایک نئی قسم کے پادریوں کی جماعت ایجاد کر کے پورا کیا، جو بھیک مانگنے والے بھائی یا سادھو تھے۔ اُسقفوں اور چھوٹے پادریوں سے جو کام نہیں ہوتا تھا وہ اُس کام کو کرتے تھے یعنی وہ ایثار نفس کی پاک زندگی بسر کرتے تھے۔ بے دینوں کے حملوں اور ملامتوں سے پختہ اعتقادات کی حمایت کرتے تھے اور لوگوں کو نئی روحانی زندگی کی طرف مائل کرتے تھے۔ ان فقیروں یا فقرا کے طبقوں کی ایجاد قرون وسطیٰ کے نہایت اہم اور دلچسپ واقعات میں سے ہے۔

اسی سی کا سینٹ فرانسس ۱۱۸۲ء–۱۲۲۶ء

تمام تاریخ میں سینٹ فرانسس سے زیادہ خوبصورت اور بامروت کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ (غالباً ۱۱۸۲ء میں) اسی سی میں پیدا ہوا تھا جو وسط اٹلی میں ایک چھوٹا قصبہ ہے۔ وہ ایک متمول سوداگر کا بیٹا تھا اور اپنی نوجوانی کے عالم میں وہ

نہایت فرحناک زندگی بسر کرتا تھا اور اپنے باپ کا روپیہ خوب خرچ کرتا تھا۔ وہ اُس زمانہ کے فرانسیسی قصص پڑھتا تھا اور اُن شجاع فوجی سرداروں کی نقل کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا جن کے حالات اُن قصوں میں تھے۔ اگرچہ اُس کے رفقاء جنگی اور غیر محتاط تھے لیکن فرانسس کی ساخت میں ایک قسم کی نزاکت اور بہادری پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ سب خراب اور بیرحم چیزوں کو نفرت سے دیکھتا تھا۔ جب بعدازاں اُس نے بخوشی فقیری اختیار کرلی، اُس کا موٹا جھوٹا لباس اُس وقت بھی ایک حقیقی شاعر اور بہادر کو ظاہر کرتا تھا۔

فرانسس اپنی عیش وعشرت کی زندگی اور اپنی وراثت کو خیرباد کہتا ہے اور ایک فقیر بن جاتا ہے

اُس کی اپنی زندگی کی عیش وعشرت اور غرباکی خراب حالت کے موازنہ نے ابتداءً اُسے بہت تکلیف پہنچائی جب وہ تقریباً بیس برس کا تھا اور مزمن اور مہلک بیماری سے شفایاب ہوا تھا جس سے اُسکی فرحناک زندگی میں رُکاوٹ ہوگئی تھی اور اُس کو غور کرنے کا موقع ملا تھا اُس نے یکایک اپنی قدیم دلچسپیوں کے شوق سے کنارہ کشی اختیار کی اور بھوکے ننگوں سے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ کوڑھیوں سے میل جول رکھنے لگا۔ اب فرانسس چونکہ نازک بدن تھا اور نازونعم کا پلا ہوا۔ اخاص طور پر ان بدنصیبوں کو نفرت سے دیکھتا تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو مجبور کیا کہ وہ اُن کے ہاتوں کو بوسہ دے گویا کہ وہ اُس کے دوست تھے اور اُن کے زخموں کو دہوتا تھا۔ پس اُس نے اپنے نفس پر قابو پالیا اور جو شے پہلے اُسے بُرا اور تلخ معلوم ہوتا تھا خود اُس کے بیان کے مطابق خوشگوار اور اچھا ہوگیا۔

اُس کے باپ کو فقیروں سے کسی قسم کی محبت نہ تھی اور اُس کے اور اُس کے بیٹے کو درمیان تعلقات کشیدہ ہوتے گئے۔ جب آخر کار اُس نے اپنے نوجوان بیٹے کو اپنے ترکہ سے محروم کرنے کی دہمکی دی تو فرانسس خوشی سے اپنے تمام حقوق دربارہ وراثت چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ اپنے کپڑے اُتار کر اور انہیں اپنے باپ کو واپس دیکر اُس نے ایک مالی کے پُرانے کپڑے پہن لئے اور بے خانمان فقیر بن گیا اور اُسی بستی کے قریب کی گرجا کی دوبارہ تعمیر میں جو کھنڈر بن گئی تھی مصروف ہوگیا۔

وہ یقین کرتا تھا کہ اُس نے آسمان سے براہِ راست پیغام حاصل کیا۔

ایک دن فروری ۱۲۰۹ء میں جبکہ وہ پادری کی نماز سُن رہا تھا، پادری نے اُس کی طرف اتفاق سے مخاطب ہو کر پڑھا " اور جب تم سفر کرتے ہو، وعظ کر دو یہ کہکر کہ آسمانی بادشاہت قریب ہے۔ تم کوئی سونا، چاندی یا پیتل اپنی تھیلیوں میں نہ ڈالو، اپنے سفر کے لئے کوئی تھیلا نہ لو، نہ دو کوٹ لو، نہ جوتے پہنو، نہ ڈنڈا لو کیونکہ مزدور صرف غذا کھانے کا مستحق ہے"۔ اُمیدوار فرانسس کو یہ خود حضرت عیسیٰ کا جواب اُس کی خواہشات رہنمائی کے بارہ میں محسوس ہوا۔ اُس نے اپنی چھڑی پھینک دی، جھولی پھینک دی اور جوتے نکال ڈالے اور اس کے بعد مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ لفظاً اور معنیاً حواریوں جیسی زندگی بسر کریگا۔

فرانسس وعظ کرنا شروع کرتا ہے اور بہت سے اُس کے تابعین ہوتے ہیں

اُس نے سادگی کے ساتھ وعظ کرنا شروع کیا اور بہت جلد اُس کے ایک متمول ہموطن نے ٹھان لی کہ سب کچھ فروخت کر کے خیرات کر دوں اور فرانسس کی مثال کی تقلید کروں۔ دیگر اشخاص نے بھی جلد اُنکا ساتھ دیا اور یہ خوش باش تابعین جو دنیاوی تفکرات سے آزاد تھے اور اپنے آپ کو خدا کی محبت کے نشہ سے سرشار کہتے تھے ننگے پاؤں سفر کرتے تھے اور بغیر کسی معاوضہ کے وسط اٹلی میں انجیلِ مقدس کا وعظ کرتے ہوئے پھرتے تھے۔ جن لوگوں سے انہیں سابقہ پڑا اُن میں سے بعض" اُن کے مواعظ خوشی سے سنتے تھے اور بعض اُن پر ہنستے تھے اور زیادہ تعداد اُن سے بکثرت سوالات کرتی تھی" تم کہاں سے آتے ہو" "تم کس طبقہ میں داخل ہو" اور اگرچہ بعض اوقات اُن کو جواب دینا ناگوار گزرتا تھا وہ سادگی سے کہدیتے تھے "ہم تابعین ہیں اور شہر اسی سی کے باشندے ہیں"۔

وہ پوپ کی پسندیدگی کی جستجو کرتا ہے اور اُسے حاصل کرتا ہے

جب فرانسس نے مع اپنے ایک درجن تابعین کے ۱۲۱۰ء میں پوپ سے درخواست کی کہ وہ اُس کی تجویز کو پسند کرے اِن نوسینٹ سوم نے تامل کیا۔ اُس کو یہ یقین نہ تھا کہ کوئی شخص بالکل ناداری کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ پھٹے پُرانے کپڑے پہننے والے خانہ بدوش اشخاص متمول اور آرام دہ پادریوں کی زندگی سے بالکل مختلف حالت اختیار کر کے کلیسا پر اعتراض کرنے لگیں۔ لیکن اگر اُس نے راہبانہ

زندگی ناپسند کی تو وہ گویا حضرت مسیحؑ کی ہدایات جو انہوں نے اپنے حواریوں کو کی تھیں ناپسند کرتا ہے۔ آخرکار اُس نے یہ طے کیا کہ وہ انہیں اپنی زبانی منظوری دیدے اور "برادران" کو اجازت دیدے کہ وہ اپنا کام جاری رکھیں۔ اُن کو سر منڈانا پڑتا تھا اور اِس طریقہ سے وہ رومن کلیسا کے روحانی دائرہ میں داخل ہوجاتے تھے۔

انھوں نے اشاعت مذہبِ عیسوی کا کام اختیار کیا

سات سال بعد جب فرانسس کے تابعین کی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا، اشاعت مذہب عیسوی کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہوا اور یہ "برادران" جرمنی، ہنگری، فرانس، اسپین اور شام میں بھی بھیجے گئے۔ اِس کے بعد فوراً ہی ایک انگریزی مورخ نے اپنے ملک میں اِن ننگے پاؤں پھرنے والے آدمیوں کی آمد کا حال تعجب سے لکھا ہے کہ وہ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے اور کمر سے رسیاں باندھے ہوئے آئے اور مذہب عیسوی کے لحاظ سے اُن کو خیال فرداً قطعی نہ تھا کیونکہ وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ اُن کا آسمانی باپ اُن کی ضروریات سے واقف ہے اور وہ اُن کو اُن کے واسطے مہیا کردیگا۔

فرانسس کی یہ خواہش نہ تھی کہ وہ ایک طاقتور فرقہ کی بنیاد رکھے

ان فقیروں کے ساتھ جو برتاؤ اُن کے دور دراز سفر میں کیا گیا اُس نے مجبور کیا کہ وہ پوپ سے درخواست کریں کہ اُن کو اِس مضمون کی چٹھی دیدیا کرے کہ دینداروں کو چاہیئے کہ اُن کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کریں کیونکہ وہ نیک ہیں اور کیتھولک مذہب کے پابند ہیں۔ پوپ سے بے انتہا مراعات حاصل کرنے کی یہ ابتدا تھی لیکن فرانسس کو یہ دیکھکر رنج ہوا کہ اُس کے رفقا کا چھوٹا دستہ ایک بڑا اور طاقتور طبقہ ہوگیا۔ اُس نے پہلے ہی سے یہ سمجھ لیا کہ وہ جلد اپنی سادہ اور مقدس زندگی بسر کرنا ترک کردینگے اور حریص اور غالباً متمول ہوجائیں گے۔ وہ لکھتا ہے "میں چھوٹا بھائی فرانسس حضرت عیسیٰؑ کی ناداری کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں اور اِس پر آخر تک کاربند رہوں گا اور میں تم سب سے درخواست کرتا ہوں اور تم سب سے باصرار کہتا ہوں کہ یہ نہایت مقدس زندگی ناداری کی بسر کرو اور اِسکا خیال رکھو کہ کبھی تم اِس سے علیحدہ نہ ہو خواہ تمہیں کوئی کیسی ہی صلاح دے اور اپنی تعلیمات سے آگاہ کرے۔"

فرانسس بادلِ ناخواستہ اپنے فقراء کی رہنمائی کے لئے ایک نیا قاعدہ بناتا ہے

فرانسس نے رنج کے ساتھ ایک نیا اور زیادہ واضح نظام بنایا جو چند انجیل مقدس کی آیات کی بنا پر تھا اور جس کو ابتداءً وہ اپنے ہمراہ اپنی رہنمائی کے لئے لایا تھا بہت سی ترمیمات کے بعد تاکہ پوپ اور کارڈنل پادریوں کے خیالات کے موافق اور مناسب ہو جائے، فرانسس کا قاعدہ ہانوریس سوم نے (۱۲۲۳ء) منظور کر لیا۔ اس نظام باقاعدہ میں تحریر ہے کہ "برادران اپنے لئے کوئی چیز استعمال نہ کریں گے خواہ مکان ہو یا کوئی جگہ ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ البتہ زائرین کی حیثیت سے رہیں گے اور اس دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کریں گے نا داری کی حالت میں رہیں گے اور عاجزانہ طور پر خدا کی عبادت کرینگے اور دیانت کے ساتھ خیرات حاصل کریں گے اور اُن کو اس حالت سے شرمانے کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ مالک حقیقی نے ہمارے واسطے اپنے آپ کو اس دنیا میں غریب اور نا داری رکھا" تاہم فقیروں کو اگر اُن سے ہو سکے محنت کرنی چاہیئے بشرطیکہ خیراتی اور مذہبی خدمات سے انہیں ایسا کرنے کے لئے وقت ملے۔ اُن کو اس محنت کا معاوضہ خود اپنی یا اپنے بھائیوں کی ضرورت پورا کرنے سے ملے گا لیکن اُن کو کوئی سکّہ یا روپیہ کبھی نہیں دیا جائے گا۔ وہ لوگ جوتی پہن سکتے ہیں جو بغیر اُس کے سفر نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے لباس کو تھیلوں کے ٹکڑوں اور دوسرے پیوندوں سے درست کر سکتے ہیں۔ اُن کو اپنے سردار کی کورانہ اطاعت کرنی چاہیئے۔ انکو شادی کی اجازت نہیں اور نہ وہ اس طبقہ کو ترک کر سکتے ہیں"۔

سینٹ فرانسس کی وفات (۱۲۲۶ء) کے بعد اس طبقہ کے بہت سے لوگ جنکی تعداد اب کئی ہزار ممبران تک پہنچ گئی تھی نہایت ناداری کے سادہ اُصول کو قائم رکھنا چاہتے تھے لیکن بعض ممبران معہ اپنے نئے سردار کے یہ یقین کرتے تھے کہ دولت کے ذریعہ سے بہت کچھ نفع پہنچایا جا سکتا ہے جس کو لوگ انہیں دینے کے لئے تیار تھے۔ انہوں نے یہ بحث اُٹھائی کہ منفرداً فقراء اب بھی بالکل کسی چیز کی ملکیت کے بغیر رہیں گے اگرچہ یہ فرقہ خوبصورت گرجائیں اور آرام دہ خانقاہیں بھی بنا لے۔ اسی بہی میں ایک نہایت شاندار گرجا تعمیر کی گئی تاکہ اُس میں اُن کے خاکسار بانی کی ہڈیاں دفن کر دی جائیں جس نے اپنی زندگی میں ایک سنسان غار اپنی سکونت کے لئے اختیار کیا تھا چنانچہ کلیسا

میں ایک بڑا صندوق نذریں جمع کرنے کے لئے رکھا گیا۔

سینٹ ڈومی نیک | سینٹ ڈومی نیک (۱۱۷۰ء میں پیدا ہوا) جو دوسرے بڑے فقرا کے طبقہ کا بانی تھا اور فرانسس کی طرح ایک سیدھا سادہ غیر پادری نہ تھا۔ وہ پادری تھا اور اُس نے اسپین کی ایک یونیورسٹی میں دس برس تک باقاعدہ دینیات کا درس لیا تھا پھر وہ (۱۲۰۸ء) اپنے اسقف کے ہمراہ جنوبی فرانس میں آیا جبکہ ایلبی جنبینیز کی صلیبی جنگ شروع ہونے والی تھی اور وہ بے دینی کے عام ہونے سے نہایت متاثر ہوا۔ اتفاق سے اُس کا میزبان ٹولوس میں ایلبی جنبینین تھا اور ڈومی نیک نے اُس کو اپنا ہم خیال بنانے میں رات بسر کی۔ تب اُس نے اسی موقع پر مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی زندگی بیدینی کے اخراج کے لئے وقف کر دیگا۔ اُس کا جو کچھ مختصر حال ہم کو معلوم ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مستقل ارادہ کا آدمی تھا اور گہرے مذہبی خیالات رکھتا تھا اور مذہب عیسوی کے جوش و خروش سے سرشار تھا لیکن خوشمزاج اور نرم دل تھا اور اُس کا برتاؤ نہایت ملائم تھا۔

ڈومی نیک فرقہ کا قائم ہونا | ۱۲۱۴ء تک صرف چند ہمدرد اشخاص یورپ کے مختلف حصص سے ڈومی نیک کے شریک حال ہوئے تھے اور انہوں نے اِن نوسینٹ سوم سے التجا کی تھی کہ وہ اُن کے نئے فرقہ کی بھی منظوری دیدے۔ پوپ نے بہت تامل کیا لیکن کہا جاتا ہے کہ اُس نے ایک خواب دیکھا جس میں اُس نے بڑی لاطینی رومن کلیسا کو زوال پذیر دیکھا جو بالکل گرنے کے قریب تھی اگر ڈومی نیک اُسکو اپنے کندھوں سے سہارا نہ دیتا۔ پس اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ نیا فرقہ ایک زمانہ میں ممکن ہے پوپ کی طاقت کا بڑا معین و مددگار ثابت ہو چنانچہ پوپ نے اُس کو اپنی منظوری عطا کر دی۔ ڈومی نیک نے جس قدر جلد ممکن ہو سکا اپنے تابعین کو جو صرف سولہ تھے دنیا کو فرشتہ صفت بنانے کے لئے بھیجا بالکل اسی طرح جس طرح فرانسسکنس (تابعین فرانسس) نے اپنے پہلے سفر اشاعت مذہب کے لئے کئے تھے۔ ۱۲۲۱ء تک ڈومی نیکن فرقہ کامل طور پر مرتب ہو گیا اور اُس کی ساٹھ خانقاہیں مغربی یورپ میں مختلف مقامات پر موجود تھیں۔ یورپ بھر میں پیدل سفر کرتے ہوئے، سخت گرمی یا جاڑے میں، روپیہ کی خیرات سے انکار کرتے ہوئے لیکن معمولی غذا شکریہ کے ساتھ

قبول کرتے ہوئے جو مسافر کے سامنے رکھدی جائے، صبر و تحمل کے ساتھ بھوک برداشت کرتے ہوئے فردا کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے، لیکن روحوں کو شیطان سے چھڑانے کے کام میں ہمیشہ مصروف اور روزانہ زندگی کے ذلیل و پست تفکرات سے آدمیوں کو بلند کرتے ہوئے، اُن کی کمزوریوں کا مداوا کرتے ہوئے اور اُن کے سیاہ قلوب کو "آسمانی نور سے منور کرتے ہوئے" (لی صاحب)۔ اِس طریقہ سے ابتدائی فرانسسکنس اور ڈومی نیکنس نے لوگوں کی محبت اور احترام کو حاصل کیا۔

پُرانے طبقوں اور فقراء میں موازنہ

بینی ڈکٹن راہبوں کے برعکس ہر ایک فقیر نہ صرف اپنی خاص خانقاہ کے سردار کے زیر فرماں تھا بلکہ تمام طبقہ کے سردار کے بھی ماتحت تھا۔ وہ ایک فوجی سپاہی کی طرح ہر کام پر جیسی ضرورت ہو اپنے کمانڈر کے حکم سے بھیجا جاسکتا تھا۔ فقراء واقعی اپنے آپ کو "حضرت مسیحؑ کے سپاہی" سمجھتے تھے۔ دنیا سے علیحدہ ہو کر عرفان کی زندگی بسر کرنے کی بجائے جیسا کہ ابتدائی راہب کرتے تھے اُن کو عادی کیا گیا تھا اور اُن سے یہ توقع کیجاتی تھی کہ وہ انسانوں کے تمام طبقوں سے میل جول رکھیں۔ اُن کو نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے برادران نوع کو قعر دوزخ سے بچانے کے لئے سب کچھ قربان کرنے اور ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔

ڈومی نیکنس اور فرانسسکنس میں موازنہ

ڈومی نیکنس وعظ کرنے والے فقراء کہلاتے تھے اور اُن کو دینیات کی عمدہ تعلیم دیجاتی تھی تاکہ بے دینوں کے دلائل کو عمدہ طور پر رد کرسکیں۔ پاپ نے انکو اِن کیوزیشن کا خاص کام سپرد کر دیا تھا۔ انہوں نے ابتدا میں اپنا اثر یونیورسٹیوں پر قائم کرنا شروع کر دیا تھا اور دو نہایت ممتاز فاضل دینیات اور تیرہویں صدی کے عالم البرٹس مگنس اور تھامس ایکی ناس ڈومی نیکنس تھے۔ برعکس اِس کے فرانسسکنس میں ہمیشہ ایک معتدبہ فریق ایسا تھا جو علمیت کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا اور جو ڈومی نیکنس کی نسبت بالکل نادار رہنے کا زیادہ متمنی رہتا تھا۔ لیکن بحیثیت مجموعی فرانسسکنس نے ڈومی نیکنس کی طرح دولت کو قبول کر لیا جو انہیں ملی اور انہوں نے بھی یونیورسٹیوں میں ممتاز اہل علم بھیجے۔

نئے طبقوں کی اہمیت اور اُنکا اثر

اِن نئے طبقوں کی اہمیت کو پوپ نے فوراً تسلیم کر لیا۔ اُس نے

اُن کو متواتر حقوق مرحمت کئے جس سے وہ اُسقفوں کے تمام قبضہ و اقتدار سے باہر ہو گئے اور بالآخر یہ اعلان کر دیا کہ وہ صرف اپنے قوانین کے پابند ہیں گے۔ ایک بات اس سے بھی زیادہ اہم تھی وہ یہ کہ اُن کو یہ حق بھی دیدیا گیا کہ وہ اگر پادری ہوں تو کھانے کی مقدس رسم کو ہر جگہ منا سکتے ہیں اور چھوٹے پادریوں کی معمولی خدمات کو بجا لا سکتے ہیں اور وعظ کر سکتے ہیں مثلاً اُن کو اختیار ہے کہ وہ اقرار گناہ سنیں، گناہگاروں کو گناہ سے معافی دیں اور مُردوں کو دفن کریں۔ فقراء ہر گرجا میں جاتے تھے اور بہت سے چھوٹے پادریوں کی بجائے وہ خود کام کرتے تھے۔ غیر پادری اُن کو دنیاوی پادریوں سے زیادہ مقدس سمجھتے تھے اور اس لئے انکی نمازوں اور دعاؤں کو زیادہ بابرکت سمجھتے تھے۔ مشکل سے چند شہر ہوں گے جو بغیر بھورے فقراء (یعنی تابعین فرانسس) یا سیاہ فقراء (یعنی تابعین ڈومی نیک) کے گھر دن کیے ہوں۔ تقریباً تمام شہزادے ایک ڈومی نیکن یا فرانسسکن پادری رکھتے تھے جن کے سامنے وہ اقرار گناہ کرتے تھے۔

دنیاوی پادریوں کی مخالفت | یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ دنیاوی پادریوں نے اس مداخلت سے بہت بُرا مانا۔ انہوں نے بار بار پوپ سے درخواست کی کہ وہ ان طبقوں کو موقوف کر دے یا کم از کم اُن کو روک دے کہ وہ چھوٹے پادریوں کے صرفہ پر اپنے آپ کو مشغول نہ بنائیں لیکن اُن کو کوئی قابلِ اطمینان جواب نہ ملا۔ ایک مرتبہ پوپ نے نہایت آزادی سے کارڈنل پادریوں، اُسقفوں اور چھوٹے پادریوں کے ایک بڑے وفد سے کہا کہ یہ خاص انکی بیکار اور دنیاوی زندگی ہے جس نے اپنے برادران "فقراء" سے نفرت کرنے پر آمادہ کیا۔ وہ وصیتوں کو جو اُنہیں مرنے والوں سے حاصل ہوتی ہیں خدا کی عظمت کے لئے صرف کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ عیش و عشرت میں اُنہیں ضائع کریں۔

ان طبقاتِ فقراء میں نہایت ممتاز اور قابل اشخاص بھی شریک ہو گئے تھے۔ ان میں عالم مثل تھامس اکی ناس کے تھے، مصلح مثل سیوونرولا کے تھے، صناع مثل فرا اینجلیکو اور فرا بارٹولومیو کے تھے اور سائینس داں مثل راجر بیکن کے تھے۔ تیرہویں صدی کی مشغول دنیا میں فقراء سے زیادہ کوئی اور فرقہ بھلائی کرنے کے لئے چست و چالاک نہ تھا لیکن اُن کی خانہ بدوش زندگیاں

جو کلیسا کے معمولی قبضہ و اقتدار سے آزاد تھیں اور وہ دولت جو اُن پر برستی تھی بہت سی ترغیبات دلاتی تھیں جن کا وہ زیادہ عرصہ تک مقابلہ نہ کر سکے ۔ بوناوین ٹیورا جو ۱۲۵۷ء میں فرانسسکن طبقہ کا سردار بنایا گیا تھا تسلیم کرتا ہے کہ عام نفرت، حرص، کاہلی اور اُس کے مخرب اخلاق ممبروں کی بدکاری سے پیدا ہو گئی تھی اور نیز اُن کے بہ جبر دست سوال نے جس نے مسافر کے لئے ایک فقیر کو لٹیرے سے زیادہ تکلیف دہ بنا دیا تھا اُن کو نفرت انگیز کر دیا تھا ۔ تاہم فقرا کو معمولی پادریوں پر امیر و غریب سب یکساں طور پر ترجیح دیتے تھے ۔ درحقیقت انہیں کی بدولت نہ کہ دنیاوی پادریوں کی وجہ سے شہر اور دیہات میں دونوں جگہ مذہبی زندگی قائم رہی اور اُس کو ترقی ہوئی ۔

باب ہژدہم

دیہاتی اور شہری زندگی

قرونِ وسطیٰ کے آدمیوں کی زندگی کا حال بہت کم معلوم ہے

نئے علم الاقتصاد کی ترقی کے وقت سے، قرونِ وسطیٰ کے کاشتکار، تاجر اور صناع کی حالت اور عادات و خصائل معلوم کرنے میں مورخ بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے خواہ کتنی ہی تلاش و جستجو کیوں نہ کی جائے ہم کو پانچویں یا چھٹی صدیوں کے لوگوں کا حال جو وحشیوں کے حملوں کے بعد گزریں صحیح صحیح اور مکمل طور پر معلوم نہیں ہوسکتا۔ قرونِ وسطیٰ کے کسی مورخ کے دل میں یہ بات کبھی نہ گزری کہ وہ اپنے گرد و پیش کی اشیاء کا حال تحریر کرے مثلاً کس طریقہ سے کاشتکار رہتے تھے اور کس طرح وہ آراضی کو جوتتے اور بوتے تھے۔ صرف بڑے بڑے اشخاص اور متحیر کردینے والے واقعات نے اُس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کیا۔ تاہم قرونِ وسطیٰ کی دیہاتی ریاستوں اور شہروں کا اس قدر حال معلوم ہے کہ عام تاریخ کے طالب علم کے واسطے اُن کو اہم مضمون بنانے کے لئے کافی ہے۔

ابتدائی عہد وسطیٰ کی شہری زندگی کی غیر اہمیت

بارہویں صدی سے قبل مغربی یورپ میں شہری زندگی کچھ نہ تھی۔ رومیوں کے شہروں کی آبادی جرمن حملوں سے پیشتر کم ہوتی جا رہی تھی اُس بدامنی نے جو حملوں کے بعد پھیلی اُن کے فوری زوال میں مدد دی اور وہ کثیر تعداد میں بالکل معدوم ہوگئے۔ شہر جو باقی رہے اور ایسے نئے شہر جو آباد ہوئے مورخوں کے نزدیک عہد وسطیٰ میں کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ پس ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ تھیوڈرک سے لیکر فریڈرک باربروسا (سُرخ ریش) تک انگلستان، جرمنی اور شمالی و وسطی فرانس کا کثیر التعداد حصۂ آبادی گاؤں میں رہتا تھا یعنی اُن بڑی

بڑی ریاستوں میں جو فیوڈل رؤسا، ایبٹ اور اسقفوں[1] کے قبضہ میں تھیں۔

ریاست یا بڑا گاؤں | یہ عہد وسطیٰ کی ریاستیں وِل یا مینر کہلاتی تھیں اور رومی قریوں سے جن کا ذکر ایک پہلے باب میں کیا جاچکا ہے بہت زیادہ مشابہ تھیں۔ ریاست کا ایک جزو رئیس اپنے استعمال کے لئے خاص کرلیتا تھا اور باقی حصّہ کاشتکاروں میں تقسیم کردیا جاتا تھا اور وہ عام طور پر بڑی بڑی قطعات ہوتے تھے جنمیں سے ہر کاشتکار کئی ایک پر جو قریہ کے ادہر اُدہر ہوتے تھے قابض ہوتا تھا۔ کاشتکار عام طور پر سرف کہلاتے تھے جو کھیتوں کے مالک نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اراضی سے اُس وقت تک محروم نہیں کئے جاسکتے تھے جب تک کہ وہ اپنے رئیس کا کام کرتے رہیں اور کچھ واجبات اُس کو ادا کرتے رہیں۔ وہ اراضی سے متعلق ہوتے تھے اور جب جائداد منتقل ہوجاتی تھی تو وہ بھی اُسی کے ساتھ چلے جاتے تھے۔ یہ سرف اُن کھیتوں کو بھی جو اُن کا آقا اپنے لئے محفوظ کرلیتا تھا جوتتے اور بوتے تھے اور اُن کی پیداوار کو اُس کے لئے جمع کرتے تھے۔ وہ اپنے آقا کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کرسکتے تھے۔ اُنکے بیوی اور بچے ایسے کام انجام دیتے تھے جنکی دارالریاست میں ضرورت ہوتی تھی۔ زنانخانوں میں سرف کی لڑکیاں کاتنے، بننے، سینے، پکانے اور شراب بنانے میں مصروف رہتی تھیں اور اس طرح کپڑے، خوراک اور شراب تمام فرقہ کے استعمال کے لئے تیار ہوجاتی تھی۔

سرف کی ذمہ داریاں | ریاستوں کے قدیم حالات سے جن میں اس امر کی پوری کیفیت مندرج ہے کہ کسی فرقہ کے ہر فرد پر اُس کے آقا کی کیا کیا خدمات واجب تھیں ہم کو نہایت واضح طور پر سرف کی حالت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ پٹیر بارو کا ایبٹ ایک ریاست کا مالک تھا جس پر ہیو ملر اور دیگر سترہ سرف جو نام بنام درج ہیں تمام سال ہر ہفتہ میں تین روز اُس کا کام کرتے تھے لیکن بڑے دن کا ہفتہ، ایسٹر کا ہفتہ اور وہٹ سن ٹائڈ کا ہفتہ معاف تھا۔ ہر سرف اپنے آقا ایبٹ کو ایک بُشل

---

[1] اٹلی اور جنوبی فرانس میں شہری زندگی بلاشبہ زیادہ عام تھی۔ مؤلف۔

گیہوں اور اٹھارہ بوری جو، تین مرغیاں اور ایک مرغ ہر سال دیتا تھا اور ایسٹر کے موقع پر پانچ بیضے اُس کے حوالے کرتا تھا۔ اگر وہ اپنا گھوڑا دس شلنگ (معہ) سے زائد کو فروخت کرتا تھا تو وہ چار پنس (۴) ایبٹ مذکور الصدر کو دیتا تھا۔ دیگر پانچ سرف جن کا نام بیان کیا گیا ہے اُس سے نصف اراضی پر قابض تھے جبقدر کہ اراضی ہیو اور اُس کے دیگر رفقا کے پاس تھی اور وہ تمام صورتوں میں اُن سے نصف خدمت اور نصف ادائگی کرتے تھے۔

بعض اوقات کسی ریاست میں بہت کم ایسے آدمی ہوتے تھے جو کاشتکاروں کی بڑی جماعت سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ ریاست اور گرجا کے حدود بعض اوقات ایک دوسرے پر منطبق ہوجاتے تھے ایسی صورت میں ایک پادری ہوتا تھا جو منتشر طور پر چند ایکڑ زمین رکھتا تھا اور اُس کی حیثیت قدرتاً اُس کے گرد وپیش کے لوگوں سے برتر وفائق ہوتی تھی۔ اُس کے بعد آٹا پیسنے والا جو میدہ پیستا تھا اور ایک معقول رقم رئیس کو ادا کرتا تھا عام طور پر اپنے ہمسایوں سے بہتر ہوتا تھا اور یہی حال لوہار کا بھی تھا۔

ریاست بیرونی دنیا سے آزاد ہوتی تھی	ریاست کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بقیہ دنیا کی محتاج نہ تھی۔ جو کچھ اُس کے افراد کو ضرورت ہوتی تھی وہ خود تمام ضروری اشیا پیدا

کرتی تھی اور اُن لوگوں سے مراسلت کئے بغیر جو اُس کی سرحدوں پر رہتے تھے ایک لامحدود زمانہ تک قائم رہ سکتی تھی۔ روپیہ کے بغیر سب کاروبار چلتے تھے۔ کیونکہ کاشتکاران اپنے رئیس کو کھیتوں کی پیداوار اور محنت کے ذریعہ سے جو کچھ اُس کا واجب ہوتا تھا ادا کر دیتے تھے۔ نیز وہ ایک دوسرے کی ضروری امداد کر دیتے تھے اور اُن کو کسی شے کی خرید وفروخت کا موقع ہی نہ پڑتا تھا۔

کاشتکاروں کی زندگی کی بدمزہ یکسانیت اور مصیبت	کسی شخص کے لئے اپنی حالت بہتر کرنے کا قریب قریب کوئی موقع نہ تھا اور دیہات کے ایک حصۂ اعظم میں زندگی ایک اکتا دینے والے قاعدہ

پر نسلاً بعد نسل جاری تھی۔ زندگی نہ صرف بے لطف یکسانی پر مبنی تھی بلکہ یہ ایک قسم کی مصیبت بھی تھی۔ خوراک بہت معمولی اور خراب تھی اور مختلف اقسام کی غذائیں نہیں ہوتی تھیں کیونکہ کاشتکار یہ تکلیف نہیں گوارا کرتے تھے کہ وہ نئی نئی ترکاریاں بوئیں۔ مکانات میں عموماً صرف ایک کمرہ ہوتا تھا،

جس میں صرف ایک چھوٹی کھڑکی ہوتی تھی اور اُس سے کافی روشنی نہیں آتی تھی اور کوئی انگیٹھی بھی نہیں ہوتی تھی۔

تاہم ایک دوسرے کی مدد کے انحصار نے ایک برادرانہ برتاؤ اور باہمی امداد کی روح ہر گروہ میں پیدا کر دی تھی۔ یہ بیرونی دنیا سے نہ صرف علیحدہ فرقہ تھا بلکہ اُس کے افراد ہمیشہ اپنے ملے جُلے کھیتوں کی وجہ سے، ایک گرجا میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اور ایک آقا کے محکوم ہونے کی وجہ سے متحد رہتے تھے۔ تمام آدمیوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ کچہری میں حاضر ہوں

عدالت الریاست

جو ہر ریاست میں ہوتی تھی جہاں کہ ریاست کا کام آقا کے نمائندہ کی نگرانی میں انجام دیا جاتا تھا۔ مثلاً یہاں جھگڑے طے کئے جاتے تھے، ریاست کے رواجات کے توڑنے کی سزا میں جرمانے کئے جاتے تھے اور قطعاتِ اراضی کو دوبارہ تقسیم کرنے کا کام عمل میں آتا تھا۔

سرف ایک گھٹیا کاشتکار تھا جو اپنی زندگی اُس وقت تک قائم رکھ سکتا تھا جب تک کہ اراضی بکثرت ہو

سرف معمولی طور پر ایک گھٹیا کاشتکار اور ادنیٰ درجہ کا کاریگر تھا۔ وہ زمین کو بہت خراب طریقہ سے کاشت کرتا تھا اور نتیجتاً اُسکی پیداوار بھی گھٹیا اور کم ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے کاشتکار اُسی وقت تک رہ سکتے تھے جب تک کہ اراضی بکثرت دستیاب ہوتی رہے لیکن بارھویں اور تیرھویں صدی میں مغربی یورپ میں مستقل طور پر آبادی میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ پس سرف کاشتکاروں کا وجود بھی قدرتی طور پر معدوم ہونے لگا۔ کیونکہ آبادی میں اس قدر اضافہ ہونا شروع ہوا کہ جن کھیتوں کو بے پروائی سے کاشت کیا جاتا تھا وہ روز افزوں آبادی کی خوراک کو مہیا نہیں کر سکتے تھے۔

مبادلۂ اشیاء کی جگہ لین دین نے لے لی

بارھویں اور تیرھویں صدیوں میں روپیہ کے بکثرت استعمال نے جو تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ آیا ریاست کے معاملات کو درہم و برہم کر دیا۔ مبادلۂ اشیاء کا پرانا طریقہ جو روپیہ کی مدد کے بغیر جاری تھا معدوم ہونے لگا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نہ آقا اور نہ سرف قدیم ابتدائی انتظام سے مطمئن رہے جس نے تمارلین کے زمانہ میں اُس وقت کی ضروریات کو باحسن وجوہ پورا کیا تھا۔ ایک طرف تو سرف نے قرب و جوار کے شہروں کی منڈیوں

میں پیداوار کو فروخت کر کے روپیہ حاصل کرنا شروع کیا، انہوں نے اس کو زیادہ نفع کی چیز سمجھا کہ وہ کچھ روپیہ بجائے اس کے کہ اپنے آقا کے لئے کچھ دنوں کام کریں ادا کر دیا کریں کیونکہ اس صورت میں وہ اپنی تمام توجہ اپنے کھیتوں کی طرف مبذول کر سکتے تھے۔ دوسری طرف مالکانِ اراضی نے اس میں اپنا نفع سمجھا کہ وہ اپنے کاشتکاروں کی خدمات کے بجائے روپیہ وصول کر لیا کریں۔ اس روپیہ سے زمیندار اپنے کھیتوں کی کاشت کے لئے مزدوروں کو اُجرت پر رکھ سکتا تھا اور اُن عیش و عشرت کے سامان کو جو تجارت کی افزونی سے اُس کی نظر کے سامنے آتے تھے خرید سکتا تھا۔ پس یہ اس طرح واقع ہوا کہ آقاؤں نے رفتہ رفتہ اپنے کاشتکاروں پر اپنا قبضہ و اقتدار کم کرنا شروع کیا اور اب سرف آزاد آدمی سے جو اپنی اراضی کے لئے باقاعدہ لگان ادا کرتا تھا[1] کل سے ممیز ہو سکتا تھا۔ ایک سرف کسی شہر کو فرار ہو کر اپنی آزادی حاصل کر سکتا تھا۔ اگر وہ ایک سال اور ایک دن تک چھپا رہتا تھا یا اُس کا آقا اُس کا تعاقب نہ کرتا تھا تو وہ آزاد آدمی ہو جاتا تھا۔

سرف کا معدوم ہونا | مغربی یورپ میں سرف کا آہستہ آہستہ معدوم ہونا بارہویں صدی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ تیرہویں صدی کے اختتام کے قریب فرانس میں ایک بہت عام آزادی ہو گئی تھی (اور انگلستان میں اس کے کچھ عرصہ بعد) اگرچہ اُس وقت تک بھی فرانس میں کچھ سرف موجود تھے جب ۱۷۸۹ء میں انقلابِ عظیم برپا ہوا۔ اس بارہ میں جرمنی اور بھی بھسنڈی ملک تھا۔ ہم کاشتکاروں کو اپنی بدنصیب حالت کے خلاف لوتھر کے زمانہ میں بغاوت کرتے ہوئے پاتے ہیں اور انیسویں صدی کے آغاز تک پروشیا میں سرف آزاد نہیں کئے گئے تھے۔

شہری زندگی کی اہمیت | اس کہنے کی حاجت نہیں ہے کہ مغربی یورپ میں بتدریج شہری زندگی کا دوبارہ جنم لینا تاریخ کے طالب علم کے لئے نہایت دلچسپ ہے۔ یہ شہر یونانی اور رومی تہذیب کے مرکز بن گئے تھے اور خاص ہمارے زمانہ میں بھی یہ دنیا کے تجارتی اغراض، شائستگی اور زندگی پر قابو

---

[1] وہ طریقہ جس سے انگلستان میں سرف معدوم ہو گئے بعد ازاں بیان کیا جائے گا۔ مؤلف

یافتہ ہیں۔ اگر یہ معدوم ہوجاتے تو ہماری تمام زندگی یہاں تک کہ دیہات میں بھی لازمی طور پر ایک گہری تبدیلی اختیار کرتی اور پھر از سر نو ابتدائی زندگی ہوجاتی جیسی کہ شارلمین کے زمانہ میں ہوگئی تھی۔

عہدِ وسطیٰ کے شہروں کی اصلیت

عہدِ وسطیٰ کے شہروں کا بڑا حصہ جن کے حالات کی واقفیت ۱۰۰۰ء سے ہمیں کسی قدر حاصل ہونی شروع ہوجاتی ہے فیوڈل آقاؤں کی ریاستوں میں پیدا ہوا یا کسی خانقاہ یا کسی قلعہ کے ارد گرد آباد ہونا شروع ہوا۔ شہر کے لئے فرانسیسی نام وِلی، وِل سے لیا گیا ہے جو ریاست کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ غالبًا عام وجہ حفاظت کی ضرورت تھی جو کسی شہر کے قیام کا مع اس کی فصیل کے باعث ہوئی تاکہ قرب و جوار کی دیہاتی لوگ اس میں حملہ کے وقت محفوظ رہ سکیں۔ وہ طریقہ جس سے عہدِ وسطیٰ کا شہر تعمیر کیا جاتا تھا

عہدِ وسطیٰ کے شہر کا گنجان ہونا

اس نتیجہ کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اپنے زیادہ آرام دہ رومی پیشروؤں کے مقابلہ میں یہ عام طور پر گنجان اور بلا جلا ہوتا تھا۔ منڈی کے علاوہ کشادہ مقامات کم ہوتے تھے۔ نہ ایمفی تھیٹر (ایک بیضوی یا گول عمارت جس کے سامنے کشادہ میدان ہو) اور نہ حمام ہوتے تھے جیسا کہ رومی شہروں میں رواج تھا۔ سڑکیں اکثر صرف گلیاں ہوتی تھیں جن پر اونچے مکانات کی باہر کو نکلتی ہوئی منزلیں قریب قریب ملجاتی تھیں۔ بلند اور چوڑی فصیل جو اس کے گرد ہوتی تھی اس کی توسیع میں جو باسانی اور بہ زود ہوجاتی رخنہ انداز تھی جیسی کہ آجکل ہمارے شہروں میں ہوتی رہتی ہے۔

شہری دراصل صرف تھے

ظاہر ہے کہ گیارہویں اور بارہویں صدیوں میں اٹلی سے باہر تمام شہر چھوٹے تھے اور ریاستوں کی طرح جن کی جگہ وہ آباد ہوگئے تھے وہ بھی بیرونی دنیا سے بہت کم اسوقت تجارت کرتے تھے۔ وہ تقریبًا تمام ضروری اشیاء کو جن کی ضرورت اُن کے باشندگان کو ہوتی تھی مہیا کرتے تھے۔ صرف اراضی کی پیداوار قرب و جوار کے دیہات سے آتی تھی۔ ان میں کوئی توسیع اسوقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ یہ شہر

کسی ایک رئیس یا خانقاہ کے قابو میں کلی طور پر رہے جنکی اراضی پر یہ آباد ہو گئے تھے۔ شہر کے لوگ مشکل سے سرف سے بہتر تھے بجز اس کے کہ وہ ایک فصیل کے اندر رہتے تھے اور بجائے کاشت کے صنعت و حرفت میں مشغول تھے۔ وہ اپنے رؤسا کو سخت سے سخت واجبات ادا کرتے تھے گویا کہ وہ اب تک کاشتکاری کے فرقہ سے متعلق تھے۔ شہری زندگی کی آزادانہ ترقی کے لئے شہری لوگوں کی اُن کے رؤسا سے آزادی اور اُن کے شہر کے لئے مناسب حکومت ابتدائی ضروریات میں سے تھیں۔

شہروں کی ترقی تجارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔

تجارت کی زیادتی کے ساتھ اس آزادی کی خواہش پیدا ہوئی، کیونکہ جب نئی اور دلفریب اشیاء مشرق اور جنوب سے آنے لگیں تو مال پیدا کرنے کے لئے شہریوں کی حوصلہ افزائی کیجانے لگی تاکہ اُس سے کسی قرب و جوار کے میلہ میں دور دراز ممالک کی ساختہ اشیاء سے تبادلہ کیا جاسکے لیکن جب شہریوں کو مال تیار کرنے میں انہماک ہوا اور بیرونی دنیا سے اُن کو واسطہ پڑا تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ اپنی نصف غلامانہ حالت کی وجہ سے ترقی نہیں کرسکتے جبکہ اُن سے بہت سی اشیاء بجبر لیجاتی ہیں اور جبکہ بہت سی رکاوٹیں اُن کے رستہ میں حائل کیجاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بارہویں صدی میں شہروں نے بہت سی بغاوتیں اپنے آقاؤں کے خلاف کیں اور یہ عام مطالبہ کیا کہ رؤسا شہریوں کو اسناد عطا کریں جنمیں دونوں فریق کے حقوق واضح طور پر تحریر کئے جائیں۔

کمیونس

فرانس میں شہریوں نے ایک جماعت بنائی جسکو کمیونس کہتے ہیں۔ یہ وہ اتحادات تھے جو اپنی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے پیدا ہو گئے تھے۔ رؤسا کو یہ لفظ کمیون ایک نیا اور نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُن کے نزدیک سرف کی جماعت کے لئے یہ صرف دوسرا نام تھا جو اپنے مالکوں کے خلاف مجتمع ہو گئے تھے۔ امرا نے بعض اوقات اپنے شہریوں کی بغاوتوں کو بڑی بے رحمی سے فرو کیا۔ برعکس اس کے اکثر رؤسا نے یہ محسوس کیا کہ وہ اپنے شہروں کی مرفہ الحالی میں اُن کو حسب دلخواہ ٹیکس سے آزادی عطا کرنے اور اُنکو

خود اختیاری حکومت کا حق دیدینے سے ترقی کا باعث ہوں گے۔ انگلستان میں شہروں نے اپنے حقوق بتدریج اپنے آقاؤں سے خرید لئے تھے۔

شہری اسناد — شہر کی اسناد تحریری معاہدے تھے جو رئیس اور کسی شہر کی تجارتی کمپنیوں میں باہم ہو جاتے تھے۔ اس سند میں شہر کی پیدائش اور اس کی ساخت کا ثبوت مل سکتا تھا۔ رئیس یا بادشاہ کی طرف سے یہ عہد اس میں درج ہوتا تھا کہ وہ سوداگروں کی کمپنیوں کے اتحادات کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے رئیس کے ان حقوق کو جو شہریوں کو اپنے دربار میں طلب کرنے اور انپر جرمانہ کرنے کے متعلق تھے محدود کر دیا اور ان ٹیکسوں کی وضاحت کر دی جنکو وہ شہریوں سے وصول کر سکتا تھا۔ قدیم واجبات اور خدمات یا تو موقوف کر دی گئیں یا انکا روپیہ سے تبادلہ کر دیا گیا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم نے ولنگ فورڈ کے باشندوں سے وعدہ کیا کہ "بحیثیت سوداگراں جہاں کہیں وہ میری تمام سلطنت انگلستان، نارمنڈی، اکیٹین، آنژو میں براہ خشکی یا تری جائیں گے وہ ٹیکس اور راہداری کی فیس سے آزاد ہوں گے اور ان سے یہ چنگی لیجائے گی اور نہ انپر کسی قسم کا تشدد یا جبر کیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس پر دس پونڈ جرمانہ ہوگا۔" شہر ساؤتھمپٹن کے معاملہ میں اس نے یہ آزادی دی کہ "میری رعایا سے ہیمپٹن اپنے اتحاد کو قائم اور برقرار رکھے گی اور تمام اپنی آزادیاں اور رسوم جاری رکھے گی خشکی اور تری کی راہ سے وہ باطمینان تمام آزادی اور عزت و مساوات کے ساتھ سفر کریں گے جسطرح کہ ان کو یہ حقوق میرے دادا شاہ ہنری کے زمانہ میں حاصل تھے وہی اب بھی برقرار رہیں گے اور کسی شخص کو انہیں نقصان پہنچانے یا ان کی توہین کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

اسناد میں رسوم کا ذکر — اس زمانہ کے رسوم جیسا کہ اسناد سے ظاہر ہوتا ہے ہم کو بہت ابتدائی معلوم ہوتے ہیں سینٹ عمر کے فرانسیسی شہر کی سند میں ۱۱۶۸ء میں اس قسم کے شرائط درج تھے۔ "وہ شخص جو شہر میں قتل کرے گا اس کی فصیل کے اندر کوئی جائے پناہ نہ پائے گا اگر

وہ شہر سے فرار ہونے کے باعث بچ جائے گا اُس کی عمارات منہدم کر دی جائیں گی اور اُس کا مال ضبط کر لیا جائے گا۔ وہ شہر میں پھر واپس نہیں آسکتا تا وقتیکہ وہ پہلے اپنے مقتول کے اعزا سے صلح نہ کر لے اور دس پونڈ جرمانہ ادا نہ کر دے جس میں سے نصف رئیس کے قائم مقاموں کو دیا جائے گا اور نصف کمیون کو دیا جائے گا تا کہ شہر کے حفاظتی سامان پر صرف کیا جائے۔ جو کوئی کسی شخص کو شہر میں مارپیٹ کرے گا وہ یک صد لحم الخنزیر کے ٹکڑے دیگا اور جو کوئی کسی شخص کے بال اُکھاڑ دیگا وہ چالیس لحم الخنزیر کے ٹکڑے دیگا"۔

اکثر شہروں میں اُن کی آزادی کی صریح علامت کے طور پر ایک گھنٹہ گھر ہوتا تھا جو ایک بلند عمارت ہوتی تھی اور اسمیں گھڑی کا گنبد ہوتا تھا جہاں ایک محافظ رات دن رہتا تھا تاکہ کسی آنے والے خطرہ کے وقت گھنٹہ بجا دیا کریں اس میں ایک بڑا کمرہ آدمیوں کے جمع ہونے کے لئے ہوتا تھا جہاں کہ کمیون اپنا اجلاس کرتی تھی اور ایک قید خانہ بھی ہوتا تھا چودھویں صدی میں عجیب و غریب ٹاؤن ہال (دار البلدہ) تعمیر ہونے لگے جو کیتھیڈرل (بڑی گرجا) اور دیگر گرجاؤں کو مستثنیٰ کر کے عام طور پر نہایت قابل تعریف عمارات ہیں جنکو ایک سیاح یورپ کے پُرانے تجارتی شہروں میں آجکل بھی دیکھ سکتا ہے۔

صناعی کی اتحادی جماعت۔ قرون وسطیٰ کے شہروں میں تجارت پیشہ لوگ صنّاع اور سوداگر دونوں وہ خود ہی ہوتے تھے۔ وہ نہ صرف اشیا بناتے تھے بلکہ اُن کو اپنی دکانوں میں فروخت بھی کرتے تھے۔ سوداگروں کی اصلی اتحادی جماعت کے علاوہ جس نے شہروں کو اپنے حقوق حاصل کرنے اور انکو برقرار رکھنے میں مدد دی۔ تاجروں کی بہت سی حفاظتی جماعتیں قائم ہوگئیں جنکو وہ صناعی کی اتحادی جماعت کہتے تھے۔ پیرس کی ایک اتحادی جماعت کے نہایت قدیم قوانین چراغ سازوں کے موجود ہیں جو ۱۰۶۱ء میں وضع کئے گئے تھے اقسام تجارت کی تعداد مختلف شہروں میں مختلف ہوتی تھی لیکن انکی اتحادی جماعت کا ایک ہی مقصد ہوتا تھا یعنی جو شخص اُس اتحادی جماعت میں داخل نہیں ہوتا تھا وہ ہر قسم کی تجارت سے

ممنوع ہوتا تھا۔

اتحادی جماعت کا طریقہ اپنا پیشہ سیکھنے کے لئے ایک نوجوان کو چند سال صرف کرنے پڑتے تھے۔ وہ اپنے استاد کاریگر کے مکان پر رہتا تھا لیکن اُس کو کچھ معاوضہ نہیں جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ "کرایہ کا کاریگر" ہو جاتا تھا اور مزدوری کما سکتا تھا اگرچہ وہ اب بھی صرف اپنے استاد ہی کے لئے کام کر سکتا تھا اور بلا واسطہ پبلک کا کام نہیں کر سکتا تھا۔ ایک سیدھا سادھا پیشہ تین برس میں حاصل ہو سکتا تھا لیکن سُنار بننے کے لئے اُس کو دس برس تک کام سیکھنا پڑتا تھا۔ ایک استاد کاریگر کے پاس امیدواران کی ایک محدود تعداد رہتی تھی تاکہ "کرایہ کے کاریگروں" کی تعداد ضرورت سے زائد نہ ہو جائے۔ وہ طریقہ جس سے ہر پیشہ اختیار کیا جا سکتا تھا بڑے غور کے ساتھ باقاعدہ مرتب کیا گیا تھا اور کام کے روزانہ اوقات بھی مقرر کر دئے گئے تھے۔ اتحادی جماعت کے طریقہ سے اتفاقی ترقی کا دروازہ بند ہو گیا لیکن ہر جگہ یکساں قابلیت قائم رہی۔ اگر یہ اتحادی جماعتیں قائم نہ ہوتیں تو غیر محفوظ و منفرد کاریگران کے لئے چونکہ وہ پہلے سرف رہ چکے تھے آزادی اور میونسپل خود مختاری فیوڈل رؤسا سے (جو بیشتر اُن کے آقا رہ چکے تھے) حاصل کرنا ناممکن تھا۔

ابتدائی عہد وسطیٰ میں تجارت عملی طور پر معدوم تھی۔ شہروں کی پیدائش اور اُن کی روز افزوں مرفہ الحالی کی خاص وجہ تجارت کی بڑی ترقی تھی جو تمام مغربی یورپ میں ہو گئی تھی۔ رومی سڑکوں کے خراب ہو جانے سے اور عام بدامنی اور ابتری سے جو وحشیوں کے حملوں سے پیدا ہو گئی تھیں تجارت بھی قریب قریب معدوم ہو گئی تھی۔ عہد وسطیٰ میں قدیم رومی سڑکوں کی مرمت کے لئے کسی کو توجہ نہ ہوئی۔ ایران سے برطانیہ تک جو شاہراہوں کا بڑا جال پھیلا ہوا تھا معدوم ہو گیا جبکہ خود مختار امرا یا غریب مقامی فرقوں نے ایک عظیم الشان طاقت کی جگہ لے لی۔ تمام تجارت بند ہو گئی کیونکہ شمالی رومن فرقے جو عیش و عشرت کی اشیاء جنوب سے حاصل کرتے تھے اب اُن کی کچھ مانگ نہ رہی

قریب قریب روپیہ بالکل نہ تھا اور مشکل سے عیش و عشرت کا خیال ذہن میں آتا تھا کیونکہ امراء اپنے بکھرے تنہا اور خراب طریقے سے سجے ہوئے قلعوں میں زیادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

اٹلی کے شہر مشرق سے تجارت کرتے ہیں

لیکن اٹلی میں تجارت بالکل بند نہیں ہوئی تھی۔ وینس جینوا امالفی اور دیگر شہروں نے بحیرۂ روم کی تجارت کو صلیبی لڑائیوں سے پیشتر بھی خوب ترقی دی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اُن کے سوداگروں نے بعد کے صلیبی جنگجویوں کو یروشلم کی فتح کے سامان ضروری سے مسلح کر دیا تھا۔ مقدس مقامات کی زیارتوں کے شوق نے اٹلی کے سوداگروں کو یہ بھی ترغیبات دیں کہ وہ مشرق کی طرف سیاحت و تجارت کریں جہاں کہ وہ زائرین کو لے جاتے تھے اور وہاں سے مشرق کی پیداوار اور مصنوعات لاتے تھے۔ اٹلی کے شہروں نے مشرق میں تجارتی مقامات قائم کر لیئے اور کاروانوں سے بلا واسطہ تجارت کرنے لگے جو بحیرۂ روم کے کناروں پر عرب، ایران اور ہندوستان اور نیز مصالحہ کے جزائر کی پیداوار لاتے تھے۔ جنوبی فرانسیسی شہر اور بارسیلونا (اسپین کا شہر) شمالی افریقہ کے مسلمانوں سے تجارتی معاہدات اور تعلقات رکھنے لگے۔

تجارت نے صنعت و حرفت میں ترقی کی

جنوب کی اس ترقی نے بقیہ یورپ کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ نئی تجارت نے صنعت و حرفت میں انقلاب پیدا کر دیا جبتک ریاست کا طریقہ قائم تھا اور ہر شخص صرف اُس قدر اشیاء تیار کرتا تھا جو اُس کے لیئے اور اُس کے فرقہ کے دیگر ممبران کے لئے کافی ہو۔ کوئی چیز نہ باہر روانہ کیجا سکتی تھی اور نہ عیش و عشرت کے سامان سے اُس کا تبادلہ کیا جا سکتا تھا لیکن جب سوداگر دلفریب اشیاء لانے لگے تو ہر فرقہ کے ممبران کی حوصلہ افزائی کیجانے لگی کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد اشیاء تیار کریں تاکہ زائد از ضرورت سامان کو فروخت کر کے یا تبادلہ کر کے وہ اشیاء حاصل کر لی جائیں جو باہر سے آتی تھیں۔ تاجر اور صناع رفتہ رفتہ اپنی طاقتوں کو دوسروں کی ضرورت کی اشیاء تیار کرنے میں اور نیز اپنے فرقہ کی ضرورتوں کو جس سے وہ تعلق رکھتے

تھے فراہم کرنے میں صرف کرنے لگے۔

مشرق کے سامانِ عیش و عشرت یورپ میں داخل ہو گئے

بارہویں صدی کے قصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب، مشرق کے سامانِ عیش و عشرت، عمدہ کپڑے، مشرقی فرش و فروش، قیمتی جواہرات خوشبوئیں، دوائیاں (مثل کافور اور افیون کا عرق)، ریشم اور چین کے چینی کے برتن، مصالحہ جات ہندوستان سے اور روئی مصر سے ان سب اشیاء سے متحیر اور محظوظ ہوا۔ وینس نے ریشم کے کپڑے بنانے کی صنعت جاری کی جس کو وہ مشرق سے لایا تھا اور شیشہ کی اُن اشیاء کی ساخت جاری کی جنکو ایک سیاح اب تک وینس کی دوکانوں سے خرید سکتا ہے۔ مغرب نے ریشم، مخمل نیز ہلکی اور چمکدار روئی اور باریک ململ کے بنانے کا طریقہ سیکھا۔ مشرقی رنگ نے بھی رواج پایا اور پیرس نے جلد اہلِ عرب کے بیل بوٹوں کی نقل کرنی شروع کر دی۔ اُس سامانِ عیش و عشرت کے تبادلہ میں جس کو وہ نہیں بنا سکتے تھے بلدان فلیمش نے اپنے اونی کپڑے مشرق کو روانہ کرنے شروع کئے اور اٹلی نے اپنی شرابہائے ناب بھیجیں لیکن ظاہر ہے کہ مشرقی سوداگروں کو ہمیشہ ایک معتدبہ رقم وصول ہوتی تھی کیونکہ مغرب کی مصنوعات اتنی کافی نہیں ہوتی تھیں کہ جو کچھ اُسے مشرق سے لینا پڑتا تھا اُس کا پورا معاوضہ کر سکے۔

بعض اہم تجارتی مرکز

شمالی سوداگر زیادہ تر وینس سے معاملہ کرتے تھے اور اپنا سامانِ تجارت درّہ برینر سے اور دریائے رہائن کے ذریعے لاتے تھے یا اُن کو سمندر کی راہ سے فلانڈرز میں تبادلہ کے لئے بھیج دیتے تھے۔ تیرہویں صدی تک تجارت کے اہم مرکز وجود میں آگئے تھے، جن میں سے بعض اب تک دنیا کے بڑے تجارتی شہروں میں سے ہیں۔ ہیمبرگ، لوبیک اور بریمن ان ممالک سے جو بحیرۂ بالٹک پر ہیں اور نیز انگلستان سے براہِ راست تجارت کرنے لگے۔ جرمنی کے جنوب میں آگسبرگ اور نورمبرگ تجارت کی شاہ راہ پر جو اٹلی اور شمال کے درمیان تھی واقع ہونے سے اہم بن گئے۔ بروجیس اور گھینٹ اپنی مصنوعات

ہر جگہ روانہ کرنے لگے۔ بحیرۂ روم کے بڑے بندرگاہوں کے مقابلہ میں ابتک انگلستان کی تجارت نسبتاً غیر اہم تھی۔

تجارت میں رکاوٹیں

قرون وسطیٰ میں تجارت کے رستہ میں جو کثیر التعداد اور تقریباً ناقابل یقین رکاوٹیں حائل تھیں اُن کا ایک نہایت مختصر اور اجمالی بیان کر دینا ضروری ہے۔ کسی کامیاب تجارت کے لئے جس آزادی کو ہم آجکل ضروری سمجھتے ہیں اُس کا اُسوقت پتہ نہ تھا۔ قرون وسطیٰ میں ہمارے آڑتی ایک قابلِ نفرت چیز سمجھے جاتے تھے۔ وہ اشخاص جو کسی شے کی کوئی بڑی تعداد اس غرض سے لاتے تھے کہ اُس کو بڑی شرح پر فروخت کریں گے بُری ناموں سے موسوم کئے جاتے تھے۔

مناسب قیمت کا خیال

یہ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ ہر شے کی ایک مناسب قیمت ہوتی ہے جو صرف اُس کی ساخت کے سامان کی قیمت کو پورا کرنے کے لئے اور بنانے والے کی مزدوری کے لئے کافی ہوتی تھی۔ یہ بات نہایت نفرت انگیز سمجھی جاتی تھی کہ کسی چیز کو اُس کی مناسب قیمت سے زائد پر فروخت کیا جائے خواہ خریدار کو اُس کے خریدنے کی کتنی ہی خواہش اور ضرورت کیوں نہ ہو۔ ہر صنّاع ایک دوکان رکھتا تھا جس میں وہ تمام اپنی مصنوعات کو خوردہ فروشوں کی طرح فروخت کرتا تھا۔ وہ اشخاص جو شہروں کے قریب رہتے تھے انکو اجازت تھی کہ وہ اپنی مصنوعات کو اُس کی دیواروں کے اندر اس شرط پر فروخت کردیں کہ وہ اُن کو براہ راست استعمال کرنے والوں کو دیدیں۔ اُن کو چاہئے کہ وہ ایک سوداگر کے حوالہ اپنا تمام مال نہ کریں اس خوف سے کہ اگر ایک شے کسی ایک ہی شخص کے پاس ہوگی تو وہ اُس کی مناسب قیمت سے زائد وصول کرلے گا۔

روپیہ پر سود ادا کرنے کی ممانعت تھی

کسی شے کی تھوک فروشی کے خلاف جو تعصبات تھے اُنہی سے مشابہ یہ تعصب بھی تھا کہ روپیہ پر سود نہ دیا جائے۔ روپیہ کو مردہ اور ناقابل پیداوار چیز سمجھا جاتا تھا اور کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا تھا کہ اُس کو قرض

دینے کی بنا پر اُس کا معاوضہ طلب کرے۔ سُود کو بہت بُرا سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کو وہ لوگ وصول کرتے تھے جو دوسروں کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے کلیسا کے قوانین نے سختی کے ساتھہ سخت شرح سود کی، جیسا کہ اُس وقت نہایت معتدل اور مناسب شرح سود بھی کہلاتی تھی، ممانعت کردی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کلیسا کی کونسلوں نے یہ حکم دیدیا تھا کہ جو لوگ سود خوار مریں اُن کو عیسائی طریقہ سے نہ دفن کیا جائے اور اُن کی وصیتوں کو منسوخ کردیا جائے۔ پس روپیہ قرض دینے کا کام جو تمام بڑے تجارتی اور صنعتی کاموں کے لئے ضروری ہے یہودیوں کے لئے چھوڑدیا گیا تھا جن سے عیسائی طرزِ عمل کی اُمید نہیں کیجاتی تھی۔

یہودی بحیثیت قرضخواہوں کے — اس بدنصیب قوم نے یورپ کی اقتصادی ترقی میں نہایت نمایاں حصّہ لیا لیکن اُن کے ساتھہ عیسائیوں نے نہایت بُرا سلوک کیا۔ انہوں نے یہودیوں کو حضرت مسیحؑ کو دار پر کھینچنے کا سخت مجرم قرار دیا۔ تاہم تیرہویں صدی سے قبل یہودیوں پر واقعی ظلم و جبر کرنے کا مشغلہ عام نہیں ہوا تھا جبکہ اُن کو اوّل اوّل ایک قسم کی خاص ٹوپی یا پٹی پہننے کی ہدایت کیگئی تھی جن سے وہ بآسانی پہچانے جاسکتے تھے اور متواتر اُن کی توہین کیجاتی تھی۔ بعد ازاں اُن کو بعض اوقات شہر کے ایک خاص محلہ میں بند کردیا جاتا تھا جس کو محلۂ یہودیاں کہتے تھے۔ چونکہ وہ شہروں کی اتحادی جماعت سے خارج کردئے گئے تھے پس وہ قدرتاً سود پر روپیہ دینے کے کام میں مصروف ہوگئے اور یہ کام کوئی عیسائی نہیں کرسکتا تھا۔ بلاشبہ اُن کا پیشہ اُن کی غیر ہر دلعزیزی کا باعث ہوا۔ بادشاہوں نے اُن کو قرضہ دینے کی اجازت اکثر نہایت بڑی شرح سود پر دیدی۔ فلپ آگسٹس نے اُن کو چھیالیس (۴۶) فیصدی سود لینے کی اجازت دیدی تھی لیکن اُن کے منافع میں سے (اگر خزانہ شاہی خالی ہو تو) بادشاہ اُن سے بجبر روپیہ لینے کا مستحق تھا۔ انگلستان میں معمولی شرح ہر ہفتہ کے لئے فی پونڈ (۲۰ شلنگ) ایک پنس (۱) تھا۔

اہل لمبرڈ بحیثیت بنک والوں کے

تیرہویں صدی میں اہل اطالیہ (لمبرڈ) نے بنک قائم کرنے شروع کر دیئے اور ہنڈیوں کے استعمال کو بہت ترقی دی - وہ بلا سود قرض دیتے تھے لیکن ادائگی میں اگر تاخیر ہو جاتی تھی تو اس کا ہرجہ لیتے تھے - یہ امر اُن لوگوں کو بھی جو معمولی سود کو برا کہتے تھے مناسب اور معقول معلوم ہوا - علاوہ ازیں دولت مند اشخاص اپنا روپیہ کسی کام میں دے سکتے تھے اور منافع میں شریک ہو سکتے تھے بشرطیکہ اُس میں سود نہ لیا گیا ہو - اس طرح اور نیز دیگر طریقوں سے جو رکاوٹیں سود کے خلاف تعصب سے پیدا ہو گئی تھیں بہت کم ہو گئیں اور بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں خصوصاً اٹلی میں وجود میں آنے لگیں -

ڈول چنگیاں اور دیگر تکالیف جنسے سوداگران کو خشکی پر سابقہ پڑتا تھا

دوسرا بڑا نقصان جس سے عہد وسطی کے سوداگر کو سابقہ پڑتا تھا یہ تھا کہ اُسے بے انتہا اقسام کا ڈول، چنگی وغیرہ دینا پڑتا تھا اور انہیں وہ رؤسا وصول کرتے تھے جنکی مملکت میں سے یہ لوگ گزرتے تھے - یہ چنگیاں نہ صرف شاہراہوں، پلوں اور بند ہونے والے پلوں پر لیجاتی تھیں بلکہ وہ امرا بھی جو ایسے خوش نصیب تھے کہ جن کے قلعے ایسے دریاؤں پر واقع تھے جو جہازرانی کے لائق تھے دریا کو اس طرح بند کر دیتے تھے کہ سوداگر اپنے جہاز کو اس حق کے ادا کئے ہوئے بغیر نہیں لیجا سکتا تھا - چنگیاں عام طور پر کم قیمت کی ہوتی تھیں لیکن اُس طریقے جس کے ذریعہ سے یہ وصول کیجاتی تھیں اور بار بار کی تاخیر سے، سوداگروں کو غصہ بھی آتا تھا اور انہیں نقصان بھی پہنچتا تھا - مثلاً ایک خانقاہ نے جو پیرس اور سمندر کے درمیان واقع تھی یہ حکم دیدیا تھا کہ جو لوگ تازی مچھلی لے کر شہر میں داخل ہوں اُن کو توقف کرنا چاہیئے اور راہبوں کو انہیں سے تین پنیں کی برابر مال لے لینا چاہیئے اور اس کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا تھا کہ مال کی کیا حالت ہو جائیگی - جب ایک کشتی جس پر شراب لدی ہوئی ہو دریائے سین سے پیرس کو جاتی تھی تو رئیس پو آسی کا ایجنٹ تین پیپوں کو تڑوا سکتا تھا - اور اُن سب کو چکھنے کے بعد وہ ایک پیمانہ اُس شراب کا جس کو وہ سب سے

بتر خیال کرے بھر سکتا تھا۔منڈیوں میں تمام قسم کے واجبات ادا کرنے پڑتے تھے مثلاً ٹیکس کی ترازو کے استعمال یا اُس کے ناپنے کے آلہ کے استعمال کے واجبات ادا کرنے ہوتے تھے۔ علاوہ اس کے مختلف قسم کے سکے جو فیوڈل یورپ میں بکثرت تھے نہایت تاخیر اور پریشانی کا باعث ہوتے تھے۔

بحری خطرات | بحری تجارت اپنی خاص دشواریوں سے مملو تھی۔صرف طوفان اور باد مخالف، چٹان اور کم گہرے پانی ہی کی دقتیں نہ تھیں۔بحیرۂ شمال میں بحری غارتگر اور لٹیرے بکثرت تھے۔

بحری لٹیرے | وہ اکثر بالترتیب اور باقاعدہ ہوتے تھے اور اُن کے افسران اعلیٰ قابلیت کے اشخاص ہوتے تھے جو اس کام کو بُرا نہیں سمجھتے تھے۔اس کے بعد اُن قوانین تباہی جہاز کا نمبر تھا جنکے مطابق ایک جہاز مع اپنے تمام مال و اسباب کے مالک سواحل کا مال ہو جاتا تھا جن پر

قوانین تباہی جہاز | یہ جہاز تباہ ہوا ہو یا کم گہرے پانی میں پہونچکر کنارہ سے آلگا ہو۔روشنی کے مینا اور خطرات سے آگاہی دینے والے نشانات بہت کم تھے اور سواحل سمندر خطرناک تھے۔علاوہ ازیں قدرتی خطرات کی تعداد میں چھوٹے نشانات ہیں اور اضافہ ہو گیا تھا۔جہاز کے تباہ کنندہ اشخاص جہازوں کو کم گہرے پانی میں لانے کی ترغیب دیتے تھے تاکہ ان کو لوٹ لیں۔

ہینسیاٹک جماعت | ان بکثرت خطرات کو کم کرنے کی غرض سے اوّل اوّل شہروں نے باہمی حفاظت کے لئے اتحادی جماعت بنانی شروع کی۔ان میں سب سے مشہور جرمن شہروں کی جماعت تھی جس کو ہینسیاٹک لیگ (انجمن) کہتے تھے۔شہر لوبیک ہمیشہ ان معاملات میں پیشرو ہوتا تھا لیکن ستّر شہروں میں جو وقتاً فوقتاً اتحادی جماعت میں شریک کر لئے گئے تھے کالون۔برنزوک، ڈینزک اور دیگر بڑی اہمیت کے مرکز شامل تھے۔اس اتحادی جماعت نے لندن میں (جس کو اسٹیل یارڈ (صحن آہنی) کہتے ہیں اور جو لندن برج (پل) کے قریب ہے) وسبی، برجن اور دور دراز روس کے شہر نووا گراڈ میں مقامات سکونت خرید لئے اور اُنکا انتظام کیا۔انھوں نے تقریباً تمام تجارت بحیرۂ بالٹک و بحیرۂ شمال پر صلحناموں کے ذریعہ سے یا اُس اقتدار سے جو اُن کا تھا بالکلیہ قبضہ کر لیا۔

لیگ (انجمن) نے سمندر کے لٹیروں سے جنگ شروع کی اور تجارت کے خطرات کو کم کرنے کی بہت کوشش کی۔ بجائے اس کے کہ وہ علیحدہ اور غیر محفوظ تجارتی جہازات روانہ کریں، اُن کے جہازات کا بیڑہ ایک جنگی جہاز کی حفاظت میں جانے لگا۔ ایک موقع پر لیگ نے شاہ ڈنمارک کے خلاف ایک کامیاب جنگ کی جس نے انکے مفاد پر مداخلت کی تھی۔ دوسرے موقع پر اس نے انگلستان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور اُس کو صلح پر مجبور کیا۔ امریکہ کے دریافت ہونے سے دوسو برس قبل تک مغربی یورپ کے تجارتی معاملات میں لیگ نے نمایاں حصہ لیا لیکن اس کا زوال شروع ہوگیا تھا پیشتر اس کے کہ مشرقی اور مغربی جزائر ہند کے رستوں کی دریافت نے تجارت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا۔

تجارت کو شہروں نے نہ کہ قوموں اور منفرد اشخاص نے باقاعدہ بنایا (تیرہویں صدی سے پندرہویں صدی تک)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں صدی میں تجارت قوموں کے درمیان جاری نہ تھی بلکہ مختلف شہروں مثل وینس، لیوبیک، گھینٹ، برجیس، کولون وغیرہ کے ذریعہ ہوتی تھی۔ ایک سوداگر نہ مثل ایک خود مختار فرد کے کام کرتا تھا اور وہ اپنے شہر کی حفاظت سے اور اُن صلحناموں سے مستفیض ہوتا تھا جو اُس کے شہر نے کر رکھے تھے۔ اگر کسی شہر کا کوئی سوداگر قرض ادا نہیں کرتا تھا تو اُس کا ہموطن گرفتار کیا جا سکتا تھا جبتک قرض واجب تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُسوقت ایک باشندۂ لندن، شہر برسٹل میں ایک غیر ملکی یا بدیسی سمجھا جاتا تھا جس طرح کہ آجکل کوئی سوداگر کالون یا اینٹورپ کا سمجھا جاتا ہے۔ صرف رفتہ رفتہ یہ شہر اُن قوموں میں جذب ہوگئے جن سے اُن کے باشندے متعلق تھے۔

شہری یا عوام ایک مقتدر طبقہ بنجاتے ہیں

سوداگروں کی روز افزوں دولت اُن کو سوسائٹی میں اعلیٰ رتبہ پر پہنچانے میں جو اُن کو اب تک حاصل نہ تھا ناکام نہ رہی۔ انکی مرفہ الحالی نے انکو تعلیم میں پادریوں کے ہم پلہ کر دیا اور عیش و عشرت کے مکانات اور گرد و پیش کی اشیاء میں اُمرا کے ہم رتبہ کر دیا۔ انہوں نے پڑھنے کی طرف کسی قدر توجہ شروع کی اور چودہویں صدی

کے آغاز تک بہت سی کتابیں اُن کے مذاق اور انکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئیں۔ شہروں کے نمایندے بادشاہ کی کونسلوں میں طلب کئے جانے لگے جو اُن کی صلاح لینے کے لئے مجبور ہوا اس وجہ سے کہ وہ اپنی گورنمنٹ چلانے کے لئے اُن سے روپیہ وصول کرتا تھا۔ تیرھویں صدی کی یہ نہایت نمایاں تبدیلیوں میں سے ہے کہ شہری طبقہ نے پُرانے طبقوں یعنی پادری اور امرا کی برابر، جو اتنے عرصہ تک مغربی یورپ کی زندگی پر حاوی رہتے تھے، جگہ حاصل کر لی۔
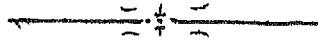
عہد وسطیٰ کی دلچسپی کسی طرح بھی بادشاہوں اور شہنشاہوں کے تدبر، اُن کی فتوحات اور شکستوں، پوپوں اور اسقفوں کی حکمت عملیوں یا فیوڈلزم اور اُس سے یورپ کی نجات تک محدود نہیں ہے۔ اگرچہ یہ سب امور اہم ہیں لیکن ہم کو اُس زمانہ کا نہایت ہی نامکمل خاکہ معلوم ہوگا جس کا حال ہم مطالعہ کر رہے ہیں اگر ہم اُس زمانہ کی عقلی زندگی اور فنون پر غور کئے بغیر گزر جائیں اور ان کتابوں کو جو تصنیف ہوئیں، اُن یونیورسٹیوں کو جو قائم ہوئیں اور اُن بڑی گرجاؤں کو جو تعمیر ہوئیں نظر انداز کر دیں۔

عہد وسطیٰ میں لاطینی کا عام استعمال

لیجئے! عہد وسطیٰ بلحاظ کثرتِ استعمال لاطینی زبان تحریر اور تقریر دونوں میں ہمارے زمانہ سے بالکل مختلف ہے۔ تیرہویں صدی میں اور اُس کے بہت بعد تک تمام کتابیں جو علمیت کا پہلو لئے ہوتی تھیں لاطینی[1] زبان میں لکھی جاتی تھیں۔ یونیورسٹیوں میں پروفیسر لاطینی زبان میں تعلیم دیتے تھے۔ دوست آپس میں ایک دوسرے کو لاطینی میں خطوط لکھتے تھے اور سرکاری کاغذات، صلحنامے اور قانونی دستاویزات تمام اسی زبان میں تحریر ہوتی تھیں۔ ہر تعلیم یافتہ شخص کے لئے لاطینی زبان اور نیز اپنی مادری زبان کے

[1] جرمنی میں جو سالانہ کتابیں جرمن زبان میں شائع ہوتی تھیں وہ ۱۶۸۰ء کے بعد تک لاطینی کتابوں سے زائد نہ ہوتی تھیں۔ مؤلف

استعمال کی قابلیت رکھنا اُسوقت جبکہ مختلف قوموں کے باہمی ارتباط میں بہت سی رکاوٹیں تھیں سود مند تھا۔ اس امر سے مثالاً یہ بات بھی بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کس طرح پوپ نے مغربی دنیائے عیسائیت کے تمام پادریوں سے اُس قابل تعریف طریقہ پر اپنا تعلق قائم رکھا اور کس طرح بآسانی طلاب، فقرار اور تجار ایک ملک سے دوسرے ملک میں چکر لگایا کرتے تھے۔ اُس انقلاب سے زیادہ اہم اور دلچسپ کوئی انقلاب نہیں ہے جس سے مختلف یوروپین ممالک میں لوگوں کی زبان نے بتدریج قدیم زبان کو خارج کر دیا اور اس کی جگہ پر خود اپنا قبضہ کر لیا، یہانتک کہ اب علما بھی لاطینی زبان میں کتابیں تحریر کرنے کا مشکل سے خیال کرتے ہیں۔

یہ امر سمجھنے کی غرض سے کہ کس طرح دو زبانیں، لاطینی اور دیسی زبان، عام طور پر تمام عہد وسطیٰ میں مغربی یورپ کے تمام ممالک میں مستعمل ہوتی رہیں، ہم کو موجودہ زبانوں کی اصلیت پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔ یہ سب زبانیں دو بالکل مختلف قسموں جرمنک اور رومینس میں تقسیم ہوسکتی ہیں۔

جرمنک زبانیں جرمن وحشیوں کی زبانوں سے اخذ کی گئیں۔

وہ جرمن اقوام جو رومی سلطنت کے باہر رہتی رہیں یا جو حملوں کے زمانہ میں اُس کی حدود کے اندر کافی دور تک آباد نہیں ہوئی تھیں جس طرح کہ فرینک گال میں آباد ہوگئے تھے تاکہ ان کو اپنے مفتوحین کی زبان اختیار کرنے کی ترغیب ہوتی قدرتاً اسی زبان کے استعمال پر جمی رہیں جسکو وہ ہمیشہ استعمال کرتی رہی تھیں یعنی اُسی خاص جرمن زبان کو جس کو اُن کے آبا و اجداد لامحدود نسلوں سے بولتے رہے تھے۔ جرمن وحشیوں کی مختلف زبانوں سے موجودہ جرمن، انگریزی، ڈچ، سویڈش، نارویجین، ڈینش، آئس لینڈک زبانیں نکلی ہیں۔

رومینس زبان تحریری لاطینی زبان سے نکلی ہیں۔

زبانوں کی دوسری قسم وہ ہے جو اُس مملکت میں ترقی پذیر ہوئی جو رومی سلطنت کا جزو تھی اور جس میں موجودہ زبانیں، فرانسیسی، اٹالین، اسپینش اور پرتگیزی شامل ہیں۔ الفاظ کی پرانی صورتوں کے پُرغور و خوض مطالعوں سے اب یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ یہ رومینس زبانیں ایک تھیں اور یہ سب تقریری لاطینی زبان سے نکلی ہیں جس کو لشکری، سوداگر اور عام لوگ بولتے تھے۔ یہ زبان نفیس اور عمدہ تحریری لاطینی زبان سے

بالکل مختلف تھی جسکو مثلاً سسرو اور سیزر استعمال کرتے تھے۔ بلاشبہ اسکی قواعد زیادہ سادہ تھی اور مختلف ممالک میں بے شک یہ بہت مختلف ہو گئی تھی۔ مثلاً ایک باشندہ گال تلفظ الفاظ اٹلی کے ایک باشندہ کی طرح نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں دوران گفتگو میں لوگ ہمیشہ کتابی الفاظ نہیں استعمال کرتے تھے۔ عام طور پر مثلاً گھوڑے کو کیبالس بولتے تھے اور مصنفین لفظ ایکواس استعمال کرتے تھے۔ اب لفظ کیبالس سے اسپینش زبان میں کیبالو، اٹالین زبان میں کیوالو اور فرانسیسی زبان میں شیوال استعمال ہونے لگا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تقریری زبان تحریری زبان سے مختلف ہوتی رہی۔ لاطینی زبان بلحاظ اپنی پیچیدہ گردان اور قواعد کے جنپر بہت دنوں کے مطالعہ کے بعد عبور حاصل کیا جا سکتا ہے تکلیف دہ زبان معلوم ہوتی ہے۔ رومی صوبوں کے لوگوں نے اور آنے والے وحشیوں نے قدرتاً نحو کی باریکیوں پر بہت کم توجہ کی اور اظہار[۱] مطالب کے لئے آسان طریقے دریافت کر لئے لیکن جرمن حملوں کے بعد بھی چند صدیاں گزر گئیں بیشتر اس کے کہ باہمی گفتگو کرنے کی زبان میں کوئی چیز لکھی گئی۔ جب تک کہ غیر تعلیم یافتہ شخص کتابوں کی صحیح لاطینی زبان سمجھ سکتا تھا جب کہ وہ اُسے پڑھتا ہوا یا بولتا ہوا سنتا تھا تو کوئی چیز اُس کی مانوس روزانہ گفتگو کی زبان میں لکھنے کی حاجت نہ تھی لیکن شارلمین کے زمانہ میں تحریری اور تقریری زبان کے درمیان اس قدر بڑی خلیج ہو گئی تھی کہ اُس نے یہ مشورہ دیا کہ اب آئندہ لوگوں کی زبان میں وعظ و پند یعنی نماز ادا کیا کرے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لاطینی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ تاہم اسٹراس برگ کے عہد و پیمان[۲] کی پہلی مثال جو ہم تک پہنچی ہے اُس تقریری زبان کی ہے جو بعد ازاں فرانسیسی زبان بن گئی۔

۱؎ یہاں تک کہ راہب اور دیگر اشخاص بھی جو قرون وسطیٰ میں لاطینی زبان لکھتے تھے زبان کے قاعدوں کی پوری پابندی نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے بہت سے نئے الفاظ داخل کر دئے تاکہ زمانہ کی ضروریات اور نئی حالتوں کو بیان کر سکیں۔ (مترجم)

۲؎ اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے (مؤلف)

جرمنک زبانوں کے ابتدائی نمونے

رہا جرمنک زبانوں کا معاملہ سلطنت روما کے منتشر ہو جانے سے پیشتر بھی کم ازکم اُن میں سے ایک تحریری زبان ہو گئی تھی۔ ایک مشرقی اسقف الفلاس نے (۳۸۱ء میں فوت ہوا) قوم گاتھ کو عیسائی بنانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا تھا جب کہ وہ جنگ ایڈریانوپل سے قبل دریائے ڈینیوب کے شمال میں اُس وقت تک آباد تھے۔ اپنا کام چلانے کی غرض سے الفلاس نے انجیل مقدس کے بڑے حصے کا ترجمہ گاتھک زبان میں کیا اور

گاتھک زبان

آواز ظاہر کرنے کے لئے یونانی حروف استعمال کئے۔ گاتھک زبان کے علاوہ شارلمین کے وقت سے پیشتر کسی جرمن زبان کی تحریر کا نمونہ موجود نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جرمنوں کے پاس ایک غیر تحریر شدہ علم ادب تھا جو صدیوں تک زبانی طور پر منتقل ہوتا رہا قبل اسکے کہ وہ ضبط تحریر میں آیا۔ شارلمین نے بعض پرانی نظموں کو جمع کر دیا جو غالباً جرمن سورماؤں کے کارناموں پر حملوں کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بیش بہا قدیم جرمن زبان کے نمونے لوئی مقدس کے حکم سے خاک سیاہ کر دئے گئے جن کے قدیم مذہب کے خیالات نے اُس کے دل کو سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ بڑی جرمن رزمیہ نظم جس کا نام "نیبلنگس کا ترانہ" ہے بارہویں صدی کے اختتام تک ضبط تحریر میں نہیں آئی تھی اور بہت سی نسلوں تک صرف زبانی طور پر منتقل ہوتی رہی تھی۔

قدیم انگریزی یا اینگلو سیکسن

انگریزی زبان کی نہایت قدیم طرز کو عام طور پر اینگلو سیکسن کہتے ہیں اور وہ اس زبان سے جس کو ہم استعمال کرتے ہیں اس قدر مختلف ہے کہ اس کو سمجھنے کی غرض سے ضرورت ہے کہ اُس کو ایک غیر ملکی زبان کی طرح حاصل کیا جائے۔ ہم ایک انگریزی شاعر سیڈمن کا نام بیڈ کے زمانہ کے قریب قریب سنتے ہیں جو شارلمین سے ایک صدی پیشتر ہو گزرا ہے۔ ایک اینگلو سیکسن رزمیہ نظم کی غیر مطبوعہ نقل جس کا نام بیوولف ہے محفوظ ہے جو آٹھویں صدی کے خاتمے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ دلچسپی جو شاہ الفریڈ نے اپنی مادری زبان سے ظاہر کی بیان کیجا چکی ہے۔ ہماری زبان کی پرانی طرز نارمن فتح کے بعد تک قائم رہی۔ تاریخ اینگلو سیکسن جو ۱۱۵۴ء تک کی ہے خالص اینگلو سیکسن زبان میں ہے۔ اس کے بعد زبان میں تبدیلیاں شروع ہو گئیں جو اس زمانہ کی کتابوں سے ظاہر

ہوتی ہیں اور قرن بہ قرن زبان تبدیل ہوتے ہوتے اس درجہ پر پہنچ گئی ہے) کو ہم آجکل بولتے ہیں۔ اگرچہ انگریزی کی پہلی سرکاری دستاویز (۱۲۵۸ء) جس کا تعلق ہنری سوم کے عہد سے ہے بغیر مطالعہ کے مشکل سے سمجھ میں آسکتی ہے لیکن ایک نظم جو اس کے بیٹے کے زمانہ میں لکھی گئی بآسانی سمجھی جا سکتی ہے۔

یہ مقدر ہو چکا تھا کہ انگریزی علم ادب ایک دن جینیل پار کے لوگوں کی تعریف کا خراج وصول کرے گا اور دیگر زبانوں کے علم ادب پر نہایت اہم اثر ڈالے گا۔ مگر قرون وسطیٰ میں فرانسیسی نہ کہ انگریزی زبان مغربی یورپ کی زبانوں میں نہایت اہمیت رکھتی تھی۔ بارھویں اور تیرھویں صدیوں کے مابین فرانس میں ایک وسیع علم ادب لوگوں کی خاص زبان میں پیدا ہو گیا تھا جس کا گہرا اثر اٹلی، اسپین، جرمنی اور انگلستان کی کتابوں پر ہوا۔

فرانسیسی اور پرووینشل زبانیں

سلطنت روما کی تقریری لاطینی زبان سے فرانس میں بتدریج دو بالکل مختلف زبانوں کا رواج ہو گیا تھا۔ اگر نقشہ پر ایک خط لاروشیل سے جو بحر اٹلانٹک پر ہے مشرق کی طرف کوہ ایلپس تک دریائے رہون کو وار پار کرتے ہوئے کسی قدر شہر لائینس کے کچھ حصہ جنوب تک کھینچا جائے تو اس سے دونوں زبانوں کی حدود کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ جانب شمال فرینچ زبان بولی جاتی تھی، جانب جنوب اس علاقہ میں جو کوہ ایلپس اور کوہ پیرنیز سے محدود تھا پرووینشل زبان جاری تھی۔

عہد وسطیٰ کے فرانسیسی قصے

قدیم فرانسیسی زبان میں جو کچھ ۱۱۰۰ء سے قبل لکھا گیا تھا اب محفوظ نہیں ہے۔ مغربی فرینک بلاشبہ اپنے سورماؤں کی بہت پہلے سے تعریف کرنے لگے تھے اور کلوویس، ڈیگوبرٹ، اور چارلس مارٹل کے کارناموں کے ترانے گانے لگے تھے لیکن یہ مشہور فرمانروا اجداد الا شارلیماین کی شخصیت کے سامنے ہیچ ہو گئے جو عہد وسطیٰ کی نظم اور قصے کا بلا تشبیہ سورما بن گیا۔ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ اس نے ایک سو پچیس (۱۲۵) برس تک حکومت کی اور اس سے اور اس کے سپہ سالاروں سے نہایت عجیب و غریب مہمات منسوب کیجاتی تھیں۔ مثال کے طور پر اسکی

نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اُس نے یروشلم پر ایک صلیبی جنگ کی تھی ۔ ایسے مضامین جیسے کہ یا جو تاریخ کی نسبت زیادہ تر صرف قصے کہانیاں تھے بڑی رزمیہ نظموں میں بیان کئے گئے جو قوم فرنیک کے تحریری علم ادب میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں ۔ ان نظموں نے جو قسمت آزمامہمات کے قصوں سے مملو ہیں فرانسیسیوں میں حب الوطنی کا جوش پیدا کر دیا اور وہ خوبصورت فرانس کو خدا کی خاص حفاظت میں سمجھنے لگے ۔

نغمۂ رولینڈ | یہ تعجب خیز امر نہیں ہے کہ ان طویل نظموں میں جو سب سے بہتر تھیں فرانسیسی لوگوں کے قومی راگ بن گئیں ۔ یہ نغمۂ رولینڈ بھی ایسا ہی ہے جو غالباً پہلی صلیبی جنگ سے کچھ پیشتر لکھا گیا تھا ۔ اس نظم میں اسپین سے شارلین[1] کی واپسی کا ذکر ہے جس میں اُس کے ایک سپہ سالار رولینڈ نے اپنی عزیز جان کو وہ پرنیز کے دروں میں بہادرانہ مقابلہ کر کے کھو دی تھی ۔

(نغمۂ رولینڈ)

"وہ خوب جانتا تھا ، ہے موت اُس کے سر پر
دل اور دماغ دونوں دیتے تھے یہ شہادت
تھا فرش سبزہ ، جس پر تھا سایۂ صنوبر
وہاں منہ کے بل وہ لیٹا جیسے کریں عبادت
ناقوس و تیغ کو پھر اس نے زمیں پہ رکھ کر
افواج کافراں کو دیکھا بصد حقارت
اس سے کیا یہ اُس نے ظاہر بہادروں پر
خود کارل[2] اور اُس کے وابستگان دولت
یہ جان لیں کہ وہ خود فاتح مرا یہاں پر"

---

[1] شارلین سے مراد ہے (مترجم)

بادشاہ آرتھر اور گول میز کے بہادروں کے قصے

بارہویں صدی کے آخری حصہ میں بادشاہ آرتھر اور اُس کے سپہ سالاران دوّار میز کے قصے شائع ہونے شروع ہوتے ہیں۔ صدیوں تک اِن قصوں نے تمام مغربی یورپ میں ہردلعزیزی حاصل کرلی تھی اور وہ اب تک بھی دل سے فراموش نہیں کئے گئے۔ آرتھر جس کے تاریخی وجود کا کسی کو بھی ذرا یقین نہیں ہے برطانیہ کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو سیکسنس کے جزیرہ میں قدم رکھنے کے بعد فوراً سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اُس زمانہ کی دیگر بڑی نظموں میں سکندر اعظم، قیصر اور دیگر قدیم قابل اشخاص بطور سورماؤں کے ظاہر ہوتے ہیں۔ تاریخی واقعات سے اُن کی بالکل بے اعتنائی نے اور ٹرائے اور روما کے بہادروں کو عہد وسطیٰ کے سورماؤں میں ظاہر کرنے کے رجحان نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ قرون وسطیٰ کا دماغ اس امر کے سمجھنے کے لئے ناقابل تھا کہ ماضی زمانۂ حال سے بالکل مختلف ہوگا۔ یہ تمام قصے دلچسپ مہمات سے پُر ہیں اور اصلی سپہ سالار کی وفاداری اور شجاعت اور نیز اُس کی بے پروائی اور اُس کی انسانی زندگی سے نفرت کی تصویر ہو بہو آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

بزمیہ نظمیں اور کہانیاں

علاوہ طویل اور واضح رزمیہ نظموں مثل رولینڈ کے اور نظم و نثر کے قصوں کے بے انتہا چھوٹی چھوٹی کہانیاں نظم میں تھیں جنکو بزمیہ نظمیں کہا جاتا تھا اور جنہیں عام طور پر روزانہ زندگی کے واقعات، خصوصاً جن کا تعلق خوشی اور راحت سے ہوتا تھا، بیان کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد کہانیوں کا نمبر آتا تھا جن میں سب سے زیادہ مشہور رینارڈ لومڑی کی کہانیاں ہیں جو دراصل اُس زمانہ کی رسوم کی ہجو میں ہیں اور جنہیں خصوصاً راہبوں اور پادریوں کی کمزوریوں کو خوب دکھلایا گیا ہے۔

ٹروبیڈور

اب ہم جنوبی فرانس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ٹروبیڈور یا عشقیہ نظموں کے شعرا نے خوبصورت اور مرغوب طبع ترانے جو پرووینسل زبان کے لئے مایۂ فخر و ناز ہیں، کثیر التعداد فیوڈل شہزادوں کے درباروں کی بشاشت، بشاشت اور چہچہاتی والہانہ خوش ہوائی کو ظاہر کرتے ہیں۔ فرمانروا نہ صرف شعرا کی حفاظت کرتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے بلکہ

وہ خود بھی شاعر ہونے کی آرزو کرتے تھے اور عشقیہ نظموں کے شعرار کے زمرے میں داخل ہونا چاہتے تھے جیسا کہ ان نفیس نظموں کے ناظموں کو کہا جاتا تھا۔ یہ نغمات ہمیشہ کسی باجے پر اور عموماً طنبورہ پر گائے جاتے تھے۔ وہ لوگ جو صرف ان کو گانا جانتے تھے اور خود شاعر نہ تھے جانگلرس کہلاتے تھے۔ عشقیہ نظموں کے شعرار اور قوال ایک دربار سے دوسرے دربار تک نہ صرف فرانس میں بلکہ شمال کی جانب جرمنی میں اور جنوب کی جانب اٹلی میں اپنے ساتھ جنوبی فرانس کی شاعری اور وہاں کے ہوم لیکر سفر کرتے رہتے تھے۔ ہمارے پاس ۱۱۰۰ء کے قبل کی پروونشیل زبان کے نمونے موجود نہیں ہیں لیکن اس وقت سے آئندہ دو صدیوں تک بے شمار نغمات لکھے گئے اور بہت سی عشقیہ نظموں کے شعرار نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی تھی۔ خوفناک البی جینسیان صلیبی جنگ نے ان فرحناک حلقوں میں جو کاؤنٹ اوف ٹولوس اور دیگر اشخاص کے گرد جمع ہو گئے تھے دشمنوں نے بیدینوں کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا تھا، موت اور مصیبت پھیلا دی۔ لیکن ادبی نقاد پروونشیل نظم میں تنزل کے آثار کا کھوج اس مصیبت سے پیشتر بھی لگا سکتا ہے۔

بہادری | تاریخ کے طالب علم کے لیے شمالی فرانس کی رزمیہ نظمیں اور جنوبی فرانس کے نغمات اس لیے خصوصیت کے ساتھ مفید ہیں کہ ان سے اس فیوڈل زمانہ کی زندگی اور خواہشات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں امور لفظ بہادری میں عام طور پر مجتمع ہیں جس کے بارہ میں ہم یہاں کچھ مختصراً بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا حال ہم کو قطعی نہ معلوم ہوتا اگر یہ ادبی ذخیرہ جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں ہمارے پاس نہ ہوتا۔ تمام قرون وسطیٰ کے قصص میں بہادران یا سرداران فوج نمایاں حصہ لیتے ہیں اور چونکہ عشقیہ شاعری کے شعرار سرداران فوج میں سے تھے لہذا اپنے نغمات میں وہ بہادری کا قدرتاً ذکر کرتے تھے۔

بہادری کوئی باقاعدہ صیغہ نہ تھا جو کسی خاص وقت پر قائم کیا گیا ہو۔ فیوڈلزم کی طرح جس کا اس کا بھی بہت تعلق ہے، اس کا کوئی بانی نہ تھا لیکن یہ تمام مغربی یورپ میں قدرتاً پیدا ہو گئی تاکہ زمانہ کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرے۔ ہم نے ٹےمی لس مورخ سے یہ بات

حاصل کی ہے کہ اُس کے زمانہ میں بھی جرمن اُس لمحہ کو نہایت قابل قدر سمجھتے تھے جبکہ نوجوان بہادر ایک لشکری کے ہتھیاروں سے پہلے پہل مسلح کیا جاتا تھا" یہ اس بات کی علامت تھی کہ کہ نوجوان بالغ ہو گیا ہے اور یہ اُس کا پہلا اعزاز تھا" غالباً اسی احساس کا یہ بقیہ ہے جو ہم "سر" کے خطاب میں بھی خیال موجود پاتے ہیں۔ جب کسی شریف خاندان کا نوجوان گھوڑے کی سواری اچھی طرح سیکھ لیتا تھا، تلوار کے کرتب حاصل کر لیتا تھا اور شکار میں اپنے باز کو اچھی طرح چھوڑ سکتا تھا تو وہ ایک رسم کے ساتھ جس میں کلیسا شرکت کرتی تھی "نائٹ" بنا دیا جاتا تھا اگرچہ یہ سرداری کسی پرانے نائٹ (سردار فوج) سے حاصل کی جاتی تھی۔

سرداران فوج کے طبقہ کی نوعیت | سردار فوج ایک عیسائی سپاہی ہوتا تھا اور وہ اور اُس کے توابعین ایک لحاظ سے ایک جداگانہ فرقہ میں ہوتے تھے جن کا طرز عمل عملی پیمانہ کا ہوتا تھا اور جوان کے طبقہ کے مناسب حال ہوتا تھا لیکن سرداری فوج کسی جماعت کی ممبری نہ تھی جس میں افسران (عہدہ داران) بھی ہوں اور ایک تحریری دستور العمل بھی ہو۔ یہ ایک بلند خیال اور نصف مفروضہ سوسائٹی تھی، ایسی سوسائٹی تھی جس میں بادشاہوں اور ڈیوکوں کو بھی شامل ہونے کا فخر تھا۔ کوئی شخص پیدائشی سردار فوج نہیں ہوتا تھا جیسا کہ وہ ڈیوک یا کاؤنٹ ہوتا تھا اور وہ یہ امتیاز اُسی وقت حاصل کر سکتا تھا جبکہ وہ رسم جس کا ذکر اوپر کیا گیا ادا کر دی گئی ہو۔ ایک شخص ممکن ہے کہ امیر ہو لیکن اس فوجی سرداران کے طبقہ میں شامل نہ ہو۔ برعکس اس کے ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی کسی بہادری کے کام کو بجا لانے میں فوجی سردار بنا دیا جاتا تھا

بہادر کا معیار ذہنی | بہادر کے لئے ضرور تھا کہ وہ عیسائی ہو اور تمام مواقع پر کلیسا کی حفاظت کرے اور اُس کے احکام بجا لائے۔ ہر قسم کے کمزور آدمیوں کی عزت کرے اور بیکسوں کی امداد کرے جہاں کہیں وہ اُن سے دو چار ہو۔ اُسے چاہیئے کہ کافروں سے بیرحمی کے ساتھ برابر جنگ کرتا رہے اور دشمن کی کبھی اطاعت قبول نہ کرے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ اپنی تمام فیوڈل خدمات ادا کرے۔ اپنے آقا کا حیلہ امور میں مطیع رہے۔ کبھی جھوٹ نہ بولے اور کبھی اپنے عہد کے خلاف نہ کرے۔ اُسے چاہیئے کہ

وہ فیاض ہو اور حاجتمند کو آزادی کے ساتھہ اور بے دریغ مال و دولت دے۔ بیوی کے ساتھہ خاص محبت رکھے اور اُسکی ذات اور اُس کی آبرو پر خواہ کچھہ ہو کوئی حرف نہ آنے دے۔ ہر جگہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف حق کی حمایت کرے۔ مختصر یہ کہ بہادری عیسائی شدہ پیشۂ جنگ تھا۔ بادشاہ آرتھر اور اُس کے نائیٹوں کے قصوں میں ایسے فرضی نائٹ کی خوبصورت تصویر کھینچی گئی ہے۔ مردہ لینس لاٹ سے اُس کے غمگین رفقا نے حسب ذیل الفاظ میں خطاب کیا ہے "تو اُن سب سے زیادہ خلیق نائٹ تھا جنہوں نے ابتک ہاتھہ میں ڈھال لی ہے اور تو اپنے سے محبت کرنیوالوں کا اُن سب سے زیادہ مخلص دوست تھا جو کبھی گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں اور تو ایک گنہگار سے اُن سب سے زیادہ سچی محبت رکھنے والا تھا جنہوں نے کبھی عورت سے محبت کی ہے اور تو اُن سب سے زیادہ مہربان آدمی تھا جنہوں نے کبھی تلوار چلائی ہے اور تو اُن سب سے زیادہ اچھا آدمی تھا جو کبھی نائٹ ہوئے ہیں اور تو اُن سب سے زیادہ خاکسار اور نرم دل تھا جنہوں نے گول کمرہ میں کبھی خاتونوں کے ساتھہ کھانا کھایا ہے اور تو اُن سب سے زیادہ سخت نائٹ (بہادر) اپنے دشمن کیلئے تھا جنہوں نے کبھی سینہ میں نیزہ مارا ہے۔

جرمن رزمیہ شعرار | جرمنوں نے بھی بہادری کے علم ادب میں حصہ لیا۔ تیرہویں صدی کے جرمن شعرار رزمیہ نظموں کے شعرار کہلاتے تھے۔ عشقیہ نظموں کے شعرار کی طرح جنکی وہ بہت توصیف کرتے تھے وہ عام طور پر عشقیہ نظمیں لکھتے تھے۔ اِس قسم کا سب سے زیادہ مشہور شاعر والٹرفان ڈر دوجل ویڈ تھا (تقریباً ۱۲۲۸ء میں فوت ہوا) جس کے نغمات میں دلچسپی اور دلفریبی اور نیز حب الوطنی کا جوش بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔

والٹرفان ڈر دوجل ویڈ | وولفرام فان ایشن باش (تقریباً ۱۲۲۵ء میں مرا) اپنے پارسی فال کے قصے میں ایک بہادر کے طویل اور غمگین واقعات کا ذکر کرتا ہے جو مقدس گریل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یہ ایک مقدس جہاز تھا جس میں حضرت مسیحؑ کا خون تھا۔ صرف وہ لوگ جنکے خیالات، اقوال اور اعمال بالکل صاف اور پاکیزہ تھے اُسکو دیکھنے کی امید کر سکتے تھے۔

پارسی فال | پارسی فال نے ایک مصیبت زدہ شخص سے ہمدردی کی باتیں نہیں کی تھیں اور اسلئے

اُس کو سزا ایک طویل تلافی مافات کرنی پڑی۔ آخر کار اُسے معلوم ہوا کہ صرف رحم اور خاکساری ہی سے اور خدا پر ایمان رکھنے سے وہ گریل کو پا سکتا تھا۔

بہادری کے اگلے اور پچھلے خیالات میں تباین۔

وہ بہادری جو نغمۂ رولینڈ میں اور شمالی فرانس کی زیادہ متین نظموں میں بیان کی گئی ہے سخت قسم کی ہے جس میں کلیسا کی خدمت کو خصوصاً کفار کے مقابلہ میں اور فیوڈل آقا کی خدمات کو برتر جگہ دی گئی ہے۔ برخلاف اس کے آرتھر کے قصوں میں اور سب سے بڑھکر یہ کہ عشقیہ شعرا کی نظموں میں ایک مکلف اور بہادر شریف آدمی کا طرزِ عمل خصوصاً اُس کی معشوقہ کے ساتھ بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ بہادری کے پچھلے قصوں میں (تیرہویں اور اُس کے بعد کی صدیوں میں) بہادری کا ذکر بہت زیادہ اس لفظ کے پچھلے مفہوم کے ساتھ کیا گیا ہے۔ واقعی اب کوئی شخص کافروں سے لڑنے کا خیال نہیں رکھتا تھا کیونکہ صلیبی لڑائیاں ختم ہو گئی تھیں اور ایک بہادر کو قسمت آزمائی کے مواقع گھر کے قریب ہی تلاش کرنی پڑتی تھیں۔

زمانۂ گزشتہ کی عام جہالت

جب تک کہ تمام کتابیں ہاتھ سے نقل کیجاتی رہیں، فی الواقع اُن کی تعداد زمانۂ حال کے لحاظ سے بہت ہی کم رہی۔ علم ادب جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں عام طور پر پڑھا نہیں جاتا تھا بلکہ سنا جاتا تھا جبکہ اُس کو وہ لوگ جنہوں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا تھا گاتے یا پڑھتے تھے۔ جہاں کہیں ادہر ادہر پھر کر گانیوالا اقوال جاتا تھا وہ یہ یقین کامل رکھتا تھا کہ اُس کے نغمات اور قصوں کو خواہ وہ متین ہوں یا دلچسپ ایک تو شوقین مجمع حاضرین ضرور سنیگا لیکن وہ اشخاص جو لاطینی سے نا واقف تھے زمانۂ ماضی کا کچھ حال معلوم نہیں کر سکتے تھے۔ اُس وقت تک یونان اور روما کے قدیم علم ادب ہومر، افلاطون، سسرو، یا لوی کے تراجم نہیں ہوئے تھے۔ وہ قدیم تاریخ کے متعلق جو کچھ واقفیت رکھتے تھے وہ اُنہیں مذکورالصدر دلچسپ قصوں سے حاصل کیجاتی تھی جن میں سکندر اعظم، اینیاس اور قیصر سے بالکل لغو کارنامے منسوب کئے گئے ہیں۔ رہا اُنکی خاص تاریخ کا معاملہ؛ فرانس اور بقیہ یورپ کے ابتدائی واقعات کے متعلق جو رزمیہ نظمیں تھیں وہ نہایت پریشان اور پیچیدہ تھیں مصنفین نے فرنکی بادشاہوں کے بہت سے کارہائے نمایاں کو جو کلووس سے پپین تک ہوئے تھے

شارلمین کی طرف منسوب کردیا تھا۔ پہلی واقعی تاریخ جو فرانسیسی زبان میں لکھی گئی وہ ولی ہارڈون کی تاریخ ہے جس میں اُس نے قسطنطنیہ پر صلیبی جنگجویوں کے قبضہ کا حال (۱۲۰۴ء میں) لکھا ہے جو اُس کا چشم دید واقعہ ہے۔

عہد وسطیٰ کی مشہور سائنس جس کو ہم علمی لٹریچر کہتے ہیں اُسوقت عملی طور پر بالکل ناپید تھا۔ یہ سچ ہے کہ ایک قسم کا انسائیکلوپیڈیا (تمام علوم کی لغت) نظم میں تھی جو چیزوں کے بارہ میں عموماً بہت غلط اطلاع دیتی تھی۔ ہر شخص عجیب وغریب جانوروں کے وجود کا یقین رکھتا تھا مثلاً ایسے[1] جانور کا جس کا جسم گھوڑے کا تھا اور جسکی پیشانی پر سینگ تھا، پردوں[2] والے سانپ کا، اور اُس پرند کا جو ایک صحرائے لق و دق میں پانسو برس سے تنہا رہتا تھا اور بعد ازاں چتار پر جلکر اپنی خاک سے پیدا ہوجاتا تھا اور ان سب سے بڑھکر یہ کہ ہر شخص کو اصلی جانوروں کی عجیب وغریب عادات پر یقین تھا۔ صرف ایک مثال یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ تیرہویں صدی میں علم الحیوانات سے کیا مراد تھی۔ "ایک چھوٹا جانور ہے جو چھپکلی کی شکل کا ہوتا ہے اُس کی یہ خاصیت ہے کہ اگر وہ آگ میں گر جائے تو آگ بجھ جائے۔ یہ جانور اس قدر سرد ہے اور اس قسم کا ہے کہ آگ اُسے جلا نہیں سکتی اور جہاں کہیں یہ ہوگا وہاں کوئی آفت نہیں آئیگی"۔ یہ جانور ایک مقدس آدمی کو ظاہر کرتا ہے جو اپنے مذہب میں پختہ ہو، "جسکو آگ سے کوئی صدمہ نہیں پہونچیگا اور نہ دوزخ اُسے جلا سکیگی۔ اس جانور کا دوسرا نام بھی ہے ---- یہ آتشی جانور کہلاتا ہے جیسا کہ لکھا ہوا ہے ---- یہ سیب کے درختوں پر چڑھا رہتا ہے، سیبوں میں زہر پھیلا دیتا ہے اور اگر یہ کسی کنوئیں میں گر پڑے تو اُس کا پانی زہریلا کردے"۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جانوروں کی عادات کچھ روحانی معنی رکھتی ہوئی سمجھی جاتی تھیں اور نوع انسان کے لیے مشعل ہدایت کا کام دیتی تھیں۔ یہ بھی یہاں کہدینا ضروری ہے کہ یہ قصے صدیوں پُرانے تھے۔ نہایت ناممکن باتیں نسلاً بعد نسلٍ دوہرائی جاتی تھیں اور یہ کسی کو خیال نہیں ہوتا تھا

---

[1] اور [2] ان دونوں جانوروں کو ہندوستان کی پیداوار بنایا جاتا ہے۔ مؤلف۔

کہ ان کی اصلیت دریافت کیجائے۔ اُس زمانہ کے نہایت عالم اشخاص بھی علم النجوم اور پودوں اور جواہرات کی عجیب وغریب صفات کا یقین رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر البرٹس میگنس کو لیجئے جو تیرہویں صدی کے نہایت ممتاز سائینس دانوں میں ہے۔ وہ اس امر پر متفق ہے کہ نیلم سے پھوڑے اچھے ہو جاتے ہیں اور ہیرا بارہ سنگھے کے خون میں رقیق بنایا جاسکتا ہے جو بہت کارآمد ہو اگر بارہ سنگھو کو شراب پلائی جائے اور خوشبودار گھاس چرائی جائے۔

قرون وسطیٰ کے صرف علم ادب ہی میں لوگوں کی زندگی اور خیالات کا عکس نہیں پایا جاتا ہے بلکہ فنون میں بھی ان کا شائبہ نظر آتا ہے کیونکہ نقّاش، سنگتراش اور معمار مغربی یورپ کے ہر ملک میں معروف کار تھے۔

راہبوں نے کتابی نقش ونگار بنائے۔ | آج کل کے نقش ونگار سے اُس زمانہ کے نقش ونگار بالکل مختلف تھے اور انہیں کتابی بیل و بوٹے زیادہ پائے جاتے تھے جنکو کتابی نقش ونگار کہتے تھے۔ جس طرح تمام کتابیں محنت کے ساتھ ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اسی طرح ہر تصویر کمال کے کاغذ پر چھوٹے چھوٹے برش سے بنائی جاتی تھی جو عام طور پر چمکدار اور رنگین ہوتی تھی اور خوب مطلّا کیجاتی تھی۔ چونکہ کتابیں راہب نقل کیا کرتے تھے پس عام طور پر یہ راہب ہی ہوتے تھے جو تصویریں بناتے تھے۔ جن کتابوں کو وہ مزین کرتے تھے خاص طور پر مذہبی کتابیں ہوتی

مذہبی کتابیں | تھیں خصوصاً رومن کیتھولک کی روزانہ نماز کی کتاب، بھجنوں کی کتاب اور گنفسٹوں کی کتاب۔ قدرتاً یہ تصاویر عام طور پر مذہبی مضامین سے متعلق ہوتی تھیں اور اولیا کی زندگیوں کو ظاہر کرتی تھیں یا انجیل مقدس کی تواریخ کے واقعات کو منکشف کرتی تھیں۔ آسمانی خوشیوں کو تصاویر کے ذریعہ ظاہر کرکے نیکی کی حوصلہ افزائی کیجاتی تھی اور نیکی کی ترغیب، شیطان اور اُس کے ہم نشینوں کی مضحکہ خیز تصاویر سے اور گنہگاروں کی مصیبتوں کے نقشہ سے خوب ہوتی تھی۔

دنیاوی کتابوں میں | دنیاوی کتابوں میں بھی بعض اوقات تصاویر ہوتی تھیں جو بلحاظ مضامین مختلف ہوتی تھیں۔ ہم اُن کے صفحات میں ایسی گھڑیلو اور مانوس شکلیں مثلاً کسان معہ اپنے ہل کے، قصاب

معہ اپنی چھری کے، شیشہ گرا بنی بھٹی پر دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ہم خیالی دنیا میں منتقل کر دیئے جاتے ہیں جس میں عجیب اور بھدی مخلوق رہتی ہے اور جو دلفریب مکانات وغیرہ سے آراستہ ہے۔

صاحب فن مقررہ قواعد کا پابند ہوتا تھا۔

قرون وسطیٰ کے لوگوں کو جو محبت نقش و نگار اور کسی کام کو مقررہ قواعد کے ساتھ کرنے میں تھی وہ ان کتابی تصاویر سے تعجب خیز طریقہ پر ہویدا ہے۔ ہر رنگ سے ایک خاص مراد ہوتی تھی۔ کچھ مقررہ حالتیں تھیں اور مختلف طرز عمل اور جذبات کی تصاویر کے مقررہ قواعد تھے جن پر نسلاً بعد نسلٍ مصور عمل درآمد کرتے رہے چنانچہ مقابلتاً کسی انفرادی قابلیت یا نفیس تصویرکشی کے لئے کم موقع تھا۔ برعکس اس کے یہ چھوٹی تصاویر کیونکہ دراصل یہ ہمیشہ چھوٹی ہوتی تھیں اکثر بڑی ہوشیاری اور غور کے ساتھ بنائی جاتی تھیں اور بعض اوقات قدرتی امور کا لحاظ کرکے انکی چھوٹی چھوٹی تفصیل بھی دیجاتی تھی۔

ان تصاویر کے علاوہ جنکا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ بھی عام رواج تھا کہ کتابوں کو چھوٹے دستخطوں سے مزین کیا جائے یا صفحات کے حاشیوں کو زیب دہ بنایا جائے جو بعض اوقات رنگ اور نقشہ کے لحاظ سے بہت خوبصورت ہوتے تھے۔ ان میں منفرد مصور کے دل و دماغ کو زیادہ آزادی حاصل تھی اور وہ بکثرت نہایت دلفریب اور مثل اصل پھولوں، پرندوں، گلہریوں اور دیگر چھوٹے جانوروں سے مزین ہوتے تھے۔

فن سنگتراشی نقاشی کی نسبت زیادہ عام طور پر اور کامیابی کے ساتھ قرون وسطیٰ میں ترقی پذیر ہو رہا تھا۔ عہد وسطیٰ کی سنگتراشی نے اپنے آپ کو انسانی شکلوں ہی کے بنانے سے مخصوص نہیں رکھا بلکہ زیب و زینت کی نقاشی سے بھی کام لیا۔ یہ فن تقریباً قرون وسطیٰ کے بڑے فن معمار کی شاخ

سنگتراشی فن تعمیر کے ذیل میں تھی۔

تھا۔ اس قرون وسطیٰ کے فن کے ہم نہایت عمدہ اور پائیدار کارنامے اُن عظیم الشان بڑی گرجاؤں اور دیگر گرجاؤں میں دیکھتے ہیں جو انگلستان،

فن تعمیر قرون وسطیٰ میں جملہ فنون پر حاوی تھا۔

فرانس، اسپین، ہالینڈ، بلجیم اور جرمنی میں جابجا پائی جاتی ہیں اور جنکی ہمسری باوجود تمام موجودہ عقلی اور صنعتی ذرائع کے ہم نہیں کرسکتے۔ ہر شخص کو کلیسا

سے تعلق رکھتا ہوتا تھا لیکن کلیسا بھی ہر شخص کی ملکیت ہوتی تھی۔ کسی نئی گرجا کی تعمیر اور اسکی آراستگی تمام فرقہ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی تھی خواہ وہ کسی حیثیت کے اشخاص ہوں۔ اُن کے مذہبی احساسات اس سے شگفتہ ہوتے تھے۔ یہ اُن کے مقامی فخر اور ان کے خوبصورت نقش و نگار کا باعث ہوتی تھی۔ تمام ہنرمندی اور صناعی کی وجہ سے جو اس نئی عمارت کی تیاری اور آراستگی میں صرف کیجاتی تھی اور مزید براں اُسکی مذہبی اہمیت سے یہ گویا ہمارے زمانۂ حال کے فنون کے عجائب خانہ کی قائم مقام تھی۔ تیرھویں صدی کے آغاز تک گرجائیں رومی[1] طریقہ پر بنائی جاتی تھیں۔ وہ عام طور پر صلیب نما ہوتی تھیں جن میں ایک درمیانی حصہ ہوتا تھا اور دو حصے اُس کے پہلو میں ہوتے تھے جو دونوں درمیانی حصوں سے زیادہ تنگ اور پست ہوتے تھے۔ ان حصوں کو ایک دوسرے سے گول ستونوں کے ذریعے

رومی نمونہ | علیحدہ کردیا جاتا تھا جو چھت کی ڈاٹ کو اُٹھائے رہتے تھے اور گول محرابوں سے پیوست ہوتے تھے۔ گول محراب دار کھڑکیاں عام طور پر عمارت کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی تھیں۔ پس اندرون عمارت کافی روشنی نہیں ہوتی تھی۔ اس سے سارا اُن تعمیر کی سادگی کا اندازہ ہوتا ہے لیکن اس قسم کی پہلی گرجاؤں میں خصوصًا اور علم ہندسہ کے نقشوں کی عمارات میں عمومًا منقش زیب و زینت کی کثرت ہے۔

گاتھک طریقہ کا رواج | گیارھویں اور بارھویں صدیوں میں کھڑکیوں میں اکثر نوکیلی شکل کی محراب بنادی جاتی تھی۔ لیکن تیرھویں صدی کے آغاز کے قریب[2] اس کا استعمال بہت زیادہ عام طور پر ہونے لگا۔ اور ناقابلِ یقین مختصر زمانہ میں عملی طور پر گول محراب پر سبقت لیگئی اور نئے طریقہ کی مختص صنعت ہوگئی جس کو گاتھک کہتے تھے۔ نوکیلی محراب کے رواج سے نہایت اہم نتائج نکلے۔ اس سے معمار اُسی

---

[1] رومی طریقہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ نمونہ عمارات اُن قدیم رومی عمارتوں سے لیا گیا تھا جن میں عدالت ہوتی تھی۔ مؤلف۔

[2] فرانس میں بارھویں صدی ہی میں۔ مؤلف۔

بلندی کی لیکن مختلف عرض کی اور ایک ہی عرض کی لیکن مختلف بلندی کی محرابیں بنا سکتا تھا کسی عرض کی ایک گول محراب اُس سے صرف نصف بلند ہو سکتی تھی لیکن نوکیلی محراب مختلف قسم کا عرض و ارتفاع رکھ سکتی تھی۔ گاتھک طرز کی ترقی میں ہوادار کھڑکیوں کی ایجاد سے بہت اضافہ ہوا۔

ہوادار کھڑکیاں | اس بیرونی اور شاندار سہارے کے ذریعہ سے اب تک جو بھاری دیواریں بنتی تھیں ان میں سامان کی تخفیف کرنا اور بڑی بڑی کھڑکیاں لگانا آسان ہو گیا جن سے تاریک گرجائیں خوب منور ہو گئیں۔

روغن شدہ شیشہ | ان بڑی کھڑکیوں کی روشنی ممکن تھا کہ بہت تیز ہوتی' اس لئے عجیب و غریب روغن شدہ آئینے عمدہ پتھر کی جالیوں میں بٹھا دئے جاتے تھے جو کھڑکیوں میں لگی ہوتی تھیں۔ عہد وسطیٰ کی بڑی گرجا کا روغن دار آئینہ خصوصاً فرانس میں جہاں کہ شیشہ گروں نے اپنے ہنر کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا تھا اُس عہد کے خاص شیوں میں سے تھا۔ اس پرانے آئینے کا جزو اعظم بیشک ناپید ہو گیا ہے لیکن اب تک اس کی اس قدر قدر ہے کہ اب اُس کا ہر ٹکڑا نہایت غور و فکر کیساتھ محفوظ رکھا جاتا ہے کیونکہ اب تک اُس کی ہمسری کسی آئینہ سے نہیں ہوئی۔ ایک کھڑکی جس میں اُس کے ٹکڑے لگے ہوئے ہوں جو پر نما طریقہ پر بٹھائے جاتے تھے اپنی گہری اور جواہرات کی سی رنگت کے لحاظ سے اب بھی نہایت نفیس زمانۂ حال کے کام سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

جوں جوں گاتھک طرز ترقی کرتا گیا اور معمار زیادہ ہوشیار اور جری ہونے لگے۔ گرجائیں روشنی' ساخت اور ہنر مندی میں یگانۂ روزگار بنگئیں اور انکی شان و عظمت اور تناسب کی خوبصورتی بدستور

پچیکاری کی زیب و زینت | قائم رہی۔ پچیکاری کے کام کرنے والوں نے اپنے ہنر کے نہایت خوبصورت نمونوں سے اُن کو مالا مال کر دیا۔ کارنس' ستونوں کی چوٹیاں' منبر' قربان گاہیں' آواز ملا کر گانے کی جگہ کے پردے' پادری اور گانے والوں کی لکڑی کی نشستیں بعض اوقات بجید کندہ نظر آتی ہیں جنہیں خوبصورت پھول اور پتی کی شکلیں' مانوس حیوانات یا بد شکل ہیبت ناک جانوروں اور مقدس انجیلی واقعات یا روزمرہ کی زندگی کے گھریلو نظارے دکھلائے گئے ہیں۔ انگلستان کے

شہر ولیس کی بڑی گرجا میں ستون کی ایک چوٹی پر اسکی پتیوں اور انگور کی بیلوں کے درمیان ایک لڑکے کی شکل بنائی ہے جسکا چہرہ اُس کانٹے کی تکلیف سے جو اپنے پاؤں سے نکال رہا ہے تمتما یا ہوا ہے۔ دوسرے ستون کی چوٹی پر تمام قصہ کہ کس طرح جرم کا پتہ لگا کندہ ہے۔ چور انگور چرا رہے ہیں جنکے تعاقب میں ایک غضبناک کاشتکار معہ اپنی پنجیلی (Pitch Fork) کے ہے۔
عہد وسطیٰ کے تخیل کی خصوصیت اُس کا ہیبت ناک چیزوں کا شوق ہے۔ یہ عہد عجیب جانوروں، نصف عقاب، نصف شیر، خوفناک چمگادڑ جیسی مخلوقات اور ایسے بدہیئت حیوانات کا جنکا مثل نہ زمین پر ہے اور نہ سمندر پر بہت شائق معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب شکلیں پردوں کے پتوں کے جھرمٹ میں چھپی ہوئی ہیں اور دیوار یا ستون پر سے تم کو دیکھتی ہیں یا گارٹروں پر لیٹی ہوئی نظر آتی ہیں جو چھتوں اور گنبدوں پر پڑے ہوئے ہیں۔
گاتھک عمارات کی ایک نمایاں خصوصیت حواریوں، اولیا اور فرمانرواؤں کے مجسموں کی بڑی تعداد ہے جو اُن عمارتوں کے پیش رخوں اور خصوصاً گرجاؤں کے بڑے برآمدوں کی زیب و زینت ہیں۔ یہ شکلیں اُسی قسم کے پتھر سے کاٹی گئی ہیں جس سے عمارت تیار کیگئی ہے اور یہ عمارت کا قریب قریب جزو نظر آتی ہیں۔ اگر ان کا مقابلہ پچھلی پچیکاری کے کام سے کیا جائے تو وہ کسیقدر

گاتھک پچیکاری

بھدی اور غیر دلچسپ معلوم ہوں گی لیکن وہ تمام عمارت سے عجیب و غریب طریقہ پر ملتی جلتی نظر آتی ہیں اور جو اُن میں سب سے بہتر ہیں وہ بلا شبہ شان و خوبصورتی سے پُر ہیں۔

دنیاوی عمارات

یہاں تک ہم نے گرجا کے فن تعمیر سے بحث کی ہے اور یہ بلاشبہ اُس زمانہ میں جسکا ہم ذکر کر رہے ہیں نہایت اہم تھا۔ بعد ازاں چودھویں صدی میں بہت سی خوبصورت دنیاوی عمارتیں گاتھک طرز پر تیار ہوئیں۔ ان میں نہایت شاندار اور نمایاں وہ عمارتیں تھیں جو متمول سوداگروں کی اتحادی جماعت نے تیار کرائی تھیں اور نیز بعض بڑے شہروں کے ٹاؤن ہال (دار البلدہ) تھے۔ لیکن گاتھک طرز ہمیشہ خاص طور پر مذہبی عمارات کے نام پر مضمون ہو گیا تھا اور یہ اُس کے لیے خصوصاً موزوں بھی ہے۔ اُس کے بلند برابر کے کمرے اور کھلے ہوئے فرش کے

مقامات، اُس کی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی محرابیں اور اُس کی جھکتی ہوئی کھڑکیاں جو جنت الفردوس کی شان دکھلاتی تھیں قرون وسطیٰ کے عیسائی کو سرگرم دینداربنانے کا کام کرتی تھیں۔

ہم قرون وسطیٰ کے قلعہ کا ذکر کرتے ہوئے گھریلو عمارات کی بعض خصوصیات کو پیشتر ہی بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایک مسکونہ مکان کی نسبت ایک قلعہ معلوم ہوتی تھیں۔ اُن کی خاص خوبی مضبوطی اور ناقابل گزارہ باتیں ہوتی تھیں۔ دیواریں بہت عریض ہوتی تھیں اور چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں

قرون وسطیٰ کا قلعہ | ان دیواروں میں سوراخوں کی برابر ہوتی تھیں۔ پتھر کے فرش ہوتے تھے۔ بڑے بڑے کمرے ہوتے تھے جو بڑے بڑے آتشدانوں سے گرم کیے جاتے تھے۔ ان سب باتوں سے کسی زمانہ موجودہ کے مسکونہ مکان کے آرام و آسائش کا پتہ نہیں چلتا۔ ساتھ ہی ساتھ ان سے مکینوں کے مذاق اور طریقوں کی سادگی کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی عجیب جسمانی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے جس پر ہم سب رشک کر سکتے ہیں۔

گیارھویں صدی سے قبل مدارس | لوگوں کی کتابوں اور زبان سے اور اُس زمانہ کے فنون سے قطع نظر کر کے اب ہم طبقۂ علما کے مشاغل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اپنے مطالعوں اور مباحث کو لاطینی زبان میں سرانجام دیتے تھے۔ ہم قدرتاً یہ سوال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کہاں ہوتی تھی؟ اُن دراز صدیوں کے مابین جو اُس زمانہ سے جب جسٹینین نے سرکاری مدارس بند کر دیے اور فریڈرک باربروسا کی آمد تک گزریں مغربی یورپ میں اٹلی اور اسپین کے باہر کوئی چیز یونیورسٹیوں اور کالجوں کے مشابہ نہ تھیں۔ یہ سچ ہے کہ بعض مدارس خانقاہوں، استقفوں اور راہبوں نے شارلمین کے فرامین کی بموجب قائم کر دیا تھا تاریک اور ابتر زمانہ میں جو اسکی وفات کے بعد گزرا برابر جاری رہے لیکن اس امر سے کہ ہم کو ان کا کچھ حال معلوم نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں بہت ابتدائی تعلیم دیجاتی تھی اگرچہ بعض اوقات اُن کے مہتمم قابل آدمی ہوتے تھے۔

ایبی لارڈ ۱۱۴۲ء میں مرا | سنہ ۱۱۰۰ء کے قریب ایک جوشیلا نوجوان جس کا نام ایبی لارڈ تھا اپنے وطن مالوف برٹنی سے تمام ان مقامات کی سیاحت کے لئے روانہ ہوا جہاں کہ وہ منطق اور فلسفہ کی تعلیم

حاصل کرکے جن سے اپنے ہمعصر عالموں کی مانند اُسے بھی خاص دلچسپی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ چند فرانسیسی شہروں خصوصاً پیرس میں اُسے استاد ملے جنکے لکچروں کو جو منطق، علم البیان اور دینیات پر ہوتے تھے سننے کے لئے کثیر التعداد طلباء آتے تھے۔ ابی لارڈ نے اپنے استادوں پر، انکو چند مرتبہ بحث میں عاجز کرکے جلد اپنی فوقیت حاصل کرلی۔ وہ بہت جلد خود لکچر دینے لگا اور وہ اس قدر کامیاب ہوا کہ ہزاروں طلباء اُس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے لگے۔

ابی لارڈ کا رسالہ لاؤنعم | اُس نے ایک عمدہ چھوٹی درسی کتاب تیار کی جس کا نام لاؤنعم تھا اور جس میں بظاہر کلیسا کے مقدس باپوں کی متضاد آرا ر خاص خاص سوالات پر مندرج تھیں۔ طالعلم سے اگر ایسا اُس کے امکان میں ہو اختلاف آرا کو معقول دلائل سے دور کرنے کی توقع کیجاتی تھی کیونکہ ابی لارڈ کا خیال تھا کہ علم بے بحث حاصل نہیں ہوسکتا۔ اُن اسناد پر جن پر لوگوں کے مذہبی تیقنات کی بنیاد تھی وہ آزادی کے ساتھ بحث کرتا تھا اور یہ طریقہ اُس کے اکثر ہمعصروں کو ناگوار گزرتا تھا خصوصاً سینٹ برنارڈ کو جس نے اُس کو بہت تکلیف پہنچائی۔ تاہم عیسائیت کے مختلف اصول پر بڑی آزادی کے ساتھ بحث کرکے اور ارسطو کی منطق کے قواعد کی پابندی کرکے ایک نہایت معقول طرق دینیات کے بنانے کی کوشش کرنے کا رواج بہت جلد ہوگیا۔ ابی لارڈ کی وفات کے بعد (سنہ ۱۱۴۲ء) فوراً پیٹر لمبرڈ نے اپنی کتاب "جملے" جس کا ذکر پیشتر ہوچکا ہے شائع کی۔

ابی لارڈ نے جیسا کہ بعض اوقات خیال کیا جاتا ہے پیرس کی یونیورسٹی قائم نہیں کی لیکن اُسنے دینیات کے مسائل پر بحث کرنے کو ہر دلعزیز بنانے میں بہت کوشش کی اور اُس نے تعلیم کو مرغوب طرح طریقہ سے ایسے شائقین کی تعداد میں بہت اضافہ کردیا جو یہ علم سیکھنا چاہتے تھے۔ اسکی زندگی کی غمناک کہانی جو اُس نے لکھی جبکہ وہ مصیبتوں کا شکار ہوگیا تھا سب سے بہتر ہے اور قریب قریب یہ صرف اسی کا تنہا بیان ہے جو تعلیم کے ساتھ بڑی دلچسپی کا اظہار کرتا ہے اور جو پیرس کی یونیورسٹی کی اصلیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

پیرس کی یونیورسٹی کی اصلیت | بارھویں صدی کے اختتام سے قبل پیرس میں اس قدر کثیر استاد ہوگئے تھے

کہ انہوں نے اپنے مقاصد کی ترقی کے واسطے ایک اتحادی جماعت قائم کر لی۔ استادوں کا یہ اتحاد جیسا کہ ہر قسم کی جماعتوں کو قرون وسطیٰ میں کہتے تھے، "یونیورسی ٹس" کہلانے لگا۔ پس اُسی سے ہمارا لفظ یونیورسٹی نکلا ہے۔ بادشاہ اور پوپ دونوں نے یونیورسٹی کی موافقت کی اور استادوں اور طلاب کو پادریوں کے بہت سے حقوق عطا کر دئے اور پادریوں ہی کی جماعت سے وہ منسوب کئے جانے لگے کیونکہ علمیت اس قدر صدیوں سے پادریوں کی جماعت تک محدود چلی آتی تھی۔

بولوگنا میں رومی اور مذہبی قانون کی تعلیم

تقریباً اُسی وقت جبکہ ایک یونیورسٹی کی شروعات یا پروفیسروں کی اتحادی جماعت پیرس میں قائم ہو رہی تھی بولوگنا میں ایک بڑا دارالعلوم ترقی کر رہا تھا۔ یہاں خاص توجہ دینیات پر جیسا کہ پیرس میں تھا نہیں کیجاتی تھی بلکہ قانون یعنی رومی اور مذہبی دونوں قانون کی تعلیم دیجاتی تھی۔ بارھویں صدی کے شروع ہی میں اٹلی میں رومی قانون کے ساتھ ایک نئی دلچسپی کا اظہار ہونے لگا جہاں کہ روما کا قدیم اصول قانون پورے طور سے دلوں سے محو نہیں ہوا تھا۔ پس ۱۱۴۲ء میں یا اُس کے قریب قریب ایک راہب گریشین نامی نے ایک بڑی

گریشین کی کتاب ڈکریٹم

کتاب شائع کی جس میں اُس نے کونسلوں اور پوپوں کے مختلف قوانین کو یکساں ظاہر کرنے کی کوشش کی اور جو کلیسا یا مذہب کے قانون کے مطالعہ کے لئے ایک آرام دہ درسی کتاب تھی۔ لہذا طلاب پیشتر کی نسبت بہت زیادہ جوق جوق بولوگنا میں آنے لگے۔ ایسے شہر میں جہاں کہ وہ اجنبی خیال کئے جاتے تھے انہوں نے اپنی حفاظت کیلئے خاص اپنی جماعتیں بنائیں جو اسقدر طاقتور ہوگئیں کہ انہوں نے پروفیسروں کو اُن قواعد کی پابندی کے لئے جو انہوں نے تیار کئے تھے مجبور کر دیا۔

دیگر یونیورسٹیاں قائم ہوئیں

آکسفورڈ کی یونیورسٹی ہنری دوئم کے زمانہ میں غالباً انگریزی طلاب اور ماسٹروں نے جو پیرس میں کسی وجہ سے بددل ہوگئے تھے قائم کی۔ تیرھویں صدی میں کیمبرج کی یونیورسٹی اور نیز کثیر التعداد یونیورسٹیاں فرانس، اٹلی اور اسپین میں قائم ہوئیں۔ جرمن یونیورسٹیاں جو اب تک بہت مشہور رہیں کسی قدر بعد میں قائم ہوئی تھیں اور انہیں سے اکثر موجود ہیں اور بند ہو ہیں

صدیوں کے پچھلے نصف حصہ میں پردۂ غیب سے ظہور میں آئی تھیں۔ شمالی دارالعلوموں نے عام طور پر دریائے سین کی بڑی مادر یونیورسٹی کی، نمونہ کے طور پر، نقل کی لیکن جنوبی یورپ کی یونیورسٹیوں نے عموماً بولوگنا کے رواجات کو اختیار کیا۔

تعلیمی ڈگری | جب چند سال کی تعلیم کے بعد کسی طالب علم کا امتحان پروفیسر لیتے تھے تو وہ بشرط کامیابی زمرۂ اساتذہ میں شامل ہو جاتا تھا اور خود ایک مدرس بنجاتا تھا۔ جس کو ہم آج کل ڈگری (درجۂ تکمیل) کہتے ہیں۔ دراصل قرون وسطیٰ کی یونیورسٹیوں میں اس کی مراد اس سے زیادہ نہ تھی کہ درس و تدریس کی قابلیت حاصل ہو گئی لیکن تیرہویں صدی میں بہت سے اُن طلاب نے ماسٹر یا ڈاکٹر کا معزز لقب (جو لاطینی زبان کا لفظ ہے اور استاد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) حاصل کرنے کی خواہش کی جو ہمارے مفہوم[۱] کے لحاظ سے پروفیسر نہیں ہونا چاہتے تھے۔

تعلیم کے سادہ طریقے | قرون وسطیٰ کی یونیورسٹیوں میں طلاب ہر عمر کے تھے۔ وہ تیرہ برس سے لیکر چالیس برس بلکہ زائد عمر تک کے ہوتے تھے۔ اسوقت یونیورسٹیوں کی عمارات نہ تھیں اور پیرس میں اسٹرا اسٹریٹ کے لاطینی محلہ میں تعلیم دیجاتی تھی۔ یہ نام اس گلی کا اسوجہ سے ہوا کہ کرایہ کے مکانات کی فرشوں پر اسٹرا (گھاس یا کسیر) بچھا دی جاتی تھی جہاں کہ پروفیسر درسی کتاب کی تعلیم دیتے تھے اور طلاب اُس کے سامنے فرش پر بیٹھتے تھے۔ اُس وقت کوئی لیبٹری (دارالتجربہ) نہیں تھی کیونکہ کوئی تجربہ

---

[۱] بیچلر کی ڈگری (یعنی بی۔ اے) کی اصلیت کی تشریح جو آجکل ہمارے کالجوں کی درسی کتب ختم کرنے کے بعد ملتی ہے حسب ذیل طریقہ پر کی جاسکتی ہے۔ تیرہویں صدی میں بیچلر (مجرد نوجوان) ایک طالب علم ہوتا تھا جو اپنے امتحانات کتب "فنون" کو جزوی پاس کر لیتا تھا اور اس کو اجازت دیجاتی تھی کہ وہ ابتدائی مضامین کی تعلیم دے بیشتر اس کے کہ وہ مکمل ماسٹر ہوجائے۔ بیس بی۔ اے اسوقت بھی جیسا کہ اب ہے ایم۔ اے سے کم درجہ رکھتا تھا۔ اپنی کالج کی کتب ختم کرنے کے بعد اور ایم۔ اے حاصل کرنیکے بعد نوجوان استاد کا قانون، دینیات یا طبابت کے حرفتی مدارس میں سے کسی ایک کو بطور طالب علم داخل ہو جاتا تھا اور ان علوم میں تبدریج کامل ماسٹر ہو جاتا تھا۔ الفاظ ماسٹر، ڈاکٹر اور پروفیسر تیرہویں صدی میں بھی تقریباً یہی معنی رکھتے تھے۔ (مؤلف)

نہیں کیا جاتا تھا۔ اُس وقت درسی کتاب کی نقل کردیجاتی تھی خواہ وہ گرٹشین کی کتاب ڈکریٹم ہو یا جملے ہوں یا شرح ارسطو ہو یا فن طبابت کی کتاب ہو۔ اس درسی کتاب کو جملہ بجملہ پڑھایا جاتا تھا اور طلاب سنتے تھے اور بعض اوقات یادداشت کے طور پر لکھ لیتے تھے۔

یونیورسٹیاں ایک شہر سے دوسرے شہر کو باسانی منتقل ہوسکتی تہیں

اس امر سے کہ اساتذہ اور طلاب کسی خاص جگہ کے پابند بوجہ عمارات اور آلات نہ تھے اُنکو ادھر اُدھر چکر لگانے کی آزادی تھی۔ اگر وہ سمجھتے تھے کہ اُنکے ساتھہ کسی ایک شہر میں بُرا سلوک کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے شہر کو چلے جاتے تھے اور وہ اُس جگہ کے (جسکو وہ چھوڑتے تھے) تجار کی نفرت کی بنا پر جاتے تھے حالانکہ تجار یونیورسٹی کی موجودگی سے منتفع ہوتے تھے۔ چنانچہ آکسفورڈ اور لیپزگ کی یونیورسٹیاں دیگر یونیورسٹیوں کے علاوہ اُن پروفیسروں اور طالب علموں نے قائم کی تہیں جنہوں نے اپنے پہلے وطن کو خیرباد کہدیا تھا۔

نصاب تعلیم

فنون کا نصاب تعلیم جو ہمارے کالجوں کی کتب درسیہ کے مطابق تھا اور جس سے ماسٹر آف آرٹس (فنون کا استاد) یعنی ایم۔ اے کی ڈگری حاصل ہوتی تھی پیرس میں چھ برس تک پڑھایا جاتا تھا۔ مضامین منطق، مختلف علوم مثل طبیعیات، ہیئت وغیرہ جن پر ارسطو کی شرح پڑھائی جاتی تہیں اور کچھہ فلسفہ اور علم الاخلاق تھے۔ نہ تاریخ تھی اور نہ یونانی زبان۔ کام چلانے کیلیئے لاطینی ضرور سیکھنی پڑتی تھی لیکن قدیم رومی علم ادب کی طرف مطلق توجہ نہ تھی۔ نئی موجودہ زبانیں کسی عالم کے لیئے بالکل نامناسب سمجھی جاتی تہیں۔ البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ان کتابوں سے ایک بھی جنکو ہم انگریزی فرانسیسی، اطالین یا اسپینش زبانوں کی بہت عمدہ کتابیں سمجھتے ہیں اُسوقت تک نہیں لکھی گئی تھی۔

ارسطو کی کتابیں مغرب میں مشہور ہوگئیں۔

قرون وسطیٰ کی یونیورسٹی کی تعلیم میں نہایت خاص اور اہم بات ارسطو کا بیحد احترام تھا۔ لیکچروں کی کتب درسیہ میں سے اکثر اُسکی کثیر التعداد کتابوں میں سے بعض کی تشریح پر وقف تھی یعنی اسکی طبیعیات، اُسکی مابعد الطبیعیات، اُسکی منطق کی مختلف شروح، اُس کا فلسفۂ اخلاق، اُسکی چھوٹی چھوٹی کتابیں روح، آسمان اور زمین وغیرہ پر۔ ابیلارڈ کو صرف اُسکی منطق معلوم تھی کیونکہ اُسکی باقی تمام کتابیں فراموش کردی گئی تھیں لیکن تیرھویں صدی

کے آغاز میں اُس کی تمام جامع کتب جو اُس نے علوم پر تحریر کی تھیں مغرب میں یا تو قسطنطنیہ کے ذریعے سے یا عربوں کے ذریعہ سے جنکو وہ اسپین لے آئے تھے پہنچیں۔ لاطینی تراجم خراب اور بھّدے تھے اور اُستادوں کو انہیں مطلب خیز بنانے میں اور یہ سمجھانے میں کہ عرب فلسفہ دانوں کا انکی نسبت کیا خیال تھا اور نیز عیسائیت کی تعلیمات سے انہیں مطابق کرنے میں دقت اُٹھانی پڑتی تھی۔

ارسطو کا احترام | ارسطو فی الواقع قدیم مذہب کا پابند تھا۔ اُس کو شک تھا کہ آیا روح بعد الممات باقی رہتی ہے یا نہیں۔ اُس نے انجیل کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ سے انسانوں کی نجات کے بارہ میں اُسے کچھ علم نہ تھا۔ شاید آپ کو خیال ہو گا کہ اُن لوگوں نے جنہوں نے عیسائیت کے اصول کو ہمیشہ آمنّا وصدقنا کہا تھا حقارت اور خوف سے فوراً اُس سے گریز کیا ہوگا۔ لیکن تیرھویں صدی کے معلم اُس کی منطق سے بہت خوش تھے اور اسکی علمیت سے متحیر تھے۔ اُس زمانہ کے بڑے علمائے دینیات ایلبرٹس میگنس (۱۲۸۰ء) میں مرا، اور تھامس ایکی ناس نے (۱۲۷۴ء میں مرا) اُس کی تمام کتابوں پر نہایت مفصل شروح لکھیں۔ وہ "الفلسفی" کہلاتا تھا اور علماء کو اسکی تعلیمات پر بحد یقین تھا یہاں تک کہ وہ سمجھتے تھے کہ خدا کی یہی مرضی تھی کہ ارسطو علم کی ہر شاخ پر اپنی فیصلہ کن رائے لکھے اور وہ اُسے عاجزانہ طور پر مجبوراً مانتے تھے۔ انجیل مقدس، کلیسا کے مقدس باپوں، اور مذہبی اور رومی قانون کی طرح اُسکی کتابیں مسلمہ اسناد تھیں اور یہ سب باتیں ملکر بنی نوع کے لئے اُس کے طرز عمل میں رہبر اور علم کی ہر شاخ میں مشعل ہدایت تھیں۔

علم کلام | عام طور پر فلسفہ، دینیات، اور پروفیسران عہد وسطیٰ کے طریقۂ بحث کو علم کلام کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اُن لوگوں کو جنہیں بعد ازاں منطق کا شوق نہ رہا اور جو ارسطو کا بحد احترام نہ کرتے تھے۔ علم کلام اپنے یونانی اور رومی علم ادب کے اغماض کی وجہ سے ایک خشک اور بیفائدہ طریقۂ تعلیم معلوم ہونے لگا۔ لیکن اگر ہم تھامس ایکی ناس کی عجیب و غریب کتابوں کی ورق گردانی کریں تو ہم دیکھیں گے کہ علم کلام کا فلسفی غیر معمولی ذہانت اور علمیت کا شخص تھا جو اپنی حالت موجودہ پر تمام اعتراضات کو تسلیم کرنے کے باوجود بڑی صفائی اور سلاست کے ساتھ اپنی حالت کا نقشہ

کھینچ سکتا تھا منطق کی تربیت نے اگر انسانی معلومات میں اضافہ نہیں کیا تو کم ازکم طالب علم کو عادی بنا دیا کہ وہ غور کے ساتھ اشیار میں امتیاز کر سکے اور اپنے ذخیرۂ معلومات کو بالترتیب پیش کر سکے ۔

راجر بیکن کا حملہ علم کلام پر | تیرہویں صدی میں بھی کچھ ایسے علمار ضرور تھے جو تمام علوم کے لئے ارسطو پر اعتماد کرنیکی عادت کو بُرا کہتے تھے ۔ راجر بیکن نہایت ممتاز نقادوں میں سے تھا جو ایک انگریزی فرانسسکن راہب تھا (تقریباً ۱۲۹۴ء میں مرا) اور جس نے اعلان کیا کہ " اگر ارسطو بہت دانشمند بھی تھا تو اس نے صرف شجر علم نصب کردیا تھا ۔ اس درخت کی نہ تمام شاخیں نکلی ہیں اور نہ تمام بارآور ہو چکی ہیں ۔ اگر ہم بے انتہا صدیوں تک بھی زندہ رہیں ہم فانی انسان اُن تمام چیزوں کا جو ہمیں معلوم ہیں پورا اور مکمل علم حاصل نہیں کر سکتے ۔ کوئی شخص پورے طور پر ایک معمولی مکھی کی خصوصیات بیان نہیں کر سکتا ۔ نہ اُس کی رنگت اور نہ اُس کے پیروں کی مقررہ تعداد کے لئے کوئی وجہ بیان کر سکتا ہے نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ کیوں انکی تعداد کم و بیش نہیں ہوتی " بیکن کہتا تھا کہ ارسطو کے خراب لاطینی ترجموں کے پڑھنے کی نسبت تجربوں کے ذریعہ سے جو اصلی اشیار کے کئے جائیں حقیقی علم لاکھوں درجے بہتر حاصل ہو سکتا ہے ۔ اُس نے ایک مرتبہ کہا " اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ارسطو کی تمام کتابوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا کیونکہ اُن کے مطالعہ سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے غلطی پیدا ہوتی ہے اور جہالت کو ترقی ہوتی ہے ۔"

پس ہم دیکھتے ہیں کہ اُسوقت بھی جبکہ علم کلام یونیورسٹیوں میں نہایت پسند خاطر تھا، کچھ وسیع النظر سائنس داں بھی تھے جنہوں نے زمانۂ حال کے طریقۂ ادراک حق کی سفارش کی تھی ۔ اس طرز تعلیم میں منطق کے قواعد کے بموجب یہ بحث کرنا داخل نہیں ہے کہ یونانی فلسفی نے سیکڑوں برس پہلے کیا بات کہی تھی بلکہ اپنے گردوپیش کی اشیار کا بغور مطالعہ کرنا ضروری سمجھا گیا ہے ۔

مغرب میں سلطنت روما کو منتشر ہو جانے کے بعد سے تیرھویں صدی کے اختتام تک جو بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئیں اُن پر نظر ثانی

اب ہم نے اُس پندرہ سو برس کے دراز زمانہ کے کسی قدر زائد از نصف تک کے حالات بیان کر دئے ہیں جو آجکل کے یورپ کو پانچویں صدی کی سلطنت روما کی طوائف الملوکی سے علیحدہ کرتا ہے۔ اُن آٹھ سو برسوں نے جو ایلیرک، اٹیلا، لیو اعظم اور کلووس کی صدی اور ان نوسینٹ سویم، سینٹ لوئی، اور ایڈورڈ اول کی صدی کے درمیان گزرے بڑی اہم تبدیلیاں دیکھیں جو اسی قدر ضروری ہیں جس قدر کہ اور انقلابات جو ابتک ہوئے ہیں۔

عہد تاریک

یہ سچ ہے کہ اول اول یہی معلوم ہوتا تھا کہ وحشی گاتھ، فرینک، وینڈال اور برگنڈین بجز شور و شغب اور ابتری کے اپنے ہمراہ اور کچھ نہیں لا رہے تھے۔ شارلمین کے زبردست ہاتھ نے ان سرکش عناصر کو صرف کچھ دنوں کے لئے روکا۔ بعد ازاں اُس کے پوتوں کی نا اتفاقی نے اور اہل شمال، ہنگیرین، سلاف اور عربوں کے حملوں نے مغربی یورپ کو ایک مرتبہ پھر اُسی بے ترتیبی اور جہالت کے دریا میں غوطہ دیدیا جس میں سے یہ ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں نکلا تھا۔

شارلمین کی وفات کے بعد دو سو سے زائد برس گزر گئے تھے قبل اس کے کہ ہم نے آثار ترقی کا کچھ پتہ دیکھا۔ اگرچہ ہم کو گیارھویں صدی کا بہت کم حال معلوم ہے اور اگرچہ اُس صدی کے نہایت ممتاز مصنفین سب لوگوں کے صفحۂ دل سے بجز اُس زمانہ کے تاریخی طالب علم کے محو ہو گئے ہیں تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ وقت شاندار بارھویں صدی کی تیاری کا تھا، ایسی لارڈ اور سینٹ برنارڈ کے واسطے مقننوں، شعرا، استادوں اور فلسفہ دانوں کے واسطے جو یکایک پردۂ غیب سے عالم شہود میں نظر آتے ہیں۔

بارھویں اور تیرھویں صدیوں کا زمانہ تیز ترقی کا زمانہ تھا۔

لہذا قرون وسطی دو بالکل مختلف اور صریح زمانوں پر منقسم کئے جاسکتے ہیں۔ وہ صدیاں جو گریگوری ہفتم اور ولیم فاتح کے زمانہ سے پیشتر گزریں بوجہ ابتری اور جہالت کے عہد تاریک کے نام سے بجا طور سے موسوم کیجا سکتی ہیں۔ اگرچہ انہوں نے یورپ کی شکل تبدیل کرنے میں کچھ اہم مدارج دیکھے تھے۔ برعکس اس کے پچھلا زمانہ وسطی قریباً قریباً

جملہ انسانی سعی کے ہر شعبہ میں سریع اور یقینی ترقی کا تھا۔ واقعی تیرہویں صدی کے اختتام تک ان تبدیلیوں کا حصہ اعظم اپنی شاہراہ پر چل رہا تھا جنہوں نے موجودہ یورپ کو سلطنت روما کے محکوم مغربی یورپ کی حالت سے بعید مختلف بنا دیا۔ ان میں سے نمایاں تبدیلیاں حسب ذیل ہیں:۔

قومی سلطنتوں کا ظہور

(۱) قومی سلطنتوں کے مجموعہ نے جن میں قومیت کا ایک صریح احساس ترقی کر رہا تھا سلطنت روما کی جگہ لے لی جسکی حکومت میں اہل اطالیہ، اگال، جرمن، اور اہل برطانیہ کے اختلافات کی کوئی پروا نہ تھی۔ وقتی اور عارضی فیوڈل گورنمنٹ جو عہد تاریک میں پیدا ہو گئی تھی شاہی حکومت کے لئے (جرمنی اور اٹلی کو مستثنیٰ کر کے) جگہ چھوڑ رہی تھی اور تمام مغربی یورپ کو ایک سلطنت میں متحد کرنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

قومی سلطنتیں کلیسا کو اسکے حکومتی اختیارات سے محروم کرنا شروع کرتی ہیں۔

(۲) ایک لحاظ سے کلیسا نے مغربی یورپ کی مختلف اقوام کو پوپ کی ماتحتی میں متحد رکھنے اور اُس زمانہ میں جبکہ فیوڈل رؤسا امن و امان قائم نہیں رکھ سکتے تھے اور معدلت گستری نہیں کر سکتے تھے حکومت کے اختیارات حاصل کرنے میں سلطنت روما کی جگہ لے لی تھی۔ کلیسا جس کا نظام مطلق العنان حکومت کا سا تھا ایک معنی میں قرون وسطیٰ کی نہایت طاقتور سلطنت تھی۔ لیکن اس کے سیاسی اقتدار کا عروج انوسینٹ سوم کے عہد میں ہوا جبکہ تیرہویں صدی کا آغاز تھا۔ اس کے اختتام سے قبل قومی سلطنتیں اس قدر طاقتور ہو گئی تھیں کہ یہ صاف نظر آتا تھا کہ وہ بتدریج حکومت کے اختیارات دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لینگی، جن کو کلیسا عارضی طور پر استعمال کر رہی تھی، اور پوپ اور پادریوں کو اُن کی مذہبی خدمات تک محدود کر دیگی۔

عوام الناس یا تیسرے طبقہ کا ظہور۔

(۳) ایک نیا معاشرتی طبقہ پادریوں اور امراء کے ساتھ ساتھ برتری حاصل کرتا جا رہا تھا۔ سرف کی آزادی، شہروں کے قیام، اور تجارت کی ترقی نے سوداگروں اور کامیاب صناعوں کے لئے اہمیت حاصل کرنا اور اپنی دولت کے ذریعہ مقتدر ہونا ممکن بنا دیا۔ ان شہری باشندوں سے موجودہ زمانہ کی بڑی ذہین اور تعلیم یافتہ جمہوریت وجود میں آئی۔

کتابیں لوگوں کی زبانوں میں لکھی جانے لگیں۔

(۴) کتابیں تحریر کرنے میں مختلف موجودہ زبانیں استعمال ہونے لگیں جرمنوں کے حملوں کے بعد پانچ یا چھ سو برس تک تمام مصنفین لاطینی استعمال کرتے تھے لیکن گیارھویں اور ما بعد کی صدیوں میں لوگوں کی زبان قدیم زبان کی جگہ پر کرنے لگی۔ اس سے غیر پادری اشخاص جنہوں نے پرانی رومی زبان کی باریکیوں پر قدرت حاصل نہیں کی تھی ان قصوں اور نظموں سے حظ اٹھانے لگے جو فرانسیسی، پروونشل، جرمن، انگریزی اور اسپینش زبانوں میں اور اس کے کچھ بعد اطالین زبان میں لکھی جاتی تھیں۔

تعلیم پر صرف پادریوں کی جماعت کا اجارہ نہ رہا۔

اگرچہ اب تک پادریوں کے ہاتھوں میں تعلیم کا سپید و سیاہ تھا، غیر پادری اشخاص نے بھی کتابیں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا اور رفتہ رفتہ پادریوں کے ہاتھوں سے تعلیم کا اجارہ جاتا رہا جو ان کے قبضہ میں ابتدائی قرون وسطیٰ میں تھا۔

قانون، دینیات اور فلسفہ کا مطالعہ۔ یونیورسٹیاں۔

(۵) طلبا ۱۱۰۰ء سے ان استادوں کے گرد جمع ہونے لگے تھے جو منطق، فلسفہ، رومی قانون، دینیات اور مذہبی قانون پر لیکچر دیتے تھے۔ ارسطو کی کتابیں، جو تمام قدیم لوگوں کی کتابوں سے زیادہ عالمانہ ہیں تلاش کی جاتی تھیں اور علوم کے تمام میدانوں میں طلبا اس کی بڑے جوش کے ساتھ متابعت کرتے تھے۔ نیز یونیورسٹیاں قائم ہوئیں جو ہماری موجودہ تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔

تجربی سائینس کی ابتدا

(۶) علما مستقل طور پر ارسطو کی کتابوں سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے بلکہ انہوں نے انسانی معلومات کے سرمایہ میں اضافہ کرنا شروع کیا۔ ہم راجر بیکن اور اس کے ہمدردوں میں سائینٹفک محققین کا گروہ دیکھتے ہیں جو بے نظیر کارہائے نمایاں کے لیے، جو طبعیات میں ہوئے ہیں اور جو موجودہ زمانہ کا فخر و ناز ہیں شاہراہ تیار کر رہے ہیں۔

فنون کی ترقی

روز افزوں پسندیدگی نفاست و خوبی اس دستکاری اور سلیقہ سے ثابت ہے جو بارھویں اور تیرھویں صدیوں کی شاندار گرجاؤں میں پایا جاتا ہے۔ یہ گرجائیں کسی قدیم طرز کا احیا نہ تھیں بلکہ اس زمانہ کے خود دستکاروں اور معماروں کی دماغی کاوش کا نتیجہ تھیں۔

مصنف کی دوسری کتابیں

المصنفین جلد اول — اردو زبان کی نثر نگاروں کی حالات زندگی اور ان کی عہد بعہد کی ترقی و تبدیلی کا مفصل تذکرہ یہ کتاب نثر اردو کی مکمل تاریخ کا پہلا حصہ ہی اس فن میں اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہی قیمت ۲ روپیہ

المصنفین جلد دوم — سرسید اور انکی عہد کی دوسری نثاران اردو کی حالات زندگی اور ان پر دلچسپ اور محققانہ تبصرہ کیا گیا ہی کتاب کی ضخامت ۶۴۰ صفحہ اور قیمت ۳ روپیہ ۸ آنہ

الات اروِنگ — یہ کتاب نامور امریکن ادیب واشنگٹن اروِنگ کی مضامین کا بامحاورہ ترجمہ ہی مصنف کی حالات زندگی اور اس کی طرز تحریر پر ایک مجمل تبصرہ بھی درج ہی مضامین نہایت دلکش اورمفید ہین صفحات ۹۶ قیمت ۸ آنہ

ترانہ خیالات — اس کتاب مین انگریزی شاعری کا مختصر حال اور مشہور انگریزی شعراء کی نظمون کا ترجمہ نہایت عمدہ اور دلکش ہی قیمت ۱ روپیہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ — دہلی

تاریخی کتابیں

تاریخ ہند قدیم مصنفہ کے — ایم — پانیکر ۱ روپیہ	تاریخ الامت مکمل مصنفہ مولنا اسلم جیراجپوری ۱۱ روپیہ	عربوں کا تمدن مترجمہ سید نذیر نیازی ۲ روپیہ
البیرونی مصنفہ سید حسن برنی ۱ روپیہ ۸ آنہ	تاریخ عرب مصنفہ موسیو سیدیو ۵ روپیہ	تاریخ الدولتین مترجمہ نیاز فتحپوری ۱ روپیہ ۸ آنہ
امراءِ ہنود مصنفہ محمد سعید احمد ۴ روپیہ	تاریخ یونان قدیم مترجمہ سید ہاشمی فریدآبادی ۲ روپیہ ۸ آنہ	تاریخ نجد مصنفہ مولنا اسلم جیراجپوری ۱ روپیہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی